پروفیسر حافظ اظہر محمود

مقامِ صحابہؓ اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ

نشریات



مقام صحابہ رضی اللہ عنہم اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ

جامعہ بیت العتیق (رجسٹرڈ)

کتاب نمبر ______________

پروفیسر حافظ اظہر محمود

نشریات

۴۰ اردو بازار، لاہور۔ فون: ۴۵۸۹۴۱۹۔۰۳۲۱

نام کتاب	:	مقام صحابہؓ اور سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ
مصنف	:	پروفیسر حافظ اظہر محمود
اہتمام	:	نشریات، لاہور
مطبع	:	میٹرو پرنٹرز، لاہور

ڈسٹری بیوٹرز



اُردو بازار، نزد ریڈیو پاکستان، کراچی۔
فون: 32212991-32629724



کتاب سرائے
پبلشرز، ڈسٹری بیوٹرز، مشیران کتب خانہ جات
فرسٹ فلور، الحمد مارکیٹ، غزنی سٹریٹ
اُردو بازار، لاہور فون: 37320318 فیکس: 37239884

ترتیب



تقدیم

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں پوری امت مسلمہ کا یہ متفقہ اور اجماعی عقیدہ ہے کہ تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کی تعظیم و تکریم کرنا اور ان سے اپنی محبت کا اظہار کرنا واجب ہے۔ یہ بات کسی کے لیے جائز نہیں کہ وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی برائی کرے یا ان کی ذوات میں کوئی عیب نکالے۔ جو ایسا کرے وہ بقول حافظ ابن تیمیہؒ، اس کو سزا دی جائے۔ (الصارم المسلول ص ٥٦٨) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم وہ لوگ ہیں جن کے سامنے وحی نازل ہوئی اور انہوں نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے براہ راست قرآن حکیم سنا اور اس کی تفسیر بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سیکھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جو کچھ نازل ہوا وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلا کم و کاست صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تک پہنچایا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کو انہوں نے محفوظ رکھا اور پھر جہاں جہاں بھی وہ گئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس تعلیم کو انہوں نے دعوت دین کے ذریعے دوسروں تک پہنچایا۔ اسی وجہ سے مسلمانوں کے عقائد میں یہ بات شامل ہے کہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو وجوباً بے گناہ مانا جائے اور ان میں سے ہر ایک کے لیے عادل ہونے کا اعتراف کیا جائے اور ان کی ذوات پر اعتراض اور طعن کرنے سے زبان کو روک لیا جائے کیونکہ وہ بہترین امت تھے۔ (المسائر ٢٥/ ١٥٨) یہ لوگ قران و حدیث کے اوّلین راوی بھی تھے۔ اگر ان کی ذوات کو مجروح کیا گیا تو یہ کتاب و سنت کو باطل کرنے کے مترادف ہوگا۔

صحابی کون ہوتا ہے جس کو یہ شرف حاصل ہے؟ حافظ ابن حجرؒ کے مطابق صحابی وہ ہے جس نے ایمان کے ساتھ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کی اور پھر اسلام پر ہی وفات پائی۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ ان بچوں کو بھی صحابہ میں داخل کرتے ہیں جو عہد رسالت میں پیدا ہوئے، محض اس گمان پر کہ انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا ہوگا بلکہ اویس قرنی رضی اللہ عنہ کو بھی صحابہ کرام میں ذکر کرتے ہیں جنہوں نے نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا اور نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں دیکھا۔ انہوں نے صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ پایا۔ (الاصابہ ١/ ١١٥-١١٧)

چنانچہ حافظ ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے بھی سیدنا احنف بن قیس کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں شمار کیا ہے جنہوں نے صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دور پایا، نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں دیکھا اور انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے حالات معلوم ہوئے تو آپ نے ان کے لیے دعا فرمائی۔ (الاستیعاب : ۱/ ۱۲۶)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے جب حالات کا مطالعہ کیا جاتا ہے تو اگرچہ صدیاں گزر گئیں لیکن ان عشاق نبوت کے ذکر میں آج بھی وہی تاثیر ہے جو اللہ والوں کے حالات میں ہونی چاہیے۔ نہیں معلوم ان کی پاک صورتوں، اور پاک صحبتوں کی گہرائیوں اور دل ربانیوں کا کیا حال ہوگا؟ وہ ایسے لوگ تھے کہ زمین والوں ہی پر موقوف نہیں آسمانوں میں بھی صرف انہی کے نام کی پکار تھی اور آج بھی انسانیت کے لیے وہی نمونہ ہیں۔ وہ صرف خدا کے لیے تھے۔ اور خدا کی چوکھٹ پر ہی ان کا دل جھکا ہوا تھا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کے مطابق انہوں نے اپنی زندگی کا ایک ایک لمحہ گذارا۔ ان کو ان میں سب سے زیادہ محبوب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت تھی۔ وہ ہماری طرح ہوائے نفس میں گرفتار نہیں تھے۔ دراہم و دنانیر کو نہیں پوجتے تھے، انہوں نے لذت نفس اور عیش دنیوی کو اپنا قبلہ نہیں بنایا ہوا تھا۔ مختصر یہ کہ وہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے لو لگائے ہوئے تھے اور اللہ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم ان کو محبوب رکھتا تھا، سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ بھی انہی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے تھے۔ انہوں نے بھی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں جہاد کیا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے دل کا بھی تزکیہ کیا تھا جس طرح دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم کے دلوں کا کیا تھا، لیکن کچھ لوگوں نے نہ صرف ان کو بلکہ ان کے ساتھ کچھ دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی اپنی طعن و تشنیع کا ہدف بنایا ہے۔ اس کتاب میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا مقام اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ پر بعض صحابہ دشمن لوگوں کے اعتراضات کا جواب دیا گیا ہے۔ امید ہے کہ قارئین کرام کو میری یہ کاوش پسند آئے گی۔

پروفیسر حافظ اظہر محمود
ایم اے
الریاض (سعودی عرب)



مقام صحابہ رضی اللہ عنہم

رسول اللہ ﷺ نے جن لوگوں کو دین کی دعوت دی اور ان میں سے جو لوگ آپ پر ایمان لائے وہ آپ ﷺ کے صحابہ کہلائے۔ صحابی ہونے کا یہ مقام کسبی نہیں ہے اور نہ یہ ارتقاء اور محنت ہی سے حاصل ہو سکتا ہے بلکہ یہ مقام اللہ تعالیٰ کا انتخاب ہے اور اس کا چناؤ ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ایمان قبول کیا، مختلف اعمال کیے۔ یہ ان کی محنت کا حاصل ہے لیکن صحابیت کا جو مقام انہیں حاصل ہوا وہ خدا کی دین تھا۔ یہ مقام محنت سے حاصل نہیں ہو سکتا۔ دوسرے لفظوں میں صحابی ہونا اپنے بس کی بات نہیں۔ یہ مقام علم و عمل پر موقوف نہیں بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کا انتخاب ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی اس خصوصیت کی وجہ سے امت کا یہ فیصلہ ہے کہ بڑے سے بڑا ولی، خواہ وہ غوث ہو یا قطب یا ابدال یا اس سے بھی بڑے درجے کا حامل ہو، ایک چھوٹے سے چھوٹے صحابی کے درجہ کو نہیں پہنچ سکتا۔ چھوٹے صحابی سے مراد یہ ہے کہ جس نے پانچ منٹ بھی ایمان کی حالت میں آپ کو دیکھا اور پھر ایمان پر ہی اس کا خاتمہ ہوا۔ چنانچہ سیدنا ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے جب یہ دریافت کیا گیا کہ سیّدنا معاویہؓ افضل ہیں یا سیّدنا عمر بن عبدالعزیزؒ؟ کیوں کہ اوّل الذکر صحابی رسول ﷺ ہیں اور ثانی الذکر جلیل القدر تابعی ہیں، تو انہوں نے یہ جواب دیا:

((لانعدل باصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم احداً.))

(الروضة الندية شرح العقيدة الواسطية لا بن تيمية صفحه ٤٥)

”ہم اصحاب محمد ﷺ کے برابر کسی کو نہیں سمجھتے۔“

یہی سوال جب سیدنا عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ سے کیا گیا کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ میں سے کون افضل ہے؟ تو آپ نے جواب یں فرمایا:

”خدا کی قسم! وہ غبار اور مٹی جو رسول اللہ ﷺ کی معیت میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ

کے گھوڑے کے نتھنوں میں آ کر جم گئی وہ عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ سے ہزار درجہ افضل ہے۔ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نمازیں پڑھیں۔ جب آپ کہتے تھے "سمع الله لمن حمده" تو سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کہتے تھے: "ربنا لك الحمد" اس شرف کے بعد اور بڑا شرف کیا ہو سکتا ہے۔"

(تطهير الجنان صفحه ۱۰۔ ۱۱)

اسی طرح کا ایک اور واقعہ قاضی عیاض رحمہ اللہ نے بھی نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ ایک شخص نے سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے سامنے سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کا کیا مقام ہے؟ یہ سوال سن کر وہ سخت غصے میں آ گئے اور فرمایا:

((لا يقاس باصحاب النبي ﷺ احد ، معاوية صاحبه و صهره و كاتبه و امينه على وحى الله .)) (تطهير الجنان صفحه ۱۰)

"اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں کسی کو قیاس نہیں کیا جا سکتا۔ معاویہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے برادر نسبتی اور اللہ تعالیٰ کی وحی کے کاتب اور امین ہیں۔"

اسی سلسلہ میں کتابوں میں ایک روایت ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ امام حسن بصری رحمہ اللہ سے کسی نے پوچھا کہ کیا وجہ ہے کہ اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمام امت میں سب سے افضل ہیں؟ کیا وہ ہم سے زیادہ نمازیں پڑھتے تھے؟ کیا وہ ہم سے زیادہ روزے رکھتے تھے؟ کیا وہ ہم سے زیادہ صدقات و زکوٰۃ دیتے تھے۔ امام حسن بصری رحمہ اللہ نے فرمایا: "ہو سکتا ہے تم نمازیں زیادہ پڑھتے ہو، روزے زیادہ رکھتے ہو اور صدقات و زکوٰۃ ان سے زیادہ دیتے ہو لیکن نبوت کی نگاہوں سے جو برق تجلی ان کی آنکھوں کے ذریعہ سے ان کے قلب میں اتر کر پیوست ہو گئی، وہ ان کے بعد دنیا کے اور کسی شخص کو میسر نہیں ہوئی۔"

اس سے معلوم ہوا کہ صحابی کا رتبہ ارتقائی نہیں بلکہ عطائی ہے اور یہ مقام ان کو اس لیے عطا ہوا کہ ان نفوس قدسیہ کے لیے اللہ تعالیٰ نے کلمہ تقویٰ لازم کر دیا تھا۔ اس لیے کہ یہ نفوس قدسیہ اس مقام کے اہل اور حق دار تھے۔ اسی وجہ سے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے "الاصابہ" کے

مقدمہ میں لکھا ہے کہ:

((علی انھم کانوا یعتقدون ان شأن الصحبة لایعدله شیء))

(الاصابہ ۱/۱۲)

''وہ یہ اعتقاد رکھتے تھے کہ صحبت کی شان کے برابر اور کوئی شے نہیں۔''

معلوم ہوا کہ ایمان اور عمل کے علاوہ ایک تیسری چیز بھی ہے اور وہ ہے صحبت رسول ﷺ۔ یہ وہ صحبت ہے جسے صحابیت کے لفظ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اس صحابیت کا مقام اور درجہ اتنا اونچا اور بلند ہے کہ اتنا کسی اور عمل کا درجہ بلند نہیں ہے۔ ایک شخص حضور ﷺ کی مجلس میں آیا، ایمان لایا اور حضور ﷺ کی نظر اس پر پڑ گئی تو اب اس کی شان اتنی بلند ہو گئی کہ علم و عمل کی سرحدیں اس سے پیچھے رہ گئیں اور یہ شخص وہ مقام حاصل کر گیا کہ آپ ﷺ کے انتقال کے بعد وہ مقام اور کسی کو حاصل نہ ہو سکا۔ ان کی آنکھیں جب نبوت کی آنکھوں سے دو چار ہوئیں اور ان آنکھوں میں نبوت کا جو عکس پڑا تو انہیں وہ مقام حاصل ہو گیا ''لایعدله شیء'' کہ علم و عمل اب اس کے برابر نہیں۔ اب ان کے علم اور عمل کے بارے میں سوال نہیں کیا جائے گا بلکہ ان کے مقام اور مرتبہ پر نظر کی جائے گی۔ یہی وجہ ہے کہ محدثین ہر راوی پر جرح کرتے ہیں کہ وہ ضعیف ہے یا ثقہ لیکن جونہی صحابی کا نام آتا ہے، زبانیں گنگ ہو جاتی ہیں۔ ان کے اس مقام کے باعث قرآن حکیم نے انہیں خیر امت کہا:

﴿كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ﴾ (آل عمران: ۱۱۰)

''تم سب امتوں سے بہترین امت ہو جو لوگوں کے لیے بھیجی گئی ہو۔''

اسی وجہ سے علماء نے لکھا ہے کہ اگر کوئی کسی صحابی رسول ﷺ کے بارے میں یوں کہے کہ اس صحابی کا درجہ ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما سے کم ہے تو ایسا کہنا جائز نہیں۔ اس سے اس صحابی کے مقام کی تنقیص ہوتی ہے۔ بلکہ یہ کہنا چاہیے کہ ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما کا درجہ فلاں صحابی سے بڑا تھا۔ اسی طرح یہ کہنا نہیں چاہیے کہ موسیٰ علیہ السلام کا درجہ رسول اللہ ﷺ سے کم تھا بلکہ یہ کہنا چاہیے کہ رسول اللہ ﷺ کا درجہ بڑا تھا۔ چنانچہ یہ کہنا جائز نہیں کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا درجہ سیدنا ابوبکر اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہما سے کم ہے بلکہ یہ کہنا چاہیے کہ ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما کا درجہ سیدنا

معاویہ رضی اللہ عنہ سے بڑا ہے۔ اس کو ایک مثال سے اس طرح سمجھایا جا سکتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((الصحابی کالنجوم بایھم اقتدیتم اھدیتم .))

''میرے صحابہ ستاروں کی طرح ہیں، ان میں سے جس کی بھی اقتداء کرو گے نجات پا جاؤ گے۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ستاروں سے تشبیہ دی۔ کیا سب ستارے ایک جیسے چمکتے ہیں؟ کوئی ستارہ کم چمکے یا زیادہ چمکے، ملے گی اس سے روشنی۔ کوئی ستارہ ایسا نہیں جو روشنی کے بجائے اندھیرا دے۔ ہیں وہ ستارے ہی جو روشنی دیتے ہیں، یہ الگ بات ہے کہ وہ ایک جیسے نہیں چمکتے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی وجہ سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کو ستاروں سے تشبیہ دی جس سے مقصد یہ تھا کہ میرے صحابہ سے تمہیں روشنی ہی ملے گی اندھیرا نہیں ملے گا، یہ الگ بات ہے کہ کسی سے روشنی کم ملے اور کسی سے زیادہ۔ اسی وجہ سے سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ میں نے اپنے رب سے اپنے بعد اختلاف کے بارے میں سوال کیا۔ اللہ تعالیٰ نے میری طرف وحی کر کے فرمایا: ''اے محمد! آپ کے اصحاب میرے نزدیک آسمان کے ستاروں کی طرح ہیں۔ جن میں سے بعض بعض سے قوی ہیں۔ لیکن ہے سب میں نور۔ جو اختلاف میں بھی جو ان سے اخذ کرے گا وہ میرے نزدیک ہدایت پر ہی ہوگا۔ (مشکوۃ ٢٦٧/٧)

جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے باہمی اختلاف میں بھی ہر ایک ہدایت پر ہے اور نہ صرف وہ ہدایت پر ہے بلکہ جو ان کی اتباع کرے گا وہ بھی ہدایت پر ہے، تو اب ایک صحابی اور ایک تابعی کا کیا مقابلہ؟ چنانچہ حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے ایک سوال اٹھایا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین اگرچہ مغفور اور غیر ماخوذ تھے لیکن ان کے بعد آنے والے حضرات جیسے تابعین اور تبع تابعین بھی کیا کسی صحابی سے افضل ہو سکتے ہیں؟ اس سوال کا جواب دیتے ہوئے شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تمام علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین تمام تابعین عظام سے افضل ہیں لیکن ان کی یہ افضلیت طبقاتی اور اجتماعی ہے یا انفرادی یعنی طبقہ

صحابہ طبقہ تابعین سے افضل ہیں یا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کا ہر ہر فرد تابعین کے ہر ہر فرد سے افضل ہے؟ اس سلسلہ میں حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے قاضی عیاض کے دو قول نقل فرمائے ہیں:

ان میں سے ایک قول یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کا ہر ہر فرد تابعین کے ہر ہر فرد سے افضل ہے۔ یہی بات عبداللہ بن مبارکؒ اور امام احمد بن حنبلؒ سے منقول ہے اور حافظ ابن حجرؒ اسی کو جمہور کا قول بتا رہے ہیں۔ (فتح الباری ۷/۶)

حافظ ابن تیمیہؒ جمہور کے اس قول کی دلیل ذکر کرتے ہیں فرماتے ہیں کہ فضائل کا دار و مدار اعمال کی عددی قلت و کثرت پر نہیں بلکہ دلوں میں جاگزیں ایمانی حقائق پر ہے اور ایمانی حقائق میں چونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کا ہر ہر فرد بعد والے لوگوں کے ہر ہر فرد سے بڑھ کر ہے لہٰذا اس کا ہر ہر فرد بعد والے ہر ہر فرد سے افضل ہے۔ اس سلسلہ میں انہوں نے سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ اور سیدنا معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کے زہد و عدل کی مثال دے کر یہ بات سمجھانے کی کوشش کی ہے کہ اگرچہ عمر بن عبدالعزیزؒ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے زہد و عدل میں اعلیٰ تھے، لیکن اس کے باوجود افضل سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ ہی ہیں، اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی افضلیت تو رہی ایک طرف، بعض سلف نے تو یہاں تک کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جہاد کرتے ہوئے جو غبار سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی ناک میں پڑا وہ بھی عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ سے افضل و اعلیٰ ہے۔ (منہاج السنۃ ۳/۱۸۳)

ہمارے نزدیک سیّدنا عمر بن عبدالعزیزؒ کا زہد و عدل میں سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے افضل و اعلیٰ ہونا خلاف واقعہ ہے۔ سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ لاکھ زاہد و عادل سہی لیکن وہ زہد و عدل میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے بڑھ کر نہیں ہیں۔ البتہ یہ بات بعض حلقوں میں شہرت حاصل کر گئی ہے اور اس میں زیادہ تر ہاتھ سبائیوں کا ہے۔ اس بات کے خلاف واقعہ ہونے کی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کا زہد و عدل میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے بڑھ کر ہونا تو بہت دور کی بات ہے سیدنا عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ تو فرماتے ہیں کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناک کا غبار بھی عمر بن عبدالعزیز سے افضل ہے۔ (البدایۃ والنہایۃ ۸/۱۳۹)

یہ فضیلت صرف سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ سب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو

شامل ہے۔ چنانچہ سیّدنا سعید بن زید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں کسی ایک جنگ کے موقع پر ایک مسلمان حاضر ہو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں اس کا چہرہ غبار آلود ہو، یہ شخص اس شخص سے افضل ہے جو عمر نوح پا کر نیک عمل کرتا رہے۔

مسند احمد: ۱/ ۱۸۷.

حافظ قرطبی رحمہ اللہ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں بڑی پتے کی بات لکھی ہے، فرماتے ہیں:

((لا يجوز أن ينسب الى احد من الصحابة خطاء مقطوع به اذ كانوا كلهم اجتهدوا فيما فعلوه وارادوا الله عزوجل ، وهم كلهم لنا ائمة و تعيدنا بالكف عما شجر بينهم، ولا نذكرهم الا باحسن الذكر ، محرمة الصحبة ونهى النبى صلى الله عليه وسلم عن سبهم، وان الله غفرلهم واخبر بالرضا عنهم .))

تفسیر قرطبی: ۱٦/ ۳۲۱.

''کسی ایک صحابی کی طرف قطعی طور پر خطا کی نسبت کرنا جائز نہیں ہے جب کہ ان سب نے جو کچھ کیا ہے اپنے اجتہاد سے کیا ہے اور انہوں نے اللہ کی رضا کا ارادہ کیا ہے، اور وہ سب ہمارے پیشوا ہیں اور ہمیں اس بات کا حکم ہے کہ ان کے مابین جو جھگڑے اور تنازعات ہوئے ان سے اپنی زبانیں روکیں اور ان کا ذکر خیر کے ساتھ کریں کیوں کہ شرف صحابیت بڑی حرمت کی چیز ہے، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو برا بھلا کہنے سے منع فرمایا ہے، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں معاف کر رکھا ہے اور ان سے اپنے راضی ہونے کی خبر دی ہے۔''

دوسری بات اس سلسلہ میں یہ ہے کہ مفضول کو اپنے سے کسی افضل پر جزوی فضیلت حاصل کرنے کے لیے ضروری ہے کہ دونوں ایک جنس سے ہوں۔ مثال کے طور پر ایک صحابی اگر دوسرے صحابی سے جزوی طور پر افضل ہے تو یہ بات مانی جا سکتی ہے کیونکہ دونوں جنس

صحابہ میں سے ہیں، لیکن اگر ایک غیر صحابی کی صحابی پر جزوی فضیلت ثابت کی جائے تو یہ درست نہیں، اس لیے کہ ان دونوں کی جنس مختلف ہے۔ صحابی کو تو غیر صحابی پر فضیلت کلی حاصل ہے، لہٰذا اس کی جزوی فضیلت ثابت نہیں کی جاسکتی۔ ہاں ایک صحابی کی دوسرے صحابی پر، ایک تابعی کی دوسرے تابعی پر جزوی فضیلت ثابت کی جاسکتی ہے، لیکن صحابی پر غیر صحابی کی جزوی فضیلت کسی طور بھی ثابت نہیں کی جاسکتی کیوں کہ جنس فضیلت میں جو افضل ہے وہی کلی طور پر افضل ہوگا اور جزوی طور پر بھی اسی کی فضیلت ثابت ہوگی۔ صحابیت فضیلت کی ایک جنس ہے اور تابعیت فضیلت کی دوسری جنس، اور پہلی جنس دوسری جنس سے افضل ہے جیسا کہ قرآن و حدیث سے ثابت ہے۔ لہٰذا یہ ہرگز نہیں ہوسکتا کہ ایک تابعی کی صحابی پر کسی نوع فضیلت میں جزوی فضیلت حاصل کر لے کیوں کہ صحابیت کی جنس فضیلت بلاشک و شبہ تابعیت کی انواع فضیلت سے افضل ہے۔ چنانچہ جس طرح ایک صحابی ایک تابعی سے افضل ہے ایسے ہی ایک صحابی کا نماز، روزہ، حج اور زکوۃ اور انفاق فی سبیل اللہ اور زہد و عدل ایک تابعی کے انہی اعمال سے افضل ہیں۔ اسی شے کو حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ نے اپنے الفاظ میں یوں بیان فرمایا ہے:

> ''صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کا ہر فرد کل عالم کے مسلمانوں سے افضل ہے۔ کوئی غیر صحابی مسلمان کسی صحابی سے کسی کمال علمی میں اکمل تو ہوسکتا ہے لیکن افضل نہیں ہوسکتا کیوں کہ افضلیت کا دار و مدار قبول عند اللہ پر ہے اور کمالات کی تحصیل اکتسابی اور اختیاری چیز ہے۔'' (ماهنامه البلاغ، کراچی جمادی الاخریٰ ۱۳۹۱ھ)

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ زاہد و عادل تھے، لیکن ان کا زہد و عدل جنس صحابیت والا تھا، جب کہ عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ تابعی تھے اور ان کا زہد و عدل جنس تابعیت سے تھا۔ جب دونوں کی جنس الگ الگ ہوگئی تو ان دونوں میں فضیلت کے اعتبار سے کوئی تقابل اور نسبت نہ رہی۔ اسی وجہ سے سیدنا عبداللہ بن مبارکؒ نے اس سوال کے جواب میں کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اور عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ میں سے کون افضل ہے؟ تو انہوں نے سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کی کسی جزوی فضیلت کو بیان کرنا تو ایک طرف رہا، یہ جواب دیا کہ ''عمر بن عبدالعزیزؒ تو سیدنا

معاویہ رضی اللہ عنہ کی خاک ناک کے برابر بھی نہیں۔" (البداية والنهاية ١٣٩/٨)

چنانچہ یہی سوال جب عبداللہ بن مبارکؒ کے استاد یا استاد جیسے شخص سے پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا:

((أتجعل رجلًا من الصحابة مثل رجل من التابعين.))

(البداية والنهاية : ١٣٩/٨)

"کیا تو ایک صحابی کو تابعی کے درجہ میں لانا چاہتا ہے؟"

اور یہ جملہ انہوں نے غضب ناک حالت میں کہا کیوں کہ اس سوال سے انہیں بڑا تعجب ہوا کہ ایک تابعی اور ایک صحابی رسول کا تقابل کیا جا رہا ہے۔ پھر فرمایا: "معاویہ رضی اللہ عنہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے برادر نسبتی، آپؐ کے کاتب وحی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وحی کے امین تھے۔" اور اس تقابل کو انہوں نے ایک "سب" قرار دیتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث سنائی کہ:

((فمن سبهم فعليه لعنة الله والملائكة والناس اجمعين.))

(البداية والنهاية: ١٣٩/٨)

"پس جو میرے صحابہ (رضی اللہ عنہم) کو "سب" کرے اس پر اللہ، فرشتوں اور تمام انسانوں کی لعنت ہو۔"

اندازہ فرمائیں کہ وہ ایک صحابی اور تابعی کے تقابل کو صحابی کے حق میں "سب" قرار دے رہے ہیں، لہٰذا سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کو سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ پر فضیلت قرار دینا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں ایک "سب" کی حیثیت رکھتا ہے۔

تیسری بات اس سلسلہ میں یہ ہے کہ سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ اگرچہ زاہد اور عادل تھے لیکن وہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے کسی اعتبار سے بھی زیادہ عادل اور زاہد نہ تھے، نہ کمیت کے لحاظ سے اور نہ کیفیت کے لحاظ سے۔ کمیت کے لحاظ سے تو اس طرح کہ سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کو عدل کرنے کا موقع کتنے سال ملا؟ ان کی خلافت کی کل مدت اڑھائی سال ہے۔ مسند خلافت پر بیٹھنے سے قبل ان کی زندگی عام انسانوں کی طرح تھی بلکہ ان کی زندگی

عیش و تنعم سے بھر پور اور مسرفانہ زندگی تھی۔ وہ ایک شاہی خاندان کے فرد تھے۔ ان کے والد قریباً ۲۱ سال مصر کے گورنر رہے تھے۔ وہ چاندی کا چمچہ منہ میں لے کر پیدا ہوئے۔ خلافت سے قبل ان کی زندگی نہایت مسرفانہ اور تمول و تنعم والی زندگی تھی۔ جب وہ مدینہ کے گورنر ہوئے تو تیس (۳۰) اونٹوں پر ان کا ذاتی سامان گیا۔ لباس بھی نہایت مسرفانہ ہوتا تھا۔ جس لباس پر ایک دفعہ کسی کی نگاہ پڑ جاتی تھی پھر اسے نہ پہنتے تھے۔ خوشبو کا استعمال بھی وافر مقدار میں کرتے تھے۔ چنانچہ ڈاڑھی پر عنبر کا سفوف بنا کر چھڑکتے تھے۔ اور رجاء بن حیوہ کا بیان ہے کہ عمر بن عبدالعزیز اپنے زمانہ کے سب سے زیادہ خوش لباس، معطر اور تبختر کی چال چلنے والے تھے۔ لیکن جونہی خلافت کا بارگراں ان کے کاندھوں پر پڑا، ان کی زندگی کا رخ اور نقشہ بدل گیا۔ اب ان کو اپنی فکر نہ تھی بلکہ دوسروں کی فکر ہوگئی۔ اب اپنے عیش و آرام کا خیال نہ رہا بلکہ رعایا کے عیش و آرام کا خیال دل میں موجزن ہو گیا۔ اب وہ لباس، عطر، لونڈی، غلام اور تمام شاہی امتیازات سے دست کش ہو گئے۔ ایک دن میں کئی کئی مرتبہ لباس بدلنے والے کے پاس اب صرف ایک جوڑا تھا، یہاں تک کہ مرض الموت میں بھی ایک قمیص کے علاوہ اور دوسری قمیص نہ تھی۔ نرم و ملائم کپڑے پہننے والے کے پاس اب صرف ایک موٹا جھوٹا، میلا کچیلا، کھردرا اور پیوند زدہ لباس تھا۔ اور اگر کبھی ملائم اور نرم لباس دیکھ لیتے تو فرماتے: (ما احسنه لو لا لينة) ''یعنی کتنا اچھا ہوتا اگر یہ نرم و ملائم نہ ہوتا۔'' لیکن یہ کیفیت کتنے سال رہی؟ صرف اڑھائی سال۔ اس کے برعکس سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سنہ ٦ ھ میں دامن اسلام سے وابستہ ہوئے (مشہور روایت کے مطابق سنہ ۸ ھ میں) اور سنہ ٦٠ ھ میں داعی اجل کو لبیک کہا یعنی باون سال اسلام کے زیر سایہ زندگی گزاری۔ اس لحاظ سے باون سال اور سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے اڑھائی سال۔ اگر سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے صرف دور اقتدار کا زہد و عدل ہی لیا جائے تو وہ بھی ۴۲ سال بنتا ہے یعنی سنہ ۱۸ھ سے ٦٠ ھ تک۔ اس لحاظ سے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا زہد و عدل سیدنا عمر بن عبدالعزیزؒ سے سولہ گنا زیادہ بنتا ہے۔

اگر کیفیت کے لحاظ سے دیکھا جائے تو پھر بھی سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا زہد عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ سے زیادہ ہے، کیوں کہ ایک تو آپ صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم تھے اور صحابہ

کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

((لو ان احدکم انفق مثل احد ذهباً ما بلغ مد احدهم ولا نصيفه .)) (مشکوٰۃ صفحہ ۵۵۳)

''یعنی تم میں سے کسی کا احد پہاڑ جتنا سونا اللہ کی راہ میں خرچ کرنا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین میں سے کسی کے ایک آدھ مد سونے کے برابر نہیں ہوسکتا۔''

اس کی وجہ یہ تھی کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے اعمال اگرچہ تعداد میں تھوڑے ہوں لیکن کمال ایمان اور کمال اخلاص کی وجہ سے وزن میں تمام امت سے زیادہ ہیں۔ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جلیل القدر صحابی ہیں لہٰذا ان کے کمال ایمان اور کمال اخلاص کی وجہ سے ان کے چھوٹے اعمال بھی باقی امت کے بڑے بڑے اعمال سے بھاری ہیں۔ اسی حقیقت کو سیدنا عبداللہ بن مبارکؒ نے ان لفظوں میں فرمایا تھا:

((تراب انف معاوية خير و افضل من عمر بن عبدالعزيز .))

''سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناک کی مٹی عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ سے بہتر اور افضل ہے۔''

(البداية والنهاية ۱۳۹/۸)

اور حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی قدس سرہ صحبت نبوی کی فضیلت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ صحبت نبوی کے برابر کوئی شے نہیں۔

((فلا جرم صار خطاء معاوية خير من صوابهما ببركة الصحبة و سهو عمرو بن العاص افضل من صوابهما :))

(مکتوبات مجدد ۱۲۰/۱)

''یعنی بیشک سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی خطا بھی صحبت نبوی کی برکت سے اویس قرنی اور عمر بن عبدالعزیز رحمہما اللہ کے صواب سے بہتر ہے اور سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کا سہو بھی ان دونوں کے صواب سے افضل ہے۔''

چوتھی بات اس سلسلہ میں یہ ہے کہ سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کا زہد و عدل کیا تھا؟ وہ یہ کہ انہوں نے بیت المال کو اپنا ذاتی خزانہ نہ سمجھا بلکہ اس کو اپنی رعایا کا حق قرار دیا۔ یہ زہد تو

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ میں بھی تھا۔ اور ان کا یہ خطبہ کتابوں کے اوراق میں آج تک محفوظ ہے کہ انہوں نے فرمایا:

''لوگو! سنو، تمہارے وظائف کی ادائیگی کے بعد بیت المال میں کچھ مال بچ گیا ہے۔ میں وہ بھی تم میں تقسیم کرنے لگا ہوں۔ اگر آئندہ سال بھی کچھ زائد مال آیا تو وہ بھی تم میں تقسیم کر دوں گا اور اگر نہ آیا تو مجھ پر ناراض نہ ہونا کیوں کہ یہ مال میرا مال نہیں ہے بلکہ تمہارا ہی مال ہے جو اللہ تعالیٰ نے تم کو دلوایا ہے۔''

(منهاج السنة ۳/۱۸۵)

اسی سلسلے میں امام طبرانی اور امام ابو یعلی نے اپنی سند سے یہ واقعہ نقل کیا ہے جس کی سند کے بارہ میں امام ہیثمی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ "رجاله ثقات" واقعہ یہ ہے:

''سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے ایک روز جمعہ کے خطبہ میں خلاف معمول یہ بات کر دی کہ ''بیت المال'' اور ''غنیمت کا مال'' ہماری مرضی پر موقوف ہے۔ جسے ہم چاہیں گے دیں گے اور جسے نہیں چاہیں گے نہیں دیں گے۔ ان کی اس بات کا کسی نے کوئی جواب نہ دیا۔ دوسرے جمعہ کو پھر انہوں نے یہ بات دہرائی۔ پھر کسی نے جواب نہ دیا۔ لیکن جب تیسرے جمعہ کو وہی بات پھر کہی تو ایک شخص درمیان سے کھڑا ہو گیا اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے مخاطب ہو کر بولا: ''ہرگز نہیں! بیت المال اور غنیمت کے اموال ہم سب مسلمانوں کے ہیں جو شخص ہمارے اور ان کے درمیان حائل ہو گا ہم تلوار کے ساتھ اس سے محاکمہ کریں گے۔'' جمعہ کے بعد سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس شخص کو اپنے پاس بلا لیا۔ کچھ لوگ اس خیال سے پیچھے پیچھے چل پڑے کہ اگر کوئی سختی کی بات ہوئی تو وہ سفارش کریں گے۔ مگر اندر گئے تو دیکھا کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس شخص کو اپنے تخت پر بٹھا رکھا ہے اور اس کا شکریہ ادا کر رہے ہیں۔ لوگ جب وہاں پہنچے تو سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے بعد ایسے حکمران بھی آئیں گے جو جو چاہیں گے کہہ دیں گے، کوئی ان

کو روک ٹوک کرنے والا نہیں ہو گا۔ ایسے حکمران جہنم میں بندروں کی طرح چھلانگیں لگاتے پھریں گے۔ چنانچہ میں نے اس خیال سے یہ بات جمعہ کے خطبہ میں کہہ دی کہ دیکھوں مجھے کوئی شخص ٹوکتا ہے یا نہیں۔ جب پہلے جمعہ پر کسی نے نہ ٹوکا تو مجھے پریشانی ہوئی۔ اس لیے دوسرے جمعہ کو میں نے پھر یہ بات دہرائی۔ پھر بھی کوئی نہیں بولا تو میری پریشانی میں اور اضافہ ہو گیا۔ مگر آج میں نے تیسری بار پھر وہی بات کہی تو اس شخص نے کھڑے ہو کر مجھے ٹوک دیا جس سے مجھے تسلی ہوئی کہ میرا شمار ان حکمرانوں میں نہیں ہوگا۔ "فاحیانی احیاہ" اللہ تعالیٰ اسے زندہ رکھے اس نے مجھے زندگی بخش دی۔" (مجمع الزوائد ٥/٢٣٦)

اس طرح کے اور کئی واقعات کتابوں میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارہ میں منقول ہیں۔

پانچویں بات اس سلسلہ میں یہ ہے کہ سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ بڑے زاہد تھے۔ اس وجہ سے انہوں نے اپنے اور اپنے اعزاء و اقربا کے قبضہ میں تمام اموال اور جاگیریں بیت المال میں واپس جمع کروا دیں تو یہ کوئی اتنا بڑا کام نہیں ہے۔ یہ اموال اور جاگیریں تو پہلے ہی بیت المال اور مسلمانوں کی تھیں۔ ان اموال اور جاگیروں کو انہوں نے اگر بیت المال میں جمع کروایا تو انہوں نے اپنا ناجائز قبضہ چھوڑا۔ گویا حق حق دار تک پہنچایا۔ یہ اگر زہد ہے تو میرے خیال میں ایسا کرنا تو ان پر شرعی طور پر واجب تھا۔ یہ ان کا زہد نہیں بلکہ عوام کا زہد ہے لیکن اس کے برعکس سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے ذاتی مال میں سے نصف مال بیت المال میں جمع کرانے کی وصیت فرمائی تاکہ بیت المال کا کوئی روپیہ پیسہ اگر ان کے پاس رہ گیا ہو تو اس کا حساب بے باق ہو جائے۔ چنانچہ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے لکھا ہے:

((ان معاویۃ لما احتضر اوصٰی بنصف مالہ ان یرد الی بیت المال.)) (البدایۃ والنہایۃ ٨/١٤١)

"یعنی سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے وفات کے وقت یہ وصیت فرمائی کہ ان کا نصف مال بیت المال میں جمع کرا دیا جائے تاکہ ان پر مسلمانوں اور بیت المال کا کوئی حق نہ رہ جائے۔"

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا یہ زہد و ورع سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے زہد سے بدرجہا افضل اور بہتر ہے۔

یہ تو زہد کا معاملہ تھا۔ جہاں تک عدل کا تعلق ہے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا عدل بھی عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے عدل سے بہت بہتر تھا۔ چنانچہ ایک مرتبہ امام اعمش رحمہ اللہ کی مجلس میں سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے عدل کا ذکر ہوا کہ وہ بہت عادل تھے۔ انہوں نے نظام عدل و انصاف رائج کیا۔ آقا و غلام کی تفریق مٹا دی اور لوگوں کے سامنے مساوات کا ایک نمونہ پیش کیا۔ یہ سن کر امام اعمش رحمہ اللہ نے فرمایا: ”فکیف لو ادرکتم معاویة“ یعنی تم لوگ عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے عدل و انصاف کے بارہ میں رطب اللسان ہو، اگر تم سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا زمانہ پا لیتے تو معلوم نہیں تمہارا کیا حال ہوتا؟ لوگوں نے کہا: شاید آپ ان کے حلم کی بابت فرما رہے ہیں؟ (کیوں کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا حلم بہت مشہور تھا) اعمش رحمہ اللہ نے فرمایا: ”لا واللّٰہ بل فی عدل“ نہیں اللہ کی قسم! میں ان کے حلم کی نہیں بلکہ ان کے عدل کی بات کر رہا ہوں۔ (منهاج السنة : ۱۸۵/۳)

سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ اگر عادل ہیں کہ انہوں نے رعایا کی بلا امتیاز خبر گیری کی اور ظلم و جور کا ایسا انسداد کیا کہ ان کے زمانہ میں لوگ بڑے خوش حال ہو گئے اور ملک کے طول و عرض سے غربت و افلاس کا نام و نشان مٹ گیا، لوگوں کے لیے لنگر خانے جاری کیے، مجبور لوگوں کے لیے وظائف مقرر کیے تو اس سے کچھ زیادہ بڑھ کر سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں ہوا۔ آپ روزانہ مسجد میں تشریف لے جا کر رعایا کی شکایات سننے کے لیے بیٹھتے اور آپ کے پاس کمزور و ناتواں مرد، عورتیں اور بوڑھے غرض کہ ہر طبقہ کے لوگ آتے اور اپنی اپنی شکایات بیان کرتے۔ آپ اسی وقت ان کی شکایات کے تدارک کے لیے حکم فرماتے۔ بارگاہ خلافت میں تشریف لا کر آپ اشراف سے فرماتے کہ جو لوگ اپنی بعض وجوہات کی بنا پر مجھ تک نہیں پہنچ سکتے ان کی ضرورت مجھ سے بیان کیا کرو۔ (مروج الذهب : ۴۲۳/۴)

آپ اتنی دور دور کے صوبوں پر قیام عدل اور رعایا کی دادرسی کی بدولت یہی کنٹرول کرتے تھے۔ چنانچہ مورخین نے لکھا ہے کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ جب مسند خلافت پر بیٹھتے تو

کمزور و ناتواں، بدو، بچے، بوڑھے، عورتیں اور لاوارث لوگ آتے اور کہتے کہ مجھ پر ظلم کیا گیا ہے تو آپ فرماتے کہ ان کی عزت کرو، کوئی کہتا کہ مجھ پر دست درازی کی گئی ہے تو آپ فرماتے کہ اس کی مدد کی جائے، اور کوئی کہتا ہے کہ مجھ پر زیادتی ہوئی ہے تو آپ فرماتے کہ اس کے معاملہ پر غور کرو۔

جب سرداران قبائل اور اشراف کے ساتھ آپ تشریف فرما ہوتے اور ملکی معاملات پیش کیے جاتے تو بس اسی قسم کے جملے فرماتے کہ فلاں کو دے دو، ان سے معاہدہ کرو، انہیں دو، ان کی ضروریات پوری کرو، ان کی خدمت کرو وغیرہ وغیرہ۔ اس لیے کسی نے آپ کا برا نہیں چاہا۔ (مسعودی: ۲/۵۱۔۵۲)

دمشق میں عیسائیوں کا ایک کنیسہ (گرجا) یوحنا تھا جو ایک مسجد سے ملحق تھا۔ اس کے بارہ میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے ارادہ کیا کہ اس کا مسجد کے ساتھ الحاق کر کے مسجد میں شامل کر دیا جائے۔ عیسائیوں نے اس اقدام کو ناپسند کیا اور الحاق کی اجازت دینے سے انکار کر دیا۔ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ ان کی ناپسندیدگی کو بھانپ گئے اور اس اقدام سے رک گئے اور ان سے کوئی زیادتی نہیں کی۔ (فتوح البلدان صفحہ ۱۳۱)

ایک مرتبہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے ایک کارکن وردان (مولیٰ عمرو) کی طرف حکم نامہ ارسال کیا کہ قبطی قوم کے ہر فرد پر خراج میں ایک قیراط (قیراط درہم یا دینار کا ایک قلیل حصہ ہے) کا اضافہ کر دیا جائے۔ اوران نے جواباً لکھا کہ ان کے ساتھ معاہدہ میں یہ چیز درج ہے کہ ان پر ٹیکس نہیں بڑھایا جائے گا۔ چنانچہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کی صحیح بات کو تسلیم کر لیا اور ان کے ٹیکس پر کوئی اضافہ نہیں کیا اور اضافہ کا حکم واپس لے لیا۔ (فتوح البلدان صفحہ ۲۲۵)

ایک دفعہ رومیوں کے ساتھ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا کچھ عرصہ کے لیے جنگ بندی کا معاہدہ تھا جس کی مدت ختم ہونے سے قبل سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ دمشق سے فوجوں کی کمان کرتے ہوئے اس خیال سے روم کی سرحد کی طرف روانہ ہو گئے کہ معاہدہ کی مدت ختم ہونے سے قبل سرحد تک پہنچ جائیں گے اور اس کے بعد کسی بھی کارروائی کے لیے آزاد ہوں گے۔ لیکن ابھی راستہ ہی میں تھے کہ صحابی رسول ﷺ سیدنا عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ پیچھے سے انتہائی تیز رفتاری کے

ساتھ لشکر تک پہنچے اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے آگاہ کیا کہ اگر تمہارا کسی قوم کے ساتھ جنگ نہ کرنے کا معاہدہ ہو تو مدت ختم ہونے سے قبل اپنی فوجوں کو حرکت میں نہ لاؤ۔ یہ سنتے ہی سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے قدم نہ صرف رک گئے بلکہ انہوں نے فوجوں کی دمشق کی طرف واپسی کا حکم دے دیا۔ (ترمذی)

اسلام میں یہ قاعدہ ہے کہ قیدیوں کے ساتھ خاص رعایت اور بہتر سلوک کا معاملہ کیا جائے اور ان کے خورونوش کا انتظام اچھا ہو اور سردیوں اور گرمیوں کی مناسبت سے انہیں صحیح لباس مہیا کیا جائے۔

سب سے پہلے عراق کے علاقہ میں اس کا اہتمام سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے دور میں کیا گیا۔ اس کے بعد سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے قیدیوں کے حقوق کی رعایت کرتے ہوئے شام کے مذکورہ انتظامات کیے۔ اس کے بعد باقی خلفاء بھی اس پر عمل درآمد کرتے رہے۔

(کتاب الخراج، امام ابی یوسف صفحہ ۱۴۹۔ ۱۵۰)

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی مدینہ طیبہ میں کچھ آباد زمین تھی اور اس پر ان کا ایک وکیل متعین تھا جس کا نام نضیر تھا۔ اس زمین کے ساتھ ہی ملحقہ رقبہ اراضی سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے برادرزادے عبدالرحمٰن بن زید بن خطاب کی ملکیت تھی۔ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے وکیل اور عبدالرحمٰن بن زید رضی اللہ عنہ کے درمیان اس رقبہ کے متعلق ایک تنازع پیدا ہو گیا۔ وکیل نے کہا کہ زمین کا یہ حصہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا ہے جب کہ سیّدنا عبدالرحمٰن کا دعویٰ یہ تھا کہ یہ رقبہ ہمارا ہے۔ اس تنازع کے بعد سیدنا عبدالرحمٰن بن زید رضی اللہ عنہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس دمشق چلے گئے وہاں انہوں نے متنازعہ فیہ واقعات کی تفصیلات ذکر کیں۔ یہ تفصیلات سن کر سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ قاضی فضالہ بن عبید الانصاری جو فیصلہ فرمائیں وہ منظور ہے۔ فریقین دونوں فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ انہوں نے دونوں کے بیانات سن کر سیدنا عبدالرحمٰن بن زید رضی اللہ عنہ کے حق میں فیصلہ دے دیا۔ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کے فیصلہ کو قبول کر لیا۔

(کتاب انساب الاشراف : ۱/ ۱۱۰)

ایک بزرگ زید بن صوحانؒ اپنے قبیلہ عبدالقیس کے سردار اور فاضل دین دار تھے لیکن

بعض امور میں وہ نظریاتی طور پر سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے اختلاف رکھتے تھے۔ ایک دفعہ زید بن صوحان کو کسی معاملہ میں کوفہ سے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں شام بھیجا گیا۔ وہاں ان کے اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے مابین کچھ مناقشانہ گفتگو ہوئی۔ تاہم اس موقع پر سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان سے کسی قسم کا تعرض نہ کیا اور سخت رویہ اختیار نہ کیا بلکہ ارشاد فرمایا کہ آپ ایک صالح اور صادق انسان ہیں، آپ کوفہ واپس چلے جائیں۔ اور ساتھ ہی کوفہ کے حاکم سیدنا سعید بن العاص رضی اللہ عنہ کو زید بن صوحان کے حق میں بطور وصیت تحریر فرمایا کہ چونکہ یہ ایک صاحب فضیلت، نیک کردار کے حامل اور معتدل انسان ہیں، اس لیے ان کے ساتھ بہتر معاملہ کیا جائے کہ ان کو کسی قسم کی اذیت اور تکلیف نہ پہنچے۔ (الاصابة: ١/٥٦٦)

قتادہ کہتے ہیں کہ سیدنا صہیب رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے کا سیدنا مروان بن الحکم رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ اس وجہ سے وظیفہ بند کر دیا کہ انہوں نے سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے معاملہ میں مخالفانہ رویہ اختیار کیا تھا۔ جب اس بات کی اطلاع سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو ہوئی تو آپ نے سیدنا مروان رضی اللہ عنہ کو ایک تہدیدی خط لکھا کہ تم نے صہیب رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے کے معاملہ میں اس کے باپ کے رویہ کو تو یاد رکھا لیکن تم نے اس کا سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلق اور سابقہ فراموش کر دیا۔ پس صہیب رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے کا وظیفہ جاری کیا جائے اور اس کی تکریم کی جائے اور اس سے اچھا سلوک کیا جائے۔ (انساب الاشراف، بلاذری: ٤/٩٠)

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے عدل و انصاف اور رعایا سے حسن سلوک اور اس کی خبر گیری کے بے شمار واقعات کتابوں میں موجود ہیں لیکن طوالت کی وجہ سے ان کو نقل نہیں کیا جا رہا۔ آپ کے قلب و ذہن میں مخلوق خدا کی خدمت کا جذبہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ آپ اپنی رعایا کو ہر لحاظ سے خوش حال دیکھنا چاہتے تھے۔ چنانچہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ اور ان کے شاگرد حافظ ابن کثیر رحمہما اللہ فرماتے ہیں:

"سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں ہر قبیلہ کے لیے ایک ایک آدمی مقرر کر رکھا تھا جو مختلف قبیلوں میں جا کر یہ معلوم کرتا کہ اس قبیلہ میں کوئی بچہ پیدا ہوا ہے کہ نہیں؟ کیا اس رات کوئی نیا واقعہ پیش آیا ہے یا نہیں؟ کیا کوئی مہمان

قبیلہ فروکش ہوا ہے یا نہیں؟ وہ یہ اور اس قسم کی دوسری معلومات اکٹھی کر کے اپنے دفتر میں پہنچتا اور ان کے نام رجسٹر میں درج کرتا تاکہ حکومت کی طرف سے ان کا انتظام کیا جا سکے۔" (منهاج السنة: ۳/۱۸۵۔ البداية والنهاية: ۸/۱۳۴)

مختصر یہ کہ سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے میں جس قدر لوگ اور عوام و خواص خوش حالی کی زندگی بسر کر رہے تھے اس سے کہیں زیادہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں لوگ خوش حالی کی زندگی گذار رہے تھے۔ چنانچہ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور خلافت کی تصویر ان الفاظ میں کھینچی ہے!

((الجهاد فی بلاد عدو قائم، وكلمة الله عالية، والغنائم ترد اليه من اطراف الارض والمسلمون معه فی راحة و عدل وصفح و عفو.))

"(سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں) دشمن کے ممالک میں جہاد کا سلسلہ جاری تھا، اور اللہ کا کلمہ بلند تھا، اور غنیمتیں سلطنت کے طول و عرض اور اطراف و اکناف سے سمٹ کر آپ کے پاس آ رہی تھیں اور مسلمان آپ کے دور خلافت میں عدل و انصاف اور راحت و آرام سے اپنی زندگی کے دن گزارتے تھے۔"

اور شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے:

"سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا رعایا سے سلوک بہترین حکمرانوں کی طرح تھا اور آپ کی رعایا کو آپ سے انتہائی محبت تھی، اور صحیحین کی حدیث میں ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "تمہارے بہترین امام اور حاکم وہ ہیں جن سے تم محبت کرو اور وہ تم سے محبت کریں، تم ان کے لیے دعائیں کرو اور وہ تمہارے لیے دعائیں کریں۔ اور تمہارے بدترین امام وہ ہیں جن سے تم بغض رکھو اور وہ تم سے بغض رکھیں، اور تم ان پر لعنتیں بھیجو اور وہ تم پر لعنتیں بھیجیں۔"

(منهاج السنة: ۳/۱۸۹)

اور اپنے فکری تعصب کے باوجود سیّد امیر علی نے لکھا ہے:

"On the whole Muawiyah's rule was prosperous and peaceful at home and successful abroad."

''مجموعی طور پر (سیدنا) معاویہ(رضی اللہ عنہ) کی حکومت اندرون ملک بڑی خوش حال اور پر امن تھی اور خارجہ پالیسی کے لحاظ سے بڑی کامیاب تھی۔''

آپ کے عدل وانصاف پر علامہ ذہبی رحمہ اللہ کے یہ ریمارکس کافی ہیں:

(وفضائل معاویه فی حسن السیرة والعدل والاحسان کثیرة.) (المنتقیٰ صفحه ۳۸۸)

''حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حسن سیرت اور عدل و احسان کے بارے میں فضائل بہت زیادہ ہیں۔''

لہٰذا یہ کہنا کہ سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کو زہد و عدل کے لحاظ سے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ پر ایک گونہ فضیلت حاصل ہے، محل نظر ہے بلکہ سراسر غلط ہے اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے مقام سے نا آشنائی ہے۔ یہ بات سبائیوں کی وضع کردہ ہے جس کا شکار کئی اہل سنت بھی ہو گئے ہیں۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کو یہ مقام کیسے حاصل ہوا؟ وہ اس وجہ سے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اور نگاہ کیمیا اثر سے اسلام کا اصل مقصد پا لیا۔ اسلام آدمی کو مادیت کی سطح سے اٹھا کر روحانیت کی سطح پر پہنچاتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں آدمی زندگی کی اس سطح پر پہنچ جاتا ہے جہاں اس کی اپنی فکری سطح اور عالم حقیقت کی سطح دونوں ایک ہو جاتی ہیں۔ جب آدمی اس مقام پر پہنچتا ہے تو ایک طرف وہ فیضان الٰہی کا مہبط بن جاتا ہے اور دوسری طرف ظواہر کا پردہ اس سے اس طرح اٹھ جاتا ہے کہ وہ حقائق کو بے نقاب حالت مین دیکھنے لگتا ہے۔ زندگی کی اس سطح پر پہنچنے کی واحد شرط یہ ہے کہ آدمی اپنی ذات کے خول سے باہر آئے۔ وہ اپنے آپ سے الگ ہو کر اپنے آپ کو دیکھنے لگے۔ جب آدمی اپنے خول سے باہر نکل آتا ہے تو اس وقت وہ فیضان الٰہی کی براہ راست زد میں آجاتا ہے اور پھر اس کے لیے اِس دنیا کے اور اُس دنیا کے حقائق اس طرح منکشف ہوتے ہیں کہ وہ اس کے لیے جانی پہچانی چیز بن جاتے ہیں جس طرح کہ ماں کے لیے اس کی اولاد۔ لیکن اس مقام پر پہنچنے کے لیے ''نگاہ بلند، سخن دل نواز، جاں پرسوز'' ہونا ضروری ہے۔ اس مقام پر پہنچنے کے لیے جس طرح اپنے

آپ کو کچلنا پڑتا ہے اس کی ہمت صرف اور صرف بلند ہمت لوگ ہی کر سکتے ہیں، اور وہی لوگ اس مقام پر پہنچ سکتے ہیں جو تمام مصالح اور مفادات سے اوپر اٹھ کر سوچنے اور غور وفکر کرنے کی صلاحیت اپنے اندر رکھتے ہوں۔ پست فطرت پوری زندگی اپنی ذات کے خول ہی سے باہر نہیں نکل پاتے، اس لیے وہ اسلام کے اس اصل مقصد کا تجربہ نہیں کر سکتے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے اپنے نفس کے خول سے نکل کر اسلام کے اس مقصد کو پالیا۔ چنانچہ انہوں نے اپنی زندگی میں اسلام کے اخروی پہلو کو سامنے رکھا اور دنیوی پہلو کو کبھی اخروی پہلو پر ترجیح نہ دی۔ اس بات کو ایک مثال سے سمجھنے کی کوشش کریں۔ جنگ یرموک میں سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اسلامی فوجوں کے سپریم کمانڈر تھے اور سیدنا ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ ان کے ماتحت افسر کی حیثیت سے جنگ میں شریک تھے۔ رومی لشکر کی تعداد بہت زیادہ تھی جب کہ اس کے مقابلہ میں اسلامی لشکر کی تعداد بہت کم تھی۔ چنانچہ صف آرائی کے دوران میں کسی شخص کے منہ سے یہ نکل گیا کہ ''رومی کتنے زیادہ اور مسلمان کتنے کم ہیں''۔ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ نے جب یہ سنا تو فرمایا:

> ''مسلمان کتنے زیادہ اور رومی کتنے کم ہیں۔ مسلمانو! یاد رکھو، فوجیں تعداد کی کثرت سے نہیں ہمت اور جرأت کی وجہ سے کم یا زیادہ ہوتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی مدد ہمیشہ ان کے ساتھ ہوتی ہے جو بہادر اور جرأت مند ہوتے ہیں۔ الحمد للہ! ہم بہادر بھی ہیں اور جرأت مند بھی اور صاحب ایمان بھی۔ ہم سے کون مقابلہ کرے گا؟''

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں بعض معاملات میں اپنا اسلوب بدل لیا۔ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کوئی معمولی آدمی نہ تھے۔ وہ ماں کے پیٹ سے چاندی کا چمچہ لے کر پیدا ہوئے تھے۔ ان کا تعلق بنومخزوم سے تھا جو تمام عرب میں امیر اور متمول قبیلہ تھا۔ ان کے والد زمانہ جاہلیت ہی سے امیر کبیر شخص تھے اور فوج کی سپہ سالاری اور فوجی کیمپ کے انتظامات کا عہدہ ان کے خاندان میں تھا۔ (العقد الفرید: ۱۲۰/۲) اور ظہور اسلام کے وقت سیدنا خالد رضی اللہ عنہ اس عہدے پر فائز تھے۔ (الاستیعاب: ۱۵۷/۱) پوری زندگی انہوں نے سپہ سالاری کا حق ادا

کیا۔ فتنہ ارتداد کا قلع قمع صرف انہی نے کیا۔ طبری نے لکھا ہے:

((ان الفتوح فی اھل الردۃ کلھا کانت لخالد بن ولید .))

''ارتداد کی جتنی فتوحات ہوئیں وہ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کا کارنامہ ہیں۔''

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ جب مسند خلافت پر بیٹھے تو انہوں نے سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو معزول کر کے سیدنا ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ کو سپہ سالار مقرر کر دیا اور سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کو ان کی ماتحتی میں دے دیا۔ یہ فرمان لے کر مدینہ سے جو شخص روانہ ہوا تھا وہ مقام جنگ میں اس وقت پہنچا جب کہ طویل مقابلہ کے بعد لڑائی اپنے آخری انجام کو پہنچنے والی تھی اور فتح کے مقدمات ظاہر ہو چکے تھے۔ قاصد نے معزولی کا فرمان پہلے ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کو دیا۔ سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ فرمان خلافت کے مطابق فوراً سپہ سالاری کا جھنڈا اپنے ہاتھ میں لے کر فتح کا کریڈٹ حاصل کر سکتے تھے لیکن انہوں نے ایسا نہیں کیا بلکہ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کی ماتحتی میں برابر لڑتے رہے۔ چنانچہ مورخین نے لکھا ہے کہ

''ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے اس خبر کو مخفی رکھا اور خالد رضی اللہ عنہ کی ماتحتی میں اپنے کو اس مقام پر رکھا جہاں وہ تھے یہاں تک کہ فتح کے مقدمات ظاہر ہو گئے۔ ان سے پوچھا گیا کہ قیادت کا جھنڈا آپ نے فوراً کیوں نہ لے لیا۔ فرمایا:

((ما سلطان الدنیا ارید، وما للدنیا اعمل .))

''یعنی میں دنیا کی بڑائی نہیں چاہتا اور نہ دنیا ہی کے لیے عمل کرتا ہوں۔''

آخرت کا کریڈٹ یہ تھا کہ اس خبر کو چھپایا جائے اور دنیا کا کریڈٹ اس میں ملتا تھا کہ اس خبر کو ظاہر کر دیا جائے۔ سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے آخرت کا کریڈٹ لینا پسند کیا اور یہی ان کی شان کے لائق تھا اور دنیا کے کریڈٹ کو نظر انداز کر دیا۔

یہ تو سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کا کردار تھا۔ اب سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کا کردار ملاحظہ فرمائیں۔ روایات میں ہے کہ حمص کی بغاوت کو فرو کرنے کے لیے سیدنا خالد اور سیدنا عیاض بن غنم رضی اللہ عنہما اسلامی مملکت کی سرحدوں کو مستحکم کرنے اور دشمنوں کے دلوں میں مسلمانوں کا رعب بٹھانے کے لیے آرمینیہ کی طرف بڑھے۔ جب وہ فتوحات کے بعد واپس قنسرین آئے

تو ان کے پاس بہت سا مال غنیمت جمع ہو گیا تھا۔ اس لیے اِدھر اُدھر سے لوگ انعام کے لالچ میں ان کے پاس آئے۔ ان لوگوں میں اشعث بن قیس بھی تھے۔ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ نے انہیں بھی دس ہزار درہم انعام میں دیے۔ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کے ان دس ہزار کا بہت چرچا ہوا یہاں تک کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو بھی اس کی خبر پہنچی۔ انہیں بہت غصہ آیا اور محسوس کیا کہ خالد رضی اللہ عنہ اپنی بے اعتدالیوں سے باز نہیں آرہے، اور وہ عزت والوں، طاقت والوں اور زبان آوروں کو مال تقسیم کرتے پھر رہے ہیں۔ ایک مرتبہ انہیں بارگاہ خلافت سے یہ حکم بھی آیا تھا کہ ''امیر المومنین کی اجازت کے بغیر وہ کسی کو اونٹ اور بکری بھی انعام اور بخشش کے طور پر نہ دیں۔'' اس حکم کے جواب میں سیدنا خالد رضی اللہ عنہ نے لکھا تھا کہ ''مجھے اپنا کام کرنے دیجیے ورنہ پھر آپ جانیں اور آپ کا کام۔'' سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے نزدیک یہ جواب درست نہ تھا۔

مختصر یہ کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانہ ہی میں سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کی معزولی کے حق میں تھے۔ چنانچہ انہوں نے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو خالد رضی اللہ عنہ کی معزولی کا مشورہ بھی دیا۔ اب جب زمام خلافت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں آئی تو ایک روز فرمایا: ''بخدا! میں اللہ تعالیٰ کے سامنے سچا نہیں ہوں گا اگر جس حکم کا مشورہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کو دیتا تھا اسے خود نافذ نہ کروں۔''

چنانچہ آپ نے سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ خالد (رضی اللہ عنہ) کو بلا کر اس کے عمامے سے اس کی مشکیں کسو اور اس کی ٹوپی اتار کر پوچھو کہ اشعث بن قیس کو دس ہزار درہم انعام تم نے اپنے پاس سے دیا ہے یا مال غنیمت میں سے؟ اگر مال غنیمت میں سے دیا ہے تو یہ خیانت کی ہے اور اگر یہ اپنے پاس سے دیا ہے تو اسراف کیا ہے لہٰذا دونوں صورتوں میں انہیں ان کے عہدہ سے معزول کر دیا جائے۔ سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ امیر المومنین کے اس خط کو پڑھ کر ورطہ حیرت میں گم ہو گئے، سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کیا کیا جائے؟ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کی ان کے دل میں بڑی عزت وتوقیر تھی۔ وہ ان کے تمام کارناموں سے بخوبی واقف تھے جو انہوں نے بطور ایک کمانڈر انچیف کے انجام دیے تھے لیکن امیر المومنین کے حکم کی تعمیل بھی ضروری تھی، لہٰذا انہوں نے اس حکم کی تعمیل سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے قاصد پر چھوڑ دی۔ انہوں نے سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کو بلایا اور لوگوں کو جمع کیا اور خود منبر پر تشریف لے گئے۔ سیدنا بلال رضی اللہ عنہ نے خالد رضی اللہ عنہ سے

پوچھا! ''تم نے دس ہزار درہم اشعث بن قیس کو اپنے پاس سے دیے تھے یا مال غنیمت میں سے؟ خالد رضی اللہ عنہ نے جب یہ الفاظ سنے تو مبہوت ہو گئے اور کوئی جواب نہ دیا۔ سیدنا بلال رضی اللہ عنہ نے اپنا جواب دہرایا لیکن خالد رضی اللہ عنہ کے ہونٹوں کو کوئی جنبش نہ ہوئی۔ سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ منبر پر خاموش بیٹھے تھے انہوں نے اپنی زبان سے کچھ نہ کہا۔ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ نے سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کے سوال کا کوئی جواب نہ دیا تو دیکھنے والوں نے دیکھا کہ امیر المومنین کی ہدایات کے مطابق سیدنا بلال رضی اللہ عنہ نے سیّدنا خالد رضی اللہ عنہ کی ٹوپی اتاری اور ان کے ہاتھ پیٹھ کی طرف لے جا کر عمامے سے باندھ دیے۔ اس کے بعد پھر پوچھا: ''کیا کہتے ہو، یہ دس ہزار درہم اپنے پاس سے دیے یا مال غنیمت سے؟''

یہ ایک عجیب منظر تھا۔ عراق و شام کی فتوحات کا سہرا جس سپہ سالار کے سر بندھا ہوا تھا، آج اس کی مشکیں کسی ہوئی ہیں، ٹوپی سر سے اتری ہوئی ہے اور سیدنا بلال رضی اللہ عنہ اس سے باز پرس کر رہے ہیں۔ خود اندازہ فرمائیں کہ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کا اس وقت کیا حال ہوگا؟ جو مسلمان سپاہی اس وقت موجود تھے ان کی حیرت بھی سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کی حیرت سے کسی طرح کم نہ تھی کیوں کہ وہ عدیم المثال سپہ سالار جس کے نام سے قیصر و کسریٰ لرزتے اور کانپتے تھے اور جس نے ایران و روم کی قوتوں کو ناکوں چنے چبوائے تھے اور ان کو خاک میں ملا کر رکھ دیا تھا اور جس کی بدولت کروڑوں کا مال غنیمت حاصل ہوا تھا، آج کندہ کے امیر اشعث بن قیس کو دس ہزار درہم انعام دینے پر اس سے یہ سلوک کیا جا رہا ہے۔ سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ منبر پر بیٹھے لوگوں کے چہروں پر یہ سب تاثرات پڑھ رہے تھے اور لوگوں کے چہروں پر انہیں ناگواری کے تاثرات صاف نظر آ رہے تھے۔ سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کو بھی اس واقعہ پر اتنی ہی حیرت اور اتنا ہی افسوس تھا جتنا کہ حاضرین کو تھا۔ سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کو علم تھا کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ، سیّدنا خالد رضی اللہ عنہ کی بعض باتوں سے ناراض ہیں۔ چنانچہ انہوں نے اس ناراضی کو زائل کرنے کی بہت کوشش کی تھی۔ انہوں نے معرکہ قنسرین کے بعد بارگاہ خلافت میں جو خط لکھا تھا اس میں ان کے شاندار کارناموں کی بہت تعریف و تحسین کی۔ اس خط کو پڑھ کر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا:

"خالد (رضی اللہ عنہ) نے اپنے آپ کو خود امیر بنا لیا۔ اللہ ابوبکر رضی اللہ عنہ پر رحم فرمائے وہ مجھ سے زیادہ مردم شناس تھے۔"

جو قیامت اس وقت سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کے دل پر ٹوٹ پڑی ہو گی اس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ جو شخص جاہلیت اور اسلام میں عزت، خودداری، بزرگی اور عظمت کا ایک نمونہ تھا۔ جس نے آج تک کبھی کسی کے سامنے اپنا سر نہیں جھکایا تھا، آج وہ خود اپنے ہی عمامے میں جکڑا ہوا ہے حالانکہ اس نے اپنی زندگی میں سینکڑوں بار قیدیوں کو زنجیروں میں جکڑا تھا۔ آج سیدنا بلال رضی اللہ عنہ ان سے بار بار پوچھ رہے ہیں اور خالد رضی اللہ عنہ ان کے سوال کا جواب نہیں دے پا رہے، اور جب تک خالد رضی اللہ عنہ اس سوال کا جواب نہیں دیں گے بلال رضی اللہ عنہ ان کی مشکیں کھولنے والے نہیں، لیکن خالد آخر خالد تھے، وہ اپنے کو اسلامی فوج کا ایک سپاہی سمجھ رہے تھے اور عمر رضی اللہ عنہ کو امیر المومنین۔ چنانچہ جب پھر سیدنا بلال رضی اللہ عنہ نے وہ سوال دہرایا تو خالد رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: "اپنے پاس سے۔"

تمام حاضرین سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے منہ سے یہ جواب سن کر نہایت خوش ہوئے۔ سیدنا بلال رضی اللہ عنہ نے خالد رضی اللہ عنہ کا جواب سنا تو مشکیں کھول دیں اور ٹوپی ان کے سر پر رکھ دی۔ اس کے بعد اپنے ہاتھوں سے ان کا عمامہ باندھا اور کہا: "ہم اپنے حاکموں کا حکم سنتے ہیں اور ان کی اطاعت کرتے ہیں۔" مجلس ختم ہو گئی۔ ہر شخص حیرت میں گم اپنی قیام گاہ کی طرف مطمئن ہو کر چلا گیا۔ کچھ لوگ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کے حامی ہو گئے لیکن سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کی حیرت ختم نہ ہوئی۔ ان کی سمجھ میں کچھ نہیں آتا تھا کہ یہ کیا ہوا اور کیوں ہوا؟ اگر صرف یہی پوچھنا تھا تو اس کا اور طریقہ بھی ہو سکتا تھا۔ انہوں نے اس بارہ میں سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ سے کوئی سوال نہ کیا۔

مدینہ منورہ میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کا انتظار فرما رہے تھے۔ انہیں یہ خیال نہ آیا کہ ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ خالد رضی اللہ عنہ کو سپہ سالاری سے معزولی کا حکم پہنچانے میں تکلف سے کام لیں گے۔ چنانچہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کو مدینہ طلبی کا خط لکھا اور جس حکم کو پہنچانے میں سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے تکلف سے کام لیا تھا وہ حکم براہ راست ان کو بھیج دیا۔ خط پڑھ کر سیدنا

خالد رضی اللہ عنہ فوری طور پر سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور غصے اور محبت کے ملے جلے جذبات کے ساتھ کہا: ''اللہ آپ پر رحم فرمائے، آپ نے وہ بات مجھ سے کیوں چھپائی جو میں آج آپ سے معلوم کرنا چاہتا ہوں۔'' سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے نہایت لطف و محبت کے لہجہ میں جواب دیا! ''بخدا! میں چاہتا تھا کہ جہاں تک میرے امکان میں ہے میں آپ کو پریشان نہ کروں اور میں یہ بخوبی سمجھتا تھا کہ اس خبر سے آپ کو پریشانی ہو گی۔'' سیدنا خالد رضی اللہ عنہ قنسرین چلے گئے اور وہاں تمام فوج کو اکٹھا کر کے ایک تقریر کی جس میں ان کی شاندار خدمات کو سراہا اور اپنے اہل وعیال اور مال و اسباب کو لے کر حمص پہنچے، حمص میں بھی آپ نے ایک تقریر کی اور اہل حمص کو الوداع کہا، لیکن ان دونوں تقریروں میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے بارہ میں کوئی برائی کا کلمہ زبان پر نہ لائے۔ پھر مدینہ منورہ روانہ ہو گئے۔

بعض روایات میں ہے کہ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ نے حمص پہنچ کر اپنی معزولی کی تقریر میں یہ کہا کہ ''امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ نے مجھ کو شام کا افسر مقرر کیا اور جب میں نے شام فتح کر لیا تو مجھ کو معزول کر دیا۔'' اس فقرہ پر فوج کا ایک سپاہی کھڑا ہو گیا اور کہا: اے جرنیل! چپ رہ، ان باتوں سے فتنہ پیدا ہو سکتا ہے۔'' سیدنا خالد رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''لیکن عمر رضی اللہ عنہ کے ہوتے ہوئے فتنہ کا کوئی احتمال نہیں۔''

سیدنا خالد رضی اللہ عنہ جرنیلی سے محروم ہو گئے لیکن اگر کوئی شخص انہیں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی مخالفت پر ابھارنے کی کوشش کرتا تو وہ یہ کہہ کر اس کی بات ٹھکرا دیتے کہ جب تک عمر زندہ ہیں خالد ان کی مخالفت نہیں کر سکتا۔ اور سیدنا خالد رضی اللہ عنہ ناراض ہو کر بغاوت کر بھی کیسے سکتے تھے کیوں کہ وہ ایک سپاہی تھے جو نظم و ضبط پر ایمان رکھتا ہے۔ پھر وہ ایک صادق الایمان اور مخلص مسلمان تھے اور دین اسلام کی کامیابی ان کی زندگی کا مشن اور مقصد وحید تھا چاہے وہ ان کے ہاتھوں عمل میں آئے یا ان کے سوا کسی اور کے ہاتھوں۔ اس بات کا بین ثبوت یہ بھی ہے کہ جب سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کو معزول کیا گیا تو کئی لوگوں کے جذبات کو ٹھیس پہنچی اور ان کے اندر سخت بے چینی پیدا ہوئی۔ بہت سے لوگ ان کے گرد جمع ہو گئے اور انہیں مشتعل کرنے کی کوشش کی گئی کہ وہ خلیفہ کا حکم ماننے سے انکار کر دیں اور وعدہ کیا کہ ہم سب آپ کا ساتھ

دیں گے۔ لیکن سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے اس قسم کے مشورہ کو ماننے سے صاف انکار کر دیا۔ اس وقت انہوں نے جو جملہ ارشاد فرمایا، تاریخ نے وہ اپنے سینے میں محفوظ رکھا ہوا ہے اور اس سے ان کا اخلاص اور دین سے ان کی محبت کا اظہار ہوتا ہے۔

آپ نے فرمایا:

((انی لا اقاتل فی سبیل عمر و لکن اقاتل فی سبیل رب عمر .))

''میں عمر (رضی اللہ عنہ) کی راہ میں جنگ نہیں کرتا بلکہ عمر (رضی اللہ عنہ) کے رب کی راہ میں جنگ کرتا ہوں۔''

یہ تو صرف ایک صحابی رسول کے اخلاص اور للٰہیت کا تذکرہ ہے جو صرف اسلام کا سپاہی تھا اور شروع دن ہی سے اپنی زندگی سپاہیانہ انداز میں بسر کر رہا تھا۔ وہ کوئی فقیہ اور مفتی نہیں تھا۔ ساری زندگی میدان جنگ میں گزری لیکن نبوت کی کیمیا اثر نگاہ نے قلب ونظر میں ایسا اخلاص پیدا کر دیا تھا کہ وہ سپہ سالار ہو کر جہاد کریں یا ایک سپاہی ہو کر، انہیں کوئی فرق نہیں پڑتا تھا کیوں کہ دونوں صورتوں میں وہ ''فی سبیل اللہ'' کرتے تھے ''فی سبیل عمر'' نہیں کرتے تھے۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کی بھی تعریف کی ہے کہ:

﴿إِنَّ الَّذِيْنَ يَغُضُّوْنَ أَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ أُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰى ؕ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّأَجْرٌ عَظِيْمٌ﴾

(سورة الحجرات : ٣)

''یعنی وہ لوگ جو دبی آواز میں بولتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں کو اللہ تعالیٰ نے جانچ اور پرکھ لیا ہے، ان کے لیے مغفرت اور بڑا ثواب ہے۔''

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی قدس سرہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

''یعنی جو لوگ نبی کی مجلس میں تواضع اور ادب وتعظیم سے بولتے اور نبی کی آواز کے سامنے اپنی آوازوں کو پست کرتے ہیں، یہ وہ ہیں جن کے دلوں کو اللہ نے ادب کی تخم ریزی کے لیے پرکھ لیا ہے اور مانجھ کر خالص تقویٰ وطہارت کے

لیے تیار کر دیا ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ حجۃ اللہ البالغہ میں لکھتے ہیں کہ چار چیزیں اعظم شعائر اللہ میں سے ہیں: قرآن، پیغمبر، کعبہ اور نماز۔ ان کی تعظیم وہی کرے گا جس کا دل تقویٰ سے مالا مال ہو۔ ﴿وَ مَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ﴾ (سورہ حج: ۳۲) یہاں سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ جب حضور ﷺ کی آواز سے زیادہ آواز بلند کرنا خلاف ادب ہے تو آپ کے احکام و ارشادات سننے کے بعد ان کے خلاف آواز اٹھانا کس درجہ کا گناہ ہو گا۔ اس اخلاص اور حق شناسی کی برکت سے پچھلی کوتاہیاں معاف ہوں گی اور بڑا بھاری ثواب ملے گا۔'' (فوائد عثمانی صفحہ ٦٨٤۔ ٦٨٥)

معلوم ہوا کہ پیغمبر خدا ﷺ کے احکام اور ارشادات سے اعراض برتنا تو بہت بڑی بات ہے وہ تو پیغمبر ﷺ کی آواز سے بھی اپنی آواز اونچی نہیں کرتے تھے۔ کیوں کہ ان کے دلوں کو اللہ تعالیٰ نے تقویٰ کے لیے خالص کر لیا تھا کیوں کہ ممتحن کے معنی ہیں: صاف کیا گیا، پاکیزہ کیا گیا کیوں کہ (محنت الفضة) کے معنی ہیں ''چاندی کو آگ سے پاک اور خالص کیا گیا۔'' اور مجاہد کے نزدیک ﴿اِمْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ﴾ کے معنی ہیں ''اللہ نے ان کے دلوں کو خالص کر دیا۔'' اور ابوعبیدہ نے اس کے معنی کیے ہیں کہ انہیں مصفا، پاکیزہ اور مہذب بنایا۔ اس آیت کے نزول کے بعد ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے ڈر کے مارے آپ کی مجالس میں آنا چھوڑ دیا جن کی آواز قدرتی طور پر اونچی تھی جیسے سیدنا ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ۔

(ملاحظہ ہو بخاری رقم: ٣٦١٣۔ ٤٨٤٦، مسلم رقم: ١١٩)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی انہی خصوصیات اور صفات کے باعث سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

((ان الله نظر في قلوب العباد فاختار محمداً ﷺ فبعثه برسالة و انتخبه بعلمه، ثم نظر في قلوب الناس بعده، فاختار اصحاباً فجعلهم انصار دينه و وزراء نبيه، وما راه المومنون حسناً فهو عند الله حسن، وما رآه المومنون قبيحاً

فهو عند الله قبيحاً .)) (مسند ابی داؤد الطیالسی صفحہ ۳۳)

''بے شک اللہ تعالیٰ نے بندوں کے دلوں پر نظر فرمائی تو سرکار دو عالم ﷺ کے قلب اطہر کو منتخب فرما لیا۔ پس آپ ﷺ کو اپنے پیغام کے ساتھ مبعوث فرمایا اور اپنے علم کے ساتھ منتخب فرمایا۔ پھر آپ ﷺ کے بعد لوگوں کے دلوں پر نظر ڈالی تو آپ ﷺ کے لیے آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کو چن لیا اور ان کو دین کے مددگار اور اپنے نبی کے وزیر بنایا۔ اور جس چیز کو مومنین اچھا سمجھیں وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھی ہے اور جس شے کو اہل ایمان برا جانیں وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بھی بری ہے۔''

یہ تو ایک صحابی رسول ﷺ کا قول تھا، خود رسول اللہ ﷺ نے اس بارہ میں بھی وہی کچھ فرمایا جو سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ سیدنا عویم بن ساعدہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا:

((ان اللّٰہ تبارك و تعالیٰ اختارنی و اختارلی اصحاباً، فجعل لی منهم وزراء وانصاراً واصهاراً، فمن سبهم فعلیه لعنة اللّٰه والملائكة والناس اجمعین، لایقبل منه یوم القیامة صرف و عدل .)) (مستدرك حاكم: ۳/ ۶۳۳)

''بے شک اللہ تعالیٰ نے مجھے چن لیا اور میرے صحابہ کو چن لیا۔ پس ان میں سے اللہ تعالیٰ نے بعض کو میرے وزیر، بعض کو میرے اعوان و انصار اور بعض کو میرے سسرالی رشتہ دار بنا دیا۔ پس جو شخص ان کو برا بھلا کہتا ہے اس پر اللہ تعالیٰ کی، فرشتوں کی اور سارے انسانوں کی لعنت ہو، اور روز قیامت ان کا نہ کوئی فرض قبول ہوگا اور نہ نفل۔''

ان دونوں روایات سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم تمام نسل انسانی میں سے انتہائی مقدس شخصیات ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے مقدس و مطہر رسول ﷺ کی رفاقت اور صحبت کے لیے چن لیا تھا۔ یہ حضرات اپنے شرف و کمال، فضیلت و منقبت اور

عزت و افتخار میں سوائے انبیائے کرام علیہم السلام کے ساری مخلوق اور کائنات میں افضل و اعلیٰ ہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ یہ قرآن وحدیث کے اوّلین راوی ہیں۔ اگر ان کی ذوات مقدسہ کو مجروح کر دیا جائے جیسا کہ بعض دین دشمن حضرات ان کی شان میں ہرزہ سرائی اور بدگوئی کرتے رہتے ہیں تو اس سے نہ صرف ان کی توہین وتنقیص ہوتی ہے بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اس سے اذیت ہوتی ہے اور خود اللہ تعالیٰ کے انتخاب پر بھی حرف آتا ہے کہ اس نے اپنے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے وزراء اور ساتھی کس قسم کے منتخب فرمائے۔ اور قرآن وحدیث بھی مخدوش ہو جاتے ہیں۔

چنانچہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مختلف ارشادات میں ان کو ''خیر الناس'' کہا اور اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم کی مختلف آیات میں ان کی توصیف وثنا فرمائی۔ (اصول السرخسی ۲/۱۳٤) اسی وجہ سے ان میں سے کسی ایک کا بھی برائی سے ذکر کرنا اور ان میں عیوب و نقائص نکالنا اور کسی بارہ میں ان پر طعن کرنا جائز نہیں ہے۔ یہ خصوصیت صرف خلفائے اربعہ ہی کے لیے نہیں بلکہ ہر صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہے۔ چنانچہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

((ثم اصحاب رسول الله ﷺ بعد هؤلاء الاربعة خير الناس لايجوز لاحد ان يذكر شيئا من مساويهم ولا يطعن على احد منهم بعيب ولا نقص.)) (الصارم المسلول على شاتم الرسول صفحه ٥٧٣)

''پھر خلفائے اربعہ کے بعد تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سب لوگوں سے بہتر ہیں لہٰذا ان میں سے کسی کی برائی اور اس میں عیب اور نقص بیان کرنا جائز نہیں۔''

اگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین پر کسی کو طعن وتشنیع کرنے کی اجازت دے دی گئی تو اس کا نتیجہ نہایت خطرناک ہوگا۔ وہ نتیجہ یہ ہے کہ قرآن و حدیث دونوں کی حیثیت مخدوش ہو جائے گی کیوں کہ قرآن و حدیث کے اوّلین راوی یہی لوگ ہیں۔ اور جب کسی روایت کے اوّلین راوی ہی مجروح ہوں تو وہ روایت قابل قبول نہیں ہوتی۔ چنانچہ امام ابوزرعہ رازی رحمہ اللہ نے اس حقیقت کو یوں بیان کیا ہے:

((اذا رأیت الرجل ینتقص احدًا من اصحاب رسول الله ﷺ فانه زندیق و ذالك ان الرسول عندنا حق والقرآن حق و انما ادی الینا هذا القرآن والسنن اصحاب رسول الله ﷺ ، وانما یریدون ان یجرحوا شهودنا لیبطلوا الکتاب والسنة والجرح بهم اولیٰ وهم زنادقة .))

''جب تم کسی کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین میں سے کسی کی تنقیص کرتا دیکھو تو یہ سمجھ لو کہ وہ زندیق ہے اور یہ اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے نزدیک برحق ہیں، قرآن حق ہے، اور یہ قرآن وسنت ہمیں صحابہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ہی پہنچایا ہے۔ (جو لوگ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین پر معترض ہوتے ہیں) وہ یہ چاہتے ہیں کہ ہمارے دین کے گواہوں کو مجروح کردیں تاکہ اس طرح سے وہ کتاب وسنت کو مجروح کرسکیں۔ ایسے لوگ خود قابل جرح ہیں اور وہ زندیق ہیں۔''

اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین پر تنقید ہو بھی کیسے سکتی ہے جب کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو خیر امت کہا ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

﴿كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ﴾ (سورہ عمران : ۱۱۰)

''تم سب امتوں میں بہتر امت ہو جو لوگوں کے لیے بھیجی گئی ہو۔''

اسی طرح ایک اور آیت کریمہ میں ارشاد فرمایا:

﴿وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ﴾

(سورة البقره: ۱۴۳)

''اور ہم نے تم کو ایسی جماعت بنا دیا ہے جو اعتدال پر ہے تاکہ تم دوسرے لوگوں پر گواہ رہو۔''

حضرت شیخ الہند اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

''یعنی جیسے تمہارا قبلہ کعبہ ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قبلہ اور تمام قبلوں سے افضل ہے ایسا ہی ہم نے تم کو سب امتوں سے افضل اور تمہارے پیغمبر کو سب

پیغمبروں سے کامل اور برگزیدہ کیا تاکہ اس فضیلت اور کمال کی وجہ سے تم تمام امتوں کے مقابلہ میں گواہ مقبول الشہادۃ قرار دیے جاؤ اور محمد رسول اللہ ﷺ تمہاری عدالت اور صداقت کی گواہی دیں......

"وسط" یعنی معتدل کا یہ مطلب ہے کہ یہ امت ٹھیک سیدھی راہ پر ہے جس میں کچھ بھی کجی کا شائبہ نہیں اور افراط و تفریط سے بالکل بری ہے۔"

ان دونوں آیتوں کے مخاطب اوّلاً بالذات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں۔ پہلی آیت میں انہیں خیر امت کہا گیا جب کہ دوسری آیت میں "امت وسط" کے نام سے یاد کیا گیا ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین بعد میں آنے والی امت کے مقتدا ہیں۔ "خیر امت" کی آیت میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کو رسول اللہ ﷺ کے بعد تمام انسانوں سے افضل اور بہتر قرار دیا گیا ہے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین جس زمانہ میں تھے وہ زمانہ "خیر القرون"، جس پیغمبر پر وہ ایمان لائے وہ پیغمبر "خیر الرسل"، جس کتاب سے انہوں نے ہدایت حاصل کی وہ کتاب "خیر الکتب"۔ اسی وجہ سے جمہور امت کا یہ مسلک ہے کہ انبیائے کرام علیہم السلام کے بعد تمام انسانوں میں افضل اور بہتر صحابہ کرام ہیں۔

تمام محدثین اور مفسرین اس بات پر متفق ہیں کہ اس آیت کا صحیح مصداق صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین ہیں کیوں کہ انہی کے بارہ میں یہ آیت نازل ہوئی ہے اور اللہ تعالیٰ نے صاف اور صریح الفاظ میں حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کو تمام امت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام سے بہتر اور افضل قرار دیا ہے۔

قرآن حکیم کے مطالعہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ قرآن و حدیث نے من حیث الطبقہ کسی کو مقدس کہا ہے تو وہ صرف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا طبقہ ہے۔ اوروں میں افراد کی تعریف و تحسین کی گئی ہے لیکن طبقے کے طبقے کو مقدس کہنا یہ صرف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا طبقہ ہے۔ چنانچہ قرآن حکیم میں ایک جگہ ارشاد فرمایا:

﴿وَ السّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَ الْاَنْصَارِ وَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَ رَضُوْا عَنْهُ وَ اَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ

تَحۡتَهَا الۡاَنۡهٰرُ خٰلِدِيۡنَ فِيۡهَآ اَبَدًا ذٰلِكَ الۡفَوۡزُ الۡعَظِيۡمُ﴾

(سورة توبه: ١٠٠)

''اور جو لوگ قدیم ہیں سب سے پہلے ہجرت کرنے والے اور مدد کرنے والے اور جو ان کے پیرو ہوئے نیکی کے ساتھ، اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہو گئے اور تیار کر رکھے ہیں ان کے لیے باغ کہ ان کے نیچے نہریں بہتی ہیں، وہ اسی میں ہمیشہ رہا کریں گے اور یہ بڑی کامیابی ہے۔''

بتایا یہ کہ سابقین اوّلین، مہاجرین ہوں یا انصار ہوں اور جو بعد میں ان کے ساتھ ملتے گئے ان سب کے مجموعہ کو کہا کہ اللہ ان سے راضی ہو گیا اور وہ اللہ سے راضی ہو گئے۔ تو اللہ تعالیٰ پورے طبقہ سے راضی۔ یہاں نام نہیں لیا کہ ابوبکر سے راضی یا عمر سے راضی یا عثمان وعلی سے راضی، یا معاویہ اور عبدالرحمٰن بن عوف سے راضی، یا سعد بن ابی وقاص یا طلحہ وزبیر سے راضی (رضی اللہ عنہم) بلکہ فرمایا:

﴿مِنَ الۡمُهٰجِرِيۡنَ وَ الۡاَنۡصَارِ وَ الَّذِيۡنَ اتَّبَعُوۡهُمۡ بِاِحۡسَانٍ﴾

(سورة توبه: ١٠٠)

''مہاجرین اوّلین ہو یا انصار اوّلین ہوں یا بعد میں ان کے ساتھ لاحق ہونے والے ہوں۔''

سب کو کہا گیا کہ اللہ تعالیٰ ان سب سے راضی اور وہ اللہ تعالیٰ سے راضی۔ جس طبقہ میں طبقہ کی حیثیت میں کھوٹ ہو اللہ کبھی ان سے راضی نہیں ہوسکتا۔ رضا کا اعلان اس بات کی بین دلیل ہے کہ طبقہ میں کوئی کھوٹ نہیں، طبقہ بہت مقدس ہے۔

پھر رضا کا اعلان بھی کوئی وقتی اور ہنگامی نہیں۔ یہ رضا مندی کا اعلان قرآن حکیم میں کیا گیا اور قرآن قیامت تک باقی رہنے والا ہے۔ اس کا حاصل یہ کہ کوئی لمحہ درمیان میں ایسا نہیں گزرے گا کہ اللہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین سے ناراض ہو۔ جو رضا مندی ابتداء میں ہے وہی وسط میں ہے اور وہی انتہاء میں ہے۔ قیامت تک وہ رضا باقی رہے گی اور قیامت کے بعد بھی باقی رہے گی کیوں کہ بعد میں بھی قرآن حکیم اسی طرح موجود ہوگا جیسا کہ حدیث میں ہے کہ

حافظ قرآن سے قیامت کے روز کہا جائے گا کہ "رتل وارتق" یعنی ترتیل سے قرآن پڑھتا جا اور جہاں تک تیری طاقت میں ہے جنت کے درجات میں چڑھتا جا۔ تو وہاں بھی تلاوت قرآن حکیم کا ہی دور حکومت ہوگا، اور جب تک قرآن ہے اور وہ ہمیشہ رہے گا کیوں کہ یہ ''کلام اللہ'' ہے اور کلام اللہ کی ایک صفت ہے جو فنا نہیں ہوسکتی کیوں کہ اللہ کی ذات اور صفات دونوں فنا سے بری ہیں۔ اور آخرت اور جنت میں تو قرآن حکیم ہی کا دور حکومت ہوگا اور جب تک قرآن ہے ﴿رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ﴾ کا سرٹیفکیٹ اور سند موجود رہے گی۔ اس کا مطلب یہ نکلا کہ اب جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نزول قرآن کے وقت موجود ہیں۔ اب بھی ہم ان سے راضی، ان کی وفات کے بعد بھی ان سے راضی، اور جنت چونکہ ابدالآباد تک رہے گی اور موت کا وجود ختم ہو جائے گا لہٰذا ابدالآباد تک ہم ان سے راضی ہیں۔ تو جس طبقہ کے بارہ میں یہ کہا جائے کہ ہم علی الاطلاق ان سے راضی ہیں اور وہ علی الاطلاق ہم سے راضی ہیں تو وہ طبقہ یقیناً بحیثیت طبقے کے مقدس ہوگا۔ یہ نہیں ہے کہ اس کے ایک دو فرد مقدس ہیں باقی میں (معاذ اللہ) کچھ کھوٹ ہے بلکہ پورے کا پورا طبقہ مقدس ہے۔

پھر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے اعمال کی تقدیس الگ کی گئی اور ان کے اخلاق کی تقدیس الگ کی گئی اور ان کے مقامات کو مقدس الگ بتایا گیا۔ چنانچہ فرمایا:

﴿مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ط وَالَّذِيْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ﴾ (سورة الفتح : ۲۹)

''محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں وہ کافروں پر شدید ہیں اور مومنوں کے لیے رحیم۔''

یعنی جو لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہیں ان کی شان یہ ہے کہ وہ کفر کے بارے میں شدید اور سخت ہیں اور مومنوں کے بارہ میں رحیم اور رقیق القلب ہیں۔ یہ ان کے مقامات کی تعریف و تحسین کی گئی کہ ان کے قلبی مقامات میں سے دو مقام یہ ہیں کہ ایمان کے سامنے اٹل اور کفر کے بارے میں بہت شدید اور سخت ہیں۔ کفر کا چھوٹے سے چھوٹا جز بھی آ جائے اس کے سامنے جھک نہیں سکتے۔ کفر کی ہر شے کا رد کرتے ہیں۔ اسی بات کو قرآن حکیم نے

ایک اور انداز سے بھی بیان کیا ہے:

﴿وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ وَزَيَّنَهٗ فِیْ قُلُوْبِكُمْ وَكَرَّهَ اِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْيَانَ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الرّٰشِدُوْنَ ۝ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَنِعْمَةً﴾ (سورة الحجرات : ۷۔۸)

''یہ اللہ تعالیٰ کا انعام اور فضل ہے کہ اس نے تمہارے دلوں میں ایمان کی محبت ڈال دی ہے اور اس کو تمہارے لیے خوش نما بنا دیا، اور کفر، گناہ اور نافرمانی کی نفرت پیدا کر دی۔ یہی لوگ راشدون ہیں۔''

حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہاں ایمان میں فرائض و مستحبات وغیرہ کی کوئی تفصیل بیان نہیں کی گئی ہے، لیکن اس کے مقابلہ میں کفر، فسوق اور عصیان کی تفصیل بیان کی گئی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایمان کامل فرائض و مستحبات کے مجموعہ کا نام ہے، اس لیے ایمان کی محبت یہ ہے کہ بلا تفصیل اس کے تمام احکام کی محبت ہو، اس کے مقابل حالت بعض مرتبہ کفر ہوگی اور بعض مرتبہ صرف فسوق و عصیان، لہٰذا ان سے بھی نفرت کرے۔ یہ تین لفظ اس لیے رکھے گئے ہیں کہ ہر فسق و عصیان کفر نہیں ہے اور نہ ہر عصیان فسق ہے۔

(کتاب الایمان صفحہ ۱۷)

اس سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے دلوں میں نہ صرف کفر کے لیے نفرت تھی بلکہ فسق و عصیان بھی ان کے لیے قابل نفرت تھے کیوں وہ سب سے زیادہ کامل الایمان تھے اور نگاہ نبوت نے ان کے دلوں کو مزکی اور مصفا کر دیا تھا۔ جس طرح ایک نفیس طبیعت اور پاکیزہ خصلت انسان گندگی اور غلاظت سے نفرت کرتا ہے، اس سے کہیں زیادہ نفرت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے دلوں میں نہ صرف کفر بلکہ فسق و عصیان کے لیے بھی تھی اور یہ نفرت ان کے دلوں میں اللہ تعالیٰ نے ڈالی تھی۔ اسی لیے قرآن حکیم نے ان کے لیے فرمایا:

﴿تَرٰهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا﴾

(سورة الفتح : ۲۹)

''انہیں جب دیکھو تو وہ رکوع و سجود میں ہیں، اللہ کی رضا اور اس کے فضل و کرم

کے متلاشی ہیں۔''

پہلے قلبی مقامات بیان فرمائے، اب ان کے اعمال بتائے کہ انہیں جب دیکھو عبادت اور طاعت میں ہیں۔ رکوع وسجود میں ان کی جبینیں بارگاہ الوہیت میں جھکی ہوئی ہیں۔ ہر وقت اس کے آگے سجدہ ریز ہیں۔ پھر فرمایا:

﴿سِيمَاهُمْ فِي وُجُوهِهِم مِّنْ أَثَرِ السُّجُودِ﴾

''نشانی ان کی ان کے مونہوں پر ہے سجدہ کے اثر سے۔''

بتایا یہ کہ جب کوئی ظرف بھر جاتا ہے تو پھر چھلکنے لگتا ہے۔ گویا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے قلوب میں اس قدر ایمان بھر چکا ہے کہ اب وہ چھلک کر ان کی پیشانیوں پر ظاہر اور نمایاں ہو رہا ہے۔ سجدوں کے آثار ان کی پیشانیوں پر چمک رہے ہیں۔ ان کو دیکھ کر ہر کوئی سمجھ سکتا ہے کہ ان کی پیشانیاں ہر وقت بارگاہ خداوندی میں سجدہ ریز رہتی ہیں۔ یہ ان کے عمل اور ان کے اثرات بتائے گئے۔

علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''نمازوں کی پابندی خصوصاً تہجد کی نماز سے ان کے چہروں پر خاص قسم کا نور اور رونق ہے۔ گویا خشیت وخشوع اور حسن نیت اور اخلاص کی شعاعیں باطن سے پھوٹ پھوٹ کر ظاہر کو روشن کر رہی ہیں۔ حضرت کے اصحاب اپنے چہروں کے نور سے، متقیانہ چال ڈھال سے لوگوں میں الگ پہچانے جاتے تھے۔''

(فوائد عثمانی صفحہ ٦٨٤)

پھر فرمایا:

﴿ذَٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرَاةِ ۚ وَمَثَلُهُمْ فِي الْإِنجِيلِ﴾

(سورۃ الفتح: ۲۹)

''ان کی شانیں تورات میں بھی اور انجیل میں بھی بیان کر دی گئی ہیں۔''

جب تورات اور انجیل میں بھی ان کی شانیں بیان کر دی گئی ہیں تو پتہ چلا کہ پہلے سے انبیاء علیہم السلام انہیں سراہتے ہوئے چلے آ رہے ہیں۔ تو پہلے انبیاء علیہم السلام نے ان کو الگ سراہا،

سید المرسلین محمد ﷺ نے ان کو الگ سراہا، حق تعالیٰ شانہ نے قرآن حکیم میں ان کی شانوں اور مناقب کو الگ بیان کیا، اور قرآن چونکہ ہمیشہ رہے گا لہٰذا قیامت تک بلکہ قیامت کے بعد جنت میں بھی ان کے لیے رضا کا پروانہ جاری کر دیا گیا ﴿رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَ رَضُوْا عَنْهُ﴾ اور اس طرح بتایا کہ یہ طبقہ مقدس ہر قسم کے کھوٹ اور نیتوں کی خرابی سے بری ہے۔ ہاں اجتہادی غلطی اور خطا ہو سکتی ہے۔ خطائے اجتہادی تو انبیائے کرام علیہم السلام سے بھی ممکن ہے کیوں کہ وہ فکری خطا ہوتی ہے۔ یہ عصمت کے منافی نہیں۔ اس کو معصیت نہیں کہتے۔ فرق اتنا ہے کہ انبیائے کرام علیہم السلام اگر کبھی خطائے اجتہادی کرتے ہیں تو حق تعالیٰ شانہ انہیں فوراً راہ صواب پر پہنچا دیتے ہیں، لیکن غیر نبی اگر خطائے اجتہاری کرے تو وہ اس کے اوپر باقی رہ سکتا ہے۔ ضروری نہیں کہ اسے راہ صواب پر لایا جائے۔ مگر اس کی خطا پر بھی اسے اجر دیا جاتا ہے، اس لیے کہ وہ فکر کی خطا ہے، نیت اور ارادے کی خطا نہیں۔ صورت عمل کی خطا ہے۔ تو جس طرح انبیائے کرام علیہم السلام کی نیتیں پاک اور مقدس ہیں، اسی طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے بارہ میں بھی فرمایا کہ ان کے عمل بھی مقدس اور پاک ہیں، قلبی مقامات بھی پاک اور مقدس ہیں۔ فکری طور پر یا اجتہادی خطا واقع ہو، یہ کوئی معصیت نہیں، کوئی برائی نہیں۔ یہ تو بڑے سے بڑے کے ساتھ لگی ہوئی ہے۔ اس سے تو زیادہ سے زیادہ مخلوقیت ثابت ہوتی ہے اور یہ کوئی عیب اور برائی نہیں۔ علم الٰہی ہے جو ہر قسم کی خطا سے بری اور پاک ہے لیکن مخلوق کے علم میں خطا آ جانا ممکن ہے۔ لہٰذا مخلوق ہونا کوئی برائی نہیں کوئی عیب نہیں۔ انبیاء علیہم السلام بھی مخلوق ہیں، ملائکہ بھی مخلوق ہیں، اوّلیاء بھی مخلوق ہیں۔ خالق تو صرف ایک ہی ہے۔ بہرحال صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین بے شک مخلوق ہیں لیکن مخلوق ہونے کے بعد ان کا ظاہر و باطن اور ان کا قلب و قالب مقدس اور پاک ہے۔

کہا جا سکتا ہے اور کہنے والے کہتے بھی ہیں کہ یہ تو ان کے ظاہری اعمال کا تقدس بیان کیا گیا ہے۔ ممکن ہے ان کے دلوں میں خرابی ہو، کھوٹ ہو، نفاق ہو یا انتقال پیغمبر ﷺ کے بعد ان کے قلوب دین سے پھر گئے ہوں، اللہ تعالیٰ نے ان کے اس اعتراض کا رد بھی قرآن

حکیم میں فرمایا:

﴿اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰى﴾ (سورہ حجرات : ۳)

''یعنی اللہ تعالیٰ نے تو پہلے ہی ان کے قلوب کا امتحان کر لیا تھا۔''

تقویٰ کے معیار پر ان کے قلوب کو پرکھ لیا تھا، اور یہ اس امتحان میں کامیاب و کامران نکلے۔''

﴿اُولٰٓئِكَ هُمُ الرّٰشِدُوْنَ﴾ (سورہ حجرات : ۷)

''یہ سارے کے سارے رشد و ہدایت کے پیکر ہیں۔''

ہدایت ان کی اتباع سے ملتی ہے بلکہ یہ ہدایت کی روشنی کے مینار ہیں، ان کی زندگیوں کو دیکھ کر لوگ ہدایت کی راہیں متعین کرتے ہیں۔

پھر فرمایا:

﴿فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَنِعْمَةً﴾ (سورہ حجرات : ۸)

''یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کا فضل اور اس کی ایک بہت بڑی نعمت ہے۔ (جو انہیں دی گئی)۔''

تو قلب کو الگ سراہا، قالب کی الگ تحسین کی گئی۔ قلبی مقامات اور قالب کے اعمال کو الگ سراہا گیا اور طبقے کی الگ تعریف کی گئی۔

پھر طبقات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی تعریف و تقدیس فرمائی گئی اور ہر طبقہ کا نام لے کر قرآن حکیم نے الگ تقدیس کی۔ فرمایا:

﴿لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ﴾

(سورۃ الفتح : ۱۸)

''اللہ تعالیٰ ان مومنوں سے راضی ہو گیا جن سے آپ نے درخت کے نیچے بیعت لی تھی۔''

پھر اصحاب بدر سے اپنی رضا کا اعلان فرمایا۔ پھر عشرہ مبشرہ کا نام لے کر ان کو پروانہ رضا دیا گیا۔ پھر اصحاب احد کی رضا کا اعلان کیا۔ پھر پورے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی تقدیس اور رضا کا اعلان کیا گیا۔ پھر نہ صرف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے لیے اپنی رضا کا سرٹیفکیٹ دیا

بلکہ جن مسلمانوں نے ان کی اتباع اور فرماں برداری کی، ان کو بھی رضا کا پروانہ دے دیا گیا۔ چنانچہ قرآن حکیم میں ارشاد خداوندی ہے:

﴿وَ السّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَ الْاَنْصَارِ وَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَ رَضُوْا عَنْهُ وَ اَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ﴾

(سورہ توبہ: ۱۰۰)

''اور مہاجرین اور انصار میں سے (نیکی میں) سبقت کرنے والے اور سب سے پہلے ایمان لانے والے، اور جن لوگوں نے نیکی میں ان کی اتباع کی، اللہ ان سے راضی ہو گیا اور وہ اللہ سے راضی ہو گئے، اور اللہ نے ان کے لیے ایسی جنتیں تیار کی ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، اور وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے۔ یہی بہت بڑی کامیابی ہے۔''

گویا بتایا یہ کہ اللہ تعالیٰ اس کو جنت عطا فرمائے گا اور اس سے راضی ہو گا جو مہاجرین و انصار کی اتباع کرے گا اور ان کے لیے نیک کلمات کہے گا۔ پس جس کو جنت اور اللہ تعالیٰ کی رضا چاہیے وہ مہاجرین و انصار کی اتباع بالاحسان (نیکی میں اتباع) کرے۔ معلوم ہوا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نہ صرف خود جنتی اور اللہ تعالیٰ کی رضا کے حامل ہیں بلکہ ہر وہ شخص بھی جنتی ہے اور اللہ کی رضا کا مستحق ہے جو ان کی نیکی میں فرماں برداری اور اتباع کرے۔ اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین سے اللہ راضی ہے اور جن سے اللہ راضی ہوا انہیں اس کی کیا پروا کہ کوئی دوسرا ان سے راضی ہو یا ناراض ہو۔ اور ایک بات اس آیت سے یہ بھی ثابت ہوئی کہ اتباع صرف اس کی کرنی چاہیے جس سے اللہ راضی ہو۔ ہر ایرے غیرے کی اتباع سے روک دیا گیا۔

یہی وجہ ہے کہ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے!

((من كان مستناً فليستن بمن قد مات، فان الحي لا تؤمن عليه الفتنة، اوّلئك اصحاب محمد ﷺ، كانوا افضل هذا

الامة، ابرها قلوباً، واعمقها علماً، واقلها تكلفاً، اختارهم الله لصحبة نبيه، لاقامة دينه، فاعرفوا لهم فضلهم، واتبعوا على آثارهم، وتمسكوا بما استطعتم من اخلاقهم وسيرهم، فانهم كانوا على الهدى المستقيم .))

(مشکوۃ صفحہ ۲۲)

''جو شخص کسی کی پیروی کرنا چاہے اسے چاہیے کہ وہ فوت شدہ لوگوں کی پیروی کرے کیوں کہ زندہ کو فتنہ سے محفوظ نہیں سمجھا جا سکتا۔ وہ فوت شدہ حضرات رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین ہیں جو اس امت میں سب سے افضل تھے۔ ان کے دل سب سے نیک تھے، ان کا علم سب سے گہرا تھا، وہ تکلف سے بہت دور تھے، اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے نبی کی صحبت اور اس کے دین کی اقامت کے لیے چن لیا تھا، ان کی فضیلت کو پہچانو، ان کے نقش پا کی پیروی کرو اور جہاں تک ہو سکے ان کے اخلاق اور ان کی عادات سے سند پکڑو، بے شک وہ سیدھی راہ پر تھے۔''

امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے ان کے بارہ میں فرمایا:

((اختارهم الله لصحبة نبيه و نقل دينه، فتشبهوا باخلاقهم وطرائقهم، فهم كانوا على الهدى المستقيم .))

(شرح السنة : ۱/ ۲۱٤)

''اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے نبی کی صحبت کے لیے چن لیا اور اپنے دین کو اگلی نسلوں تک پہنچانے کے لیے، سو ان کے اخلاق اور طریقوں کو اپناؤ، وہ سب راہ مستقیم اور ہدایت مستقیم پر تھے۔''

یعنی جو ان کے نقش قدم پر چلتا ہے وہی راہ مستقیم پر ہے وگرنہ پھر بدعت کی راہیں اس کے لیے کھلی ہیں۔ چنانچہ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ایک موقع پر فرمایا تھا:

((اتبعوا آثارنا ولا تبتدعوا فقد كفيتم .))

(الاعتصام للشاطبی، ۱/ ۵٤)

''ہمارے (یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین) کے نقش پا پر چلتے رہو، دین میں نئی نئی باتیں نہ نکالو، ہماری پیروی تمہارے لیے کافی ہے۔''

اور امام نووی رحمہ اللہ نے ان کے بارہ اپنے جذبات کا ان الفاظ میں اظہار فرمایا:

((انهم ائمة الاعلام، وقادة الاسلام، يقتدىٰ بهم فى عصرهم وبعدهم .)) (نووی شرح مسلم: ۱/ ۳۸۲)

''بے شک یہ حضرات بہت بڑے پیشوا تھے اور یہی لوگ قافلہ اسلام کے قائد تھے، ان کے لیے اپنے وقتوں میں بھی اقتدا اور پیروی ہوتی تھی اور ان کے بعد بھی ہوگی۔''

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی اس حیثیت کا بہت احساس تھا۔ چنانچہ ایک مرتبہ انہوں نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا:

((انكم معشر اصحاب محمد ﷺ متى تختلفون، تختلف الناس بعدكم۔ والناس حديث عهد بالجاهلية، فاجمعوا على شيء يجمع عليه من بعدكم .))(فتح القدير لابن همام: ۲/ ۱۲۳)

''بے شک تم رسول اللہ رضی اللہ عنہ کے صحابہ ہو، جب تم اختلاف میں پڑو گے تمہارے بعد میں آنے والے اور اختلاف میں پڑیں گے۔ لوگ جاہلیت سے تازہ تازہ نکلے ہیں، تم ایک بات پر اکٹھے رہو تو بعد میں آنے والے بھی اس پر اکٹھے رہیں گے۔''

ایک اور موقع پر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سیدنا طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ سے یہ فرمایا:

((انكم ايها الرهط ائمة يقتدى بكم الناس .))

(موطا امام مالك صفحه ۱۳۲)

''اے اس گروہ (صحابہ) کے لوگو! تم لوگ امام ہو، لوگ تمہاری اقتداء اور پیروی کریں گے۔''

روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کو خود بھی اپنی اس حیثیت سے بخوبی

آشنائی تھی۔ چنانچہ سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ جب گھر میں نماز پڑھتے تو طویل پڑھتے، رکوع و سجود بھی طویل کرتے اور جب مسجد میں نماز پڑھتے تو جلدی کرتے۔ آپ نے صاحبزادے مصعب نے اس کی وجہ دریافت کی تو فرمایا:

((یا بنی! ان ائمة یقتدی بنا.))

(المصنف عبدالرزاق: ۲/۳۶۷، مجمع الزوائد: ۱/۱۸۲)

''اے میرے بیٹے! بے شک ہم لوگ امام ہیں، ہماری اقتداء امت میں کی جاتی رہے گی۔''

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کو یہ حیثیت اس وجہ سے حاصل تھی کہ اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو گئے کیوں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کمال اطاعت کی تھی۔ اس اطاعت کے صلہ میں اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو گئے اور ان کو قیامت تک کے لیے امت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا امام اور اس کے لیے واجب الاتباع بنا دیا، اور جن سے اللہ تعالیٰ راضی ہو جائیں ان سے پھر وہ ناراض نہیں ہوتا۔

(من رضی الله عنه لم یسخط علیه ابدًا ان شاء الله تعالیٰ)

''جس سے اللہ راضی ہو گیا اس سے پھر کبھی ناراض نہیں ہوگا، ان شاء اللہ تعالیٰ۔''

اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں لوگوں کو ایمان کی دعوت دیتے ہوئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے ایمان کو لوگوں کے لیے معیار بنایا اور فرمایا:

﴿فَإِنْ آمَنُوا بِمِثْلِ مَا آمَنتُم بِهِ فَقَدِ اهْتَدَوا ۖ وَإِن تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا هُمْ فِي شِقَاقٍ﴾ (سورہ بقرہ: ۱۳۷)

''اگر وہ اس طرح ایمان لائیں جس طرح (اے صحابہ!) تم ایمان لائے ہو تو بے شک وہ ہدایت یافتہ ہوئے۔ اور اگر وہ منہ موڑیں تو وہ اختلاف میں پڑے ہوئے ہیں۔''

معلوم ہوا کہ صحابہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ کے لیے حق کا نمونہ بھی ہیں اور قیامت تک کے لیے لوگوں کے لیے معیار حق و ایمان بھی۔ یعنی ایمان وہی معتبر ہے جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین

جیسا ہو اور دین و ایمان کی کوئی قسم ایسی نہیں ہے جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے ایمان سے مختلف ہو کر اللہ تعالیٰ کو مطلوب ہو۔

ان کا ایمان کیسا تھا؟ جس کو اللہ تعالیٰ نے قیامت تک کے لیے معیار حق بنایا جب کہ سورہ حجرات میں کہا گیا ہے کہ ایمان ان کے ہاں محبوب ترین شے بن گیا تھا۔ وہ اسلام کے فائدے سے اس طرح خوش ہوتے تھے جس طرح کوئی شخص اپنے بیٹے کی کامیابی سے خوش ہوتا ہے، اور اسلام کو اگر کوئی نقصان پہنچتا تھا تو وہ اس طرح بے چین اور بے سکون ہو جاتے تھے جیسے کوئی شخص اپنے بیٹے کے متعلق کوئی ناخوش گوار خبر سن کر تڑپ اٹھتا ہے، اور اس وقت تک اسے چین نہیں آتا جب تک وہ اس کی صحیح طور پر تلافی نہ کرے لے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کوئی فوق البشر مخلوق نہ تھے۔ وہ انسان تھے اور ایک ایسے معاشرہ میں پیدا ہوئے جہاں ہر طرف کفر و شرک کے گھٹا ٹوپ اندھیرے تھے۔ بد اخلاقی کا بھوت ہر طرف ننگا ناچ رہا تھا اور زنا اور دوسری اخلاقی بیماریوں کے جراثیم پوری سوسائٹی کو اس طرح کھا رہے تھے جس طرح تپ دق کے جراثیم پھیپھڑوں کو کھا جاتے ہیں۔ ان حالات میں انہوں نے داعی اسلام کی دعوت پر لبیک کہا۔ بس لبیک کہنا تھا کہ پورا معاشرہ ان کے خلاف ہو گیا، مصائب کے پہاڑ ان حق کے علم برداروں پر ٹوٹنے شروع ہوئے لیکن وہ صبر، استقلال اور اولوالعزمی سے ان کو برداشت کرتے رہے۔ حوادثات کے طوفانوں میں بھی توحید کی شمع کو ہر قیمت پر روشن رکھا۔ ان کے اخلاص و عمل کا یہ حال تھا کہ بقول مولانا ابوالکلام آزادؒ:

> ''ہر شخص جو ان کی زندگی کا مطالعہ کرے گا بے اختیار تصدیق کرے گا کہ انہوں نے راہ حق کی مصیبتیں صرف جھیلی ہی نہیں بلکہ دل کی پوری خوش حالی اور روح کے کامل سرور کے ساتھ اپنی زندگیاں ان میں بسر کر ڈالیں۔ ان میں جو لوگ اوّل دعوت میں ایمان لائے تھے ان پر شب و روز کی جان کاہیوں اور قربانیوں کے پورے تیئس برس گزر گئے، لیکن اس تمام مدت میں کہیں بھی یہ بات دکھائی نہیں دیتی کہ مصیبتوں کی کڑواہٹ ان کے چہروں پر کبھی کھلی ہو۔ انہوں نے

مال و علائق کی ہر قربانی اس جوش و مسرت کے ساتھ کی گویا دنیا جہاں کی خوشیاں اور راحتیں ان کے لیے فراہم ہوگئی ہیں...... اور جان کی قربانیوں کا وقت آیا تو اس طرح خوشی خوشی گردنیں کٹوا دیں گویا زندگی کی سب سے بڑی خوشی زندگی میں نہیں بلکہ موت میں ہے۔'' (ترجمان القرآن : ۲/۱۴۳)

اپنی اسی تفسیر میں ایک اور مقام پر مولانا آزادؒ فرماتے ہیں:

''محبت ایمان کی اس آزمائش میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین جس طرح پورے اترے اس کی شہادت تاریخ نے محفوظ کر لی ہے اور وہ محتاج بیان نہیں۔ بلا شائبہ مبالغہ کہا جا سکتا ہے کہ دنیا میں انسانوں کے کسی گروہ نے کسی انسان کے ساتھ اپنے سارے دل اور اپنی ساری روح سے ایسا عشق نہیں کیا ہو گا جیسا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے اللہ کے رسول سے راہ حق میں کیا۔ انہوں نے اس محبت کی راہ میں وہ سب کچھ قربان کر دیا جو انسان کر سکتا ہے اور پھر اس کی راہ میں وہ سب کچھ پایا جو انسانوں کی کوئی جماعت پا سکتی ہے۔'' (ترجمان القرآن : ۲/۱۲۶)

صدیاں گزرنے کے بعد بھی ان کے حالات زندگی پڑھ کر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ انسان نہیں تھے بلکہ ملاء اعلیٰ کے مقدس فرشتے تھے جن کو اللہ تعالیٰ نے زمین کی پاکیزگی کے لیے آدمیوں کی شکل میں بھیج دیا تھا اور جب کبھی دنیا کی سعادت و برکت کے دن آتے ہیں تو خدا زمین کے انسانوں ہی سے آسمانی فرشتوں کا کام لیے لیتا ہے وگرنہ آسمان کے فرشتے تو کبھی انسانی آبادیوں میں آکر آباد نہیں ہوئے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے اس دنیا میں فرشتوں والا کام کیا ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی یہ صفت سب سے انوکھی تھی کہ انہوں نے اپنے ایک معاصر رسول کو پہچانا اور اس کا ساتھ دیا۔ یہ کام اتنا مشکل ہے کہ پوری تاریخ عالم میں جماعت کی سطح پر صرف اور صرف ایک بار پیش آیا ہے۔ ماضی کی تاریخ کے ہر دور میں یہ قصہ پیش آیا کہ رسولوں کے مخاطبین نے ان کا انکار کیا اور ان کا استہزاء اور مذاق اڑایا۔ وہ قدیم نبیوں کو مانتے تھے لیکن وقت کے نبی کا انکار کرتے تھے، اور اس کے لیے ان کے پاس استہزاء اور تمسخر

کے سوا اور کچھ نہ تھا۔ یہود نے معاصر رسول سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کا انکار کیا اور اپنے خیال کے مطابق ان کو صلیب پر چڑھایا، کانٹوں کا تاج ان کے سر پر رکھا حالانکہ وہ قدیم رسول سیدنا موسیٰ علیٰ نبینا وعلیٰ الصلوٰۃ والسلام کو مانتے تھے۔ نصاریٰ نے قدیم رسول سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کو نہ صرف نبی بلکہ خدا کا بیٹا تسلیم کیا لیکن معاصر رسول محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار کیا۔ اسی طرح قریش مکہ دعویدار تو دین ابراہیمی کے تھے اور اپنے کو سیدنا ابراہیم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کا وارث ہونے پر فخر کرتے تھے لیکن اللہ کے آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا نہ صرف انکار کیا بلکہ ان پر پتھروں کی بارش کی، مصائب کے پہاڑ توڑے، راستے میں کانٹے بچھائے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ ان کو گھر سے نکالا۔ اس کی وجہ کیا ہے؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ قدیم نبی کی نبوت تاریخی روایات کے نتیجہ میں مسلمہ نبوت بن جاتی ہے اور وہ کسی قوم یا امت کے قومی اثاثہ کا ایک لازمی جز ہوتی ہے۔ ظاہر ہے کہ ایسے نبی کو کون نہیں مانے گا جس کی نبوت ثابت شدہ ہو۔ لیکن وقت کے نبی کی نبوت مسلمہ نہیں بلکہ متنازعہ نبوت ہوتی ہے، اس کو ماننے کے لیے ظواہر کے پردہ کو پھاڑ کر حقیقت کو دیکھنا پڑتا ہے۔ اس کا ساتھ دینے کے لیے اپنی انا کو دفن کرنا ہوتا ہے۔ اس کی نبوت چونکہ لوگوں کے نزدیک ابھی ثابت شدہ نہیں ہوتی لہٰذا اس کے مشن کی راہ میں اپنا سرمایہ صرف کرنا ایسے مشن کی راہ میں اپنا سرمایہ خرچ کرنا ہوتا ہے، جس کے مستقبل سے بھی ناآشنائی ہوتی ہے اور جس کا برسرحق ہونا ابھی اختلافی ہوتا ہے۔ جس کے بارہ میں تاریخ کی تصدیقات ابھی اکٹھی نہیں ہوئی ہوتیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین وہ لوگ تھے جنہوں نے معاصر رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح مانا جس طرح کوئی شخص تاریخی رسول کو مانتا ہے۔

اس کی مثال تاریخ میں یوں ہے کہ غزوہ خندق میں دس ہزار افراد پر مشتمل کافروں نے مدینہ طیبہ کا محاصرہ کیا ہوا تھا۔ مسلمان نہایت پریشانی کی حالت میں تھے۔ سخت سردی کا موسم تھا، ہر طرف سرد ہوائیں چل رہی تھیں، کپڑے پھٹے ہوئے، پیٹ میں بھوک سے آنتوں کو بل پڑ رہے تھے بلکہ کئی کئی روز کا فاقہ اور قرآن حکیم نے ان کی کیفیت کو یوں بیان فرمایا:

"مسلمانو! یاد کرو اس وقت کو جب دشمن تمہارے سر پر آپہنچا تھا، اوپر کی طرف سے اور نیچے کی طرف سے بھی، اور نگاہیں خیرہ ہو گئیں اور کلیجے منہ کو آنے لگے اور

اللہ تعالیٰ کے ساتھ طرح طرح کے گمان کیے جانے لگے۔"

ان حالات میں مسلمانوں کے لیے معمولی ضروریات زندگی کی فراہمی بھی نہ صرف مشکل بلکہ ناممکن ہوگئی۔ ان حالات میں ایک مسلمان کے منہ سے یہ جملہ نکل گیا:

((کان محمد ﷺ یعدنا ان ناکل کنوز کسریٰ و قیصر واحدنا لایأمن ان یذھب الیٰ الغائط .)) (سیرۃ ابن ھشام ۲/۱۴٤)

"محمد ﷺ ہم سے وعدہ کرتے تھے کہ ہم قیصر و کسریٰ کے خزانے حاصل کریں گے جب کہ حالت یہ ہے کہ ہمارا ایک شخص بیت الخلا جانے کے لیے بھی محفوظ نہیں۔"

قیصر و کسریٰ کے خزانوں کو حاصل کرنے کا وعدہ بھی اسی جنگ میں کیا گیا تھا (ملاحظہ ہو فتح الباری ۳۰٤/۷، نسائی ۵٦/۲) لیکن اللہ کے رسول کا یہ وعدہ اس وقت صرف ایک لفظی وعدہ تھا، آج یہ ایک تاریخی واقعہ بن چکا ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے اس وعدہ کے تاریخی واقعہ بننے سے پہلے رسول اللہ ﷺ کی عظمت و نبوت کو مانا اور ہم آج اس وعدہ کے تاریخی واقعہ بننے کے بعد رسول اللہ ﷺ کی عظمت کو مان رہے ہیں۔ دونوں کے ماننے میں اتنا زیادہ فرق ہے کہ جتنا زمین اور آسمان میں۔ آج آپ کی نبوت کو ماننا اتنا مشکل نہیں جتنا آپ ﷺ کی زندگی میں آپ کی عظمت و نبوت کو پہچاننا مشکل تھا۔ صرف وہی لوگ اس کو پہچان سکتے تھے جنہیں خدا کی طرف سے خصوصی توفیق ملی ہو اور جن کے دلوں کے دروازے اللہ تعالیٰ نے نبوت کی دعوت کو خوش آمدید کہنے کے لیے کھول دیے تھے۔ ایسی حالت میں رسول اللہ ﷺ کی رسالت کو ماننا مستقبل میں ظاہر ہونے والے واقعہ کو حال میں دیکھنا تھا۔ اس چھپی ہوئی حقیقت کو اس کے ثابت شدہ بننے سے پہلے پا لینا تھا اور نبوت کے لیے اپنی عظمت کو کھو کر دوسرے کی عظمت میں گم ہونا پڑتا تھا۔ یہ اپنے مقابلہ میں دوسری شخصیت کا اعتراف کرنا تھا اور وہ بھی ایسی شخصیت کا جس کی حقیقت ابھی مسلم نہ ہوئی ہو۔ اگر آج کوئی رسول اللہ ﷺ کو تسلیم کرتا ہے تو یہ کوئی بڑی بات نہیں کیوں کہ آج رسول اللہ ﷺ کی نبوت و رسالت تاریخ کی ایک مسلمہ حقیقت بن چکی ہے۔ اس شخص کے ایمان کو صحابہ

کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے ایمان سے کوئی نسبت ہی نہیں کیوں کہ آج کا مومن تاریخ کے آغاز پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نبوت و رسالت کو مانا تھا۔ یہی وہ حقیقت ہے جس کو قرآن حکیم نے ان لفظوں میں بیان کیا ہے:

﴿لَا يَسْتَوِي مِنْكُمْ مَّنْ أَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقَاتَلَ ۚ أُولَٰئِكَ أَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِينَ أَنْفَقُوا مِنْ بَعْدُ وَقَاتَلُوا﴾ (سورة الحديد : ١٠)

''تم میں سے جن لوگوں نے فتح (مکہ) کے بعد (اللہ کے راستہ میں مال) خرچ کیا اور جہاد کیا وہ ان لوگوں کے برابر نہیں ہو سکتے جنہوں نے فتح (مکہ) سے پہلے (اپنے مال اللہ کے راستہ میں) خرچ کیے اور جہاد کیا۔ ان کا درجہ بعد میں خرچ اور جہاد کرنے والوں سے بہت زیادہ ہے۔''

وجہ ظاہر ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے غیر ثابت شدہ صداقت و حقیقت کے لیے مال خرچ کیا لیکن آج اگر کوئی شخص دین کے نام پر مال خرچ کرے تو یہ عین ممکن ہے کہ لاکھوں کروڑوں مسلمانوں کے درمیان مقبولیت کی صورت میں اس کو بہت جلد اپنے انفاق سے زیادہ بڑی شے مل جائے لیکن اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں صورت حال مختلف تھی۔ اس وقت دین پر مال خرچ کرنا دیوانگی کا خطاب پاتا تھا۔ اس وقت ایسا اقدام ایسی تحریک کے خانہ میں لکھا جانے والا تھا جس کی صداقت ابھی لوگوں کے نزدیک مشتبہ تھی۔ جس کی پشت پر تاریخ کی تصدیقات ابھی اکٹھی نہیں ہوئی تھیں۔ گویا یہ ایک غیر مسلمہ مد میں اپنا مال خرچ کرنا تھا۔ جب کہ آج کا مسلمان ایک مسلمہ مد میں اپنا اثاثہ پیش کرتا ہے۔

ابونعیم نے امام حسن بصریؒ کا ایک قول نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ انہوں نے اپنے زمانہ کے لوگوں سے فرمایا تھا:

((لقد ادركت سبعين بدرياً اكثر لباسهم الصوف ، ولو رأيتموهم لقلتم مجانين ، ولورأوا اخيار كم لقالوا ما لهؤلاء من خلاق ، ولورأوا شراركم لقالوا مايؤمن هؤلاء بيوم الحساب .)) (حلية الاولياء ١/٣٠٥)

''میں نے ستر (۷۰) بدری صحابہ کو دیکھا ہے۔ ان کا لباس زیادہ تر صوف کا ہوتا تھا۔ اگر تم ان کو دیکھتے تو کہتے یہ پاگل ہیں، اور اگر وہ تمہارے نیک اور اچھے لوگوں کو دیکھتے تو کہتے کہ ان کا دین میں کوئی حصہ نہیں۔ اور اگر وہ تمہارے بروں کو دیکھتے تو کہتے کہ یہ لوگ قیامت کے دن پر ایمان نہیں رکھتے۔''

حافظ ابونعیم نے سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا بھی ایک قول نقل کیا ہے۔ انہوں نے ایک مرتبہ اپنے زمانہ کے لوگوں سے فرمایا تھا: ''تم لوگ اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ نماز روزہ رکھنے والے ہو، اور ان سے زیادہ مجاہدہ کرتے ہو، مگر وہ تم سے بہت بہتر تھے۔'' لوگوں نے پوچھا: ''کس وجہ سے؟''

فرمایا:

((هم كانوا ازهد في الدنيا وارغب في الآخرة))

(حلية الاولياء ۱۳۶/۶)

''وہ دنیا سے بہت زیادہ بے رغبت تھے اور آخرت کے بہت زیادہ مشتاق تھے۔''

ایسے ہی حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ ایک مرتبہ سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''بخدا! میں نے اپنی آنکھوں سے اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے۔ آج کوئی شے ان کے مشابہ نہیں۔''

((لقد كانوا يصبحون صفرًا شعثًا غبرًا، و حملت اعينهم حتى قبل ثيابهم، والله! فكان القوم باتوا غافلين .))

(البداية والنهاية : ۶/۷)

''وہ لوگ خالی ہاتھ، پراگندہ اور غبار آلود ہو کر صبح کرتے تھے۔ ان کی آنکھوں سے آنسوؤں کے ذریعہ سے اتنا پانی ٹپکتا کہ ان کے کپڑے بھیگ جاتے۔ خدا کی قسم! تم لوگوں کو دیکھ کر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے غفلت میں رات گزاری۔''

ایسا کیوں تھا؟ اس لیے کہ وہ اللہ کی طرف سے چنے گئے تھے اور دین اسلام اور پیغمبر اسلام کی انہوں نے اس طرح مدد کی کہ چشم آفتاب نے اب تک ایسے لوگ نہیں دیکھے۔ چنانچہ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے بندوں کے قلوب کو دیکھا، پس

محمد ﷺ کو چن لیا۔ رسالت کے لیے آپ کی بعثت فرمائی۔ آپ کو آپ کے علم کی وجہ سے منتخب فرما لیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے دلوں پر نظر ڈالی تو آپ کے لیے آپ کے اصحاب کو چن لیا اور ان کو اپنے دین کا مددگار اور نبی کا وزیر بنایا۔ (الا ستیعاب : ۱/۶)

اصحاب رسول کے بارہ میں بات کچھ طویل ہو گئی کیوں کہ ''لذیذ بود حکایت دراز تر گفتم۔'' صحابہ رضی اللہ عنہم کا ذکر اتنا لذیذ ہے کہ خود بخود دراز کرنے کو جی چاہتا ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین معصوم نہیں تھے۔ کبھی کبھار بے خیالی میں غلطی ان سے بھی ہو جاتی تھی۔ بلکہ بعض مرتبہ بڑی سخت غلطی بھی ہو جاتی لیکن رحمت خداوندی ان کو اپنے دامن عفو میں ڈھانپ لیتی تھی، بلکہ بعض دفعہ اللہ تعالیٰ وکیل بن کر خود پیغمبر علیہ السلام سے بھی ان کی معافی کی درخواست کرتا۔ اس کی مثال قرآن حکیم میں یہ ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ عتبہ بن ربیعہ، ابوجہل اور عباس بن عبدالمطلب وغیرہم کو اسلام کی تبلیغ فرما رہے تھے۔ رسول اللہ ﷺ اس بات پر بہت حریص تھے کہ یہ لوگ ایمان لے آئیں تاکہ ان کے ایمان لانے کی وجہ سے ان کے پیروکار بھی اسلام لے آئیں۔ اس وقت ایک نابینا صحابی عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ آئے۔ وہ نبی اکرم ﷺ سے قرآن حکیم کی ایک آیت پڑھنے کا سوال کر رہے تھے۔ انہوں نے کہا: ''یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ نے آپ کو جو علم دیا ہے اس میں سے مجھے تعلیم دیجیے۔'' رسول اللہ ﷺ نے ان سے اعراض کیا اور آپ کے چہرے پر ناگواری کے اثرات ظاہر ہوئے اور آپ دوسروں کی طرف متوجہ رہے۔ تب رسول اللہ ﷺ کو اللہ نے اس تیوری چڑھانے پر تنبیہ فرمائی۔ فرمایا: عَبَسَ وَ تَوَلّٰی، اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰی. (عبس : ۱۔۲) (جامع البیان ۳۰/۶۵)

امام قرطبیؒ نے اس بارہ میں لکھا ہے کہ اگر سیدنا عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو یہ علم ہوتا کہ نبی اکرم ﷺ سرداران قریش کو تبلیغ فرما رہے ہیں اور آپ ﷺ کو ان کے اسلام کی توقع ہے اور پھر وہ آپ کی گفتگو میں مداخلت کرتے تو ان کا یہ فعل بے ادبی ہوتا، لیکن اللہ تعالیٰ نے پھر بھی آپ ﷺ پر عتاب فرمایا تاکہ صحابہ کے دل نہ ٹوٹ جائیں یا اس لیے کہ یہ معلوم ہو جائے کہ مومن فقیر کافر غنی سے بہتر ہے اور یہ کہ مومن کی رعایت کرنا کافر غنی سے زیادہ فائق ہے خواہ کافر کے ایمان لانے کی توقع ہو۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ کو سیدنا

عبداللہ ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ پر اعتماد ہو کہ اگر آپ ان کی طرف توجہ نہ بھی کریں تو ان کو ملال نہیں ہوگا اور دوسری جانب کفار کے مجلس سے اٹھ جانے کا خطرہ ہو جیسا کہ ایک موقع پر آپ کچھ صحابہ کو عطا فرما رہے تھے اور جس کی سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے سفارش کی تھی، اس کو عطا نہیں فرمایا اور آخر میں بطور عذر یہ فرمایا کہ میں ایک شخص کو دیتا ہوں حالانکہ دوسرا شخص مجھ کو اس سے زیادہ محبوب ہوتا ہے۔ اس خوف سے کہ اللہ اس کو جہنم میں منہ کے بل گرا دے گا۔

(بخاری ، رقم: ٢٧۔ مسلم، رقم ١٥٠۔ ابو داؤد، رقم ٤٦٨٣۔ مسند احمد: ١٧٦/١) (تفسیر قرطبی جز ١٨٤/١٩)

رسول اللہ ﷺ کے اس معمولی سے اعراض پر اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کو تنبیہ فرمائی۔ لیکن جنگ احد میں رسول اللہ ﷺ نے اپنے لشکر کی صف بندی فرمائی۔ جنگی نقطہ نگاہ سے لشکر کو کئی صفوں میں تقسیم فرمایا۔ ماہر تیر اندازوں کا ایک دستہ بھی منتخب فرمایا جو پچاس تیر اندازوں پر مشتمل تھا۔ اس دستہ کی کمان سیدنا عبداللہ بن جبیر بن نعمان انصاری رضی اللہ عنہ کے سپرد فرمائی اور انہیں ایک درہ پر تعینات فرمایا۔ اس دستہ کو یہ ہدایت فرمائی کہ تم نے یہاں بیٹھ کر ہمارے عقب سے قریش کے حملہ کو روکنا ہے، اور اگر ہم کو مشرکین پر غالب ہوتے دیکھو تب بھی یہاں سے نہ ہٹنا۔ اور اگر مشرکین کو ہم پر غالب ہوتے دیکھو تب بھی اس جگہ سے سرک کر ہماری مدد کے لیے نہ آنا۔ (بخاری: ٤٢٦/١)

ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اگر پرندوں کو بھی ہمیں اچکتے ہوئے دیکھو تب بھی اس جگہ سے نہ ہٹنا یہاں تک کہ میں بلا بھیجوں۔'' اور مسند امام احمد وغیرہ میں سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''تم لوگ اس جگہ کھڑے رہو اور پشت کی جانب سے ہماری حفاظت کرو۔ اگر ہم کو قتل ہوتے بھی دیکھو تو ہماری مدد کے لیے نہ آنا۔ اور اگر غنیمت حاصل کرتے ہوئے دیکھو تو اس میں شریک نہ ہونا۔'' (فتح الباری: ٢٧٠/٧)

ان تیر اندازوں نے سیدنا عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ کی زیر کمان اپنی بہادری کے پورے پورے جوہر دکھائے۔ انہوں نے بھی مشرکین مکہ کی شکست میں ایک اہم پارٹ ادا کیا۔ لیکن عین اس وقت جب کہ اسلامی لشکر فتح و نصرت سے ہم کنار ہو کر دنیا کی تاریخ کے اوراق پر

اپنی تابناک فتح کے نقش ثبت کر رہا تھا، درہ پر متعین تیرانداز دستہ کی اکثریت نے ایک ایسی خوف ناک غلطی کی جس نے مسلمانوں کی فتح کو شکست میں تبدیل کر کے رکھ دیا اور اسلامی لشکر کو اس قدر نقصان اور قائد اسلام ﷺ کو اس قدر تکلیف پہنچی جو ناقابل بیان ہے اور مسلمانوں کی وہ ہیبت اور وہ دبدبہ جو جنگ بدر کی فتح کے نتیجہ میں حاصل ہوا تھا کافی حد تک جاتا رہا۔

درہ پر متعین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی اس غلطی سے نہ صرف مسلمانوں کی شاندار فتح شکست میں تبدیل ہوگئی بلکہ رسول اللہ ﷺ شدید زخمی بھی ہو گئے۔ کئی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین شہید ہو گئے۔ سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ کے والد سیدنا یمان رضی اللہ عنہ مسلمانوں کے ہاتھوں غلطی سے شہید ہو گئے۔ مسلمانوں کو جب پتہ چلا کہ سیدنا یمان رضی اللہ عنہ ہمارے ہاتھوں شہید ہو گئے ہیں تو بہت نادم ہوئے۔ سرکار دو عالم ﷺ نے ان کی دیت دینے کا ارادہ فرمایا لیکن سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ نے دیت بھی معاف کر دی۔ (فتح الباری: ۲۹۱/۷۔ زرقانی ۳۲/۲۔ سیرۃ ابن ہشام: ۸۷/۲)

اس واقعہ سے رسول اللہ ﷺ کو کتنا صدمہ پہنچا ہوگا کہ باوجود میری اس قدر تاکید کے میرے صحابہ نے کیا کیا؟ کیوں اس مورچہ کو چھوڑا؟ لیکن قرآن حکیم میں ہے کہ اللہ تعالیٰ یہاں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کا وکیل بن گیا اور رسول اللہ ﷺ سے ان کی غلطی کو معاف کرنے کی سفارش کرنے لگا حالانکہ یہ قومی سطح پر ایک بہت بڑا جرم تھا جس کی سزا انہیں ضرور ملنی چاہیے تھی۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی وکالت کرتے ہوئے فرمایا: ﴿وَاعْفُ عَنْهُمْ﴾ ''اے پیغمبر! تو ان کو معاف کر دے اور ان کے لیے بخشش طلب کر'' اور ﴿وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ﴾ ''اور آئندہ بھی سیاسی اور غیر سیاسی کاموں میں ان سے مشورہ کر لیا کر۔'' معلوم ہوا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین سے اگر کوئی غلطی بھی ہو جائے تو ہم ان پر تنقید کرنے کا کوئی حق نہیں رکھتے کیوں کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے صحابی ہیں، اور ان کے بارہ میں قرآن حکیم میں ارشاد خداوندی ہے:

﴿إِنَّ الَّذِينَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِنَّا الْحُسْنَىٰ أُولَٰئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُونَ﴾

(سورۃ الانبیاء: ۱۰۱)

''جن لوگوں کے لیے پہلے سے ہماری طرف سے حسنیٰ (نیکی) ٹھہر چکی وہ (جہنم) سے دور رہیں گے۔''

بلکہ ﴿لَا یَسْمَعُوْنَ حَسِیْسَهَا﴾ ''وہ جہنم کی آواز بھی نہیں سنیں گے۔'' معلوم ہوا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین وہ نفوس قدسیہ ہیں جن کے اعمال پر بحث نہیں ہوسکتی کیوں کہ ان کو صحابیت کا مقام اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملا ہے۔ اسی وجہ سے حدیث میں ہے:

((فمن احبهم فبحبي احبهم، ومن ابغضهم فببغضي ابغضهم.)) (ترمذی: ۲/۲۲۵۔ مشکوٰۃ صفحہ ۵۵٤)

''جو ان سے محبت کرے وہ میری محبت کی بنا پر محبت کرے اور جس نے ان سے بغض رکھا اس نے مجھ سے بغض کی بنا پر ان سے بغض رکھا۔''

معلوم ہوا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین سے محبت ان کے اعمال پر نہیں، ان کے کردار پر نہیں، ان کی مالی اور جانی قربانیوں پر نہیں بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس تعلق اور محبت کی وجہ سے ہے جو آپ کو ان سے تھی۔ اس لیے جو ان سے بغض اور کینہ رکھتا ہے وہ پیغمبر علیہ السلام کے بغض کی وجہ سے ان سے بغض رکھتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے اعمال اور کردار کے بارہ میں بحث نہیں ہوسکتی بلکہ ان کے اس تعلق کی وجہ سے جو انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے، ان سے محبت ہوگی۔ اس وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر زبان طعن اور زبان تنقید سے روکا۔ فرمایا:

((الله الله في اصحابي، لا تتخذوهم غرضاً من بعدي.))

(ترمذی: ۲/۲۲۵)

''میرے صحابہ کے بارہ میں اللہ سے ڈرو۔ میرے بعد ان کو ہدف تنقید مت بنانا۔''

وجہ اس کی یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین پر اگر تنقید کی جائے تو اس سے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب اطہر کو تکلیف اور ایذا ہوتی ہے۔ اور ایک حدیث میں یہ الفاظ بھی آئے ہیں کہ (من اذاهم فقد اذاني) ''جس نے ان کو ایذا دی اس نے مجھ کو ایذا دی۔'' اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا دینے میں حبط اعمال کا خطرہ ہے، لہٰذا تنقید صحابہ میں سلب ایمان کا

اندیشہ ہے۔

یہاں یہ بات ذہن میں رہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کیسے ہی ہوں مگر وہ تم سے تو اچھے ہی ہیں۔تم کیا، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے بعد بڑے سے بڑا آدمی بھی عالم، محدث، فقیہ اور مفسر ہوسکتا ہے جیسے امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام غزالیؒ، امام رازیؒ وغیرہم لیکن صحابی رسول ﷺ نہیں ہوسکتا۔تم جو کچھ مرضی چاہے اپنی محنت اور جدوجہد سے سب کچھ ہو سکتے ہو لیکن صحابی نہیں ہو سکتے۔آخر تم وہ آنکھ کہاں سے لاؤ گے جس نے سرکار دو عالم ﷺ کے جمال جہاں آراء کو دیکھا ہو، وہ کان کہاں سے لاؤ گے جنہوں نے کلمات نبوت کو سنا ہو۔اس بارہ میں ہمارے دوست اور بزرگ مولانا محمد یوسف لدھیانوی رحمہ اللہ نے خوب فرمایا:

''ہاں، تم وہ دل کہاں سے لاؤ گے جو انفاس مسیحائی محمدی سے زندہ ہوئے؟ وہ دماغ کہاں سے لاؤ گے جو انوار قدس سے منور ہوئے؟ تم وہ ہاتھ کہاں سے لاؤ گے جو ایک بار بشرہ محمدی ﷺ سے مس ہوئے اور ساری زندگی ان کی بوئے عنبریں نہیں گئی؟ تم وہ پاؤں کہاں سے لاؤ گے جو معیت محمدی ﷺ میں آبلہ پا ہوئے؟ تم وہ زمان کہاں سے لاؤ گے جب آسمان زمین پر اتر آیا تھا؟ تم وہ مکان کہاں سے لاؤ گے جہاں کونین کی سعادت اور سیادت جلوہ آرا تھی؟ تم وہ محفل کہاں سے لاؤ گے جہاں سعادت دارین کی شراب طہور کے جام بھر بھر کے دیے جاتے اور تشنہ کامانِ محبت "ھل من مزید" کا نعرہ مستانہ لگا رہے تھے؟ تم وہ منظر کہاں سے لاؤ گے جہاں "کانما علی رؤسنا الطیر" کا سماں بندھ جاتا تھا؟ تم وہ صدر نشین تخت رسالت کہاں سے لاؤ گے جس کی طرف "ھذا الابیض المتکی" سے اشارے کیے جاتے تھے؟ تم وہ شمیم کہاں سے لاؤ گے جس کے ایک جھونکے سے مدینہ کے گلی کوچے معطر ہو جاتے تھے؟ تم وہ محبت کہاں سے لاؤ گے جو دیدار محبوب میں خواب نیم شبی کو حرام کر دیتی تھی؟ تم وہ ایمان کہاں سے لاؤ گے جو ساری دنیا کو تج کر حاصل کیا جاتا تھا؟ تم وہ اعمال کہاں سے لاؤ گے جو پیمانہ نبوت سے ناپ ناپ کر ادا کیے جاتے تھے؟ تم وہ

اخلاق کہاں سے لاؤ گے جو آئینہ محمدی ﷺ سامنے رکھ کر سنوارے جاتے تھے؟ تم وہ رنگ کہاں سے لاؤ گے جو "صبغة الله" کی بھٹی میں دیا جاتا تھا؟ تم وہ ادائیں کہاں سے لاؤ گے جو دیکھنے والوں کو نیم بسمل بنا دیتی تھیں؟ تم وہ نماز کہاں سے لاؤ گے جس کے امام نبیوں کے امام تھے؟ تم قدوسیوں کی وہ جماعت کیسے بن سکو گے جس کے سردار رسولوں کے سردار تھے؟ تم میرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کو لاکھ برا کہو مگر اپنے ضمیر کا دامن جھنجھوڑ کر بتاؤ کہ اگر ان تمام سعادتوں کے بعد بھی (نعوذ باللہ) رسول اللہ ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم برے ہیں، قابل تنقید ہیں تو کیا تم ان سے بدتر نہیں ہو؟ اگر وہ تنقید و ملامت اور طعن و تشنیع کے مستحق ہیں تو کیا تم لعنت و غضب کے مستحق نہیں ہو؟ اگر تم میں انصاف و حیا کی کوئی رمق باقی ہے تو اپنے گریبان میں جھانکو اور حضور ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے بارہ میں زبان بند کرو۔

علامہ طیبیؒ نے اسی حدیث ((اذا رأيتم الذين يسبون اصحابي فقولوا لعنة الله على شركم .)) (ترمذی: ۲/۲۲۷) کی شرح میں سیدنا حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کا ایک شعر نقل کیا ہے:

أتهجوه ولست له بكفوه

فشركما لخيركما فداء

"یعنی کیا تو آپ ﷺ کی ہجو کرتا ہے جب کہ تو آپ ﷺ کے برابر کا نہیں؟ پس تم دونوں میں کا بدتر تمہارے بہتر پر قربان ہو۔"

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ تنقید صحابہ رضی اللہ عنہم کا منشا اور مقصد ناقد کا نفسیاتی شر اور خبث و تکبر ہے۔ آپ جب کسی شخص کے طرز عمل پر تنقید کرتے ہیں تو اس کا منشاء یہ ہوتا ہے کہ کسی صفت میں وہ آپ کے نزدیک خود آپ کی اپنی ذات سے فروتر اور گھٹیا ہے۔ اب جب کوئی شخص کسی صحابی کے بارہ میں مثلاً یہ کہے گا کہ اس نے عدل و انصاف کے تقاضوں کو کماحقہ ادا نہیں کیا تھا تو اس کے

معنی یہ ہوں گے کہ اگر اس صحابی کی جگہ یہ صاحب ہوتے تو عدل وانصاف کے تقاضوں کو زیادہ بہتر ادا کرتے۔ گویا ان میں صحابی سے بڑھ کر صفت عدل موجود ہے۔ یہ ہے تکبر کا وہ ''شر'' اور نفس کا وہ ''خبث'' جو تنقید صحابہ پر ابھارتا ہے، اور رسول اللہ ﷺ اسی ''شر'' کی اصلاح اس حدیث میں فرمانا چاہتے ہیں۔

حدیث میں ''فقولوا'' کا خطاب امت سے ہے۔ گویا ناقدین صحابہ رضی اللہ عنہم کو رسول اللہ ﷺ اپنی امت نہیں سمجھتے بلکہ انہیں امت کے مقابل فریق کی حیثیت سے کھڑا کرتے ہیں، اور ناقدین کے لیے شدید وعید ہے۔

یہ بھی اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کو جس طرح ناموس شریعت کا اہتمام تھا اسی طرح ناموس صحابہ رضی اللہ عنہم کی حفاظت کا بھی اہتمام تھا کیوں کہ ان ہی پر سارے دین کا مدار ہے۔ حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ناقدین صحابہ کی جماعت بھی ان ''مارقین'' سے ہے جن سے جہاد باللسان کا حکم امت کو دیا گیا ہے۔ یہ مضمون کئی احادیث میں صراحتاً بھی آیا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔'' (ماهنامه بینات، کراچی، محرم الحرام، ۱۳۹۰ھ)

اسی وجہ سے علامہ ابن خلدونؒ نے لکھا ہے:

''اسی خیریت پر مناسب ہے کہ سلف کے اعمال کو حمل کیا جائے جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین اور تابعین عظام رحمہم اللہ تھے کیوں کہ وہ ''ضیائے امت'' تھے۔ (فهم خيار امة) جب ہم انہی کو ہدف تنقید بنانے لگیں تو پھر کون ہے جس کو عدالت کے ساتھ مختص کیا جائے۔ ((واذا جعلنا هم عرضة القدح فمن الذى يختص بالعدالة)) جب کہ سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا ہے کہ ''بہترین لوگ میرے زمانہ کے ہیں، پھر جو ان سے متصل ہوں۔'' آپ نے اس کے بعد دو مرتبہ یا تین مرتبہ فرمایا: پھر جھوٹ پھیل جائے گا۔ آپ ﷺ نے عدالت کو قرن اوّل اور قرن ثانی کے ساتھ مخصوص فرمایا۔ خبردار! ان میں سے کسی ایک کے بارہ میں اپنے دل میں برا خیال اور زبان پر برا لفظ ہرگز نہ

لانا۔" (مقدمہ ابن خلدون صفحہ ۲۱۸)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی عدالت اور ان کے بارہ میں نازیبا الفاظ نہ کہنا اہل سنت کے عقائد میں سے ہے۔ اسی وجہ سے ہماری عقائد کی کتابوں میں بھی اس کا تذکرہ موجود ہے۔ چنانچہ عقائد کی مشہور کتاب "عقیدۃ الطحاویہ" میں مرقوم ہے:

((ونحب اصحاب النبی ﷺ ولا تفرط فی حب احد منهم ولا نتبراء من احد منهم، و نبغض من يبغضهم بغير الحق تذكرهم، ولا نذكرهم الا بخير، و حبهم دين و ايمان واحسان، و بغضهم كفر و نفاق و طغيان.))

(عقیدۃ الطحاویہ: صفحہ ۱۱۔۱۲)

"اور ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین سے محبت کرتے ہیں ان میں سے کسی کی محبت سے افراط و تفریط سے کام نہیں لیتے اور نہ ان میں سے کسی سے بیزاری ہی کا اظہار کرتے ہیں۔ اور ہم ہر ایسے شخص سے بغض رکھتے ہیں جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین سے بغض رکھتا ہے اور ان کو برائی سے یاد کرتا ہے۔ اور ہم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ذکر بھلائی اور خیر کے سوا نہیں کرتے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین سے محبت دین، ایمان اور احسان ہے اور ان سے بغض کفر، نفاق اور سرکشی کا باعث ہے۔"

علامہ ابن عابدین شامیؒ نے امام مالک رحمہ اللہ کا قول نقل کیا ہے:

((ومن ادب اصحابه ادب و قال ايضاً من شتم واحداً من اصحاب رسول الله ﷺ ابابكر أوعمر أو عثمان أو معاويه أو عمرو بن العاص فان قال كانوا فى ضلال قتل، وان شتم بغير هذا من مشاتمة الناس نكل نكالاً شديداً.))

(رسائل ابن عابدین: ۳۵۸/۱)

"امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین پر سب وشتم کرے تو اس کی

تادیب کی جائے گی، اور جو شخص رسول اللہ ﷺ کے کسی صحابی کے بارہ میں خواہ وہ ابوبکر ہوں یا عمر یا عثمان، یا معاویہ اور یا عمرو بن العاص ہوں (رضی اللہ عنہم)، یہ کہے کہ یہ لوگ گمراہ تھے تو وہ واجب القتل ہے اور اگر انہیں صرف برا بھلا کہے تو اسے سخت سزا دی جائے گی۔"

اور حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا قول نقل کیا ہے:

((مـا لهـم و لمعاوية رضي الله عنه نسـئل الـلـه العافية، و قال يا ابا الـحسـن! اذا رأيت احداً يذكر اصحاب رسول الله ﷺ بسوء فاتهم على الاسلام .))

(الصارم المسلول علیٰ شاتم الرسول ﷺ ص ٥٧٣)

"لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ وہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی برائی کرتے ہیں۔ ہم اس بارہ میں اللہ تعالیٰ سے عافیت کے طلب گار ہیں۔ اور پھر مجھ (میمونی) سے فرمایا: "اے ابوالحسن! جب تم کسی شخص کو دیکھو کہ وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کا ذکر برائی سے کر رہا ہے تو اس کے اسلام کو متہم اور مشکوک سمجھو۔"

اصل بات یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین ہماری تعدیل کے محتاج ہی نہیں ہیں کیوں کہ ان کی تعدیل اور ان کے قلب کی صفائی کو خود اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں بیان فرمایا، اور اللہ تعالیٰ کی تعدیل کے بعد وہ کسی اور کی تعدیل کے ہرگز محتاج نہیں ہیں۔ چنانچہ خطیب بغدادی نے لکھا ہے کہ:

((فـلا يـحـتـاج احد منهم مع تعديل الله تعالىٰ لهم، المطلع علىٰ بواطنهم الى تعديل احد من الخلق .))

(الکفایۃ صفحہ ٤٨، العواصم من القواصم صفحہ ٣٤)

"صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین میں سے کوئی بھی لوگوں کی تعدیل کا محتاج نہیں ہے کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے جو ان کے بواطن پر بھی مطلع ہے، ان کی تعدیل کر دی ہے لہٰذا اب انہیں کسی اور کی تعدیل کی ضرورت نہیں۔"

علامہ ابن اثیر جزری رحمہ اللہ نے بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے بارہ میں انہی خیالات کا اظہار کیا ہے:

''حضرات صحابہ تمام باتوں میں راویوں کے ساتھ شریک ہیں لیکن جرح وتعدیل میں ان کے ساتھ شریک نہیں کیوں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین سارے کے سارے عادل اور ثقہ ہیں۔ ان پر جرح نہیں کی جا سکتی، اس لیے کہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا تزکیہ اور ان کی تعدیل فرمائی ہے۔''

(اسد الغابة، مقدمه ۱/۱٤)

یہ تو عام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے بارہ میں ہے کہ ان کا صحابی ہونا ان کی سب سے بڑی شان ہے۔ اسی وجہ سے علامہ ابن حجر مکیؒ فرماتے ہیں:

((ان فضيلة صحبته ﷺ ورؤيته لا يعدلها شيء))

(الصواعق المحرقة صفحه ۲۱۳)

''محبت اور دیدار نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے برابر اور کوئی شے نہیں۔''

ایک اور مقام پر علامہ ابن حجر مکی لکھتے ہیں:

((فاثبت الله لهم الخيرة على سائر الامم، ولا شيء يعادل شهادة الله لهم بذالك لانه تعالىٰ اعلم بعباده وما انطووا عليه من الخيرات وغيرها، بل لا يعلم ذالك غيره تعالىٰ فاذا شهد تعالىٰ فيهم بانهم خير الامم وجب على كل احد اعتقاد ذالك والايمان به، والا كان مكذباً لله في اخباره.))

''یعنی اللہ تعالیٰ نے تمام امتوں پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے خیر اور افضل ہونے کو ثابت کیا ہے اور اس کے حق میں اللہ تعالیٰ کی شہادت کے برابر اور کوئی شہادت نہیں ہو سکتی، کیوں کہ اپنے بندوں کے حالات کا اللہ تعالیٰ کو زیادہ علم ہے اور ان سے جو امور خیر صادر ہوئے ان کا بھی وہ زیادہ جاننے والا ہے، بلکہ ان تمام باتوں کو اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے۔ جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے خیر الامم

ہونے کی اللہ تعالیٰ نے شہادت دے دی تو ہر شخص پر یہ لازم ہے کہ وہ یہ یقین و اعتقاد رکھے وگرنہ وہ اللہ تعالیٰ کی خبروں کی تکذیب کرنے والا ہے۔''

گزشتہ صفحات میں یہ ساری بحث صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے مقام اور مرتبہ کے بارہ میں ہے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ بھی صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم تھے لہٰذا وہ بھی اللہ کی رضا کے مستحق اور عادل ہیں۔ لیکن تاریخ کی یہ ستم ظریفی ہے کہ ان کے تمام فضائل کو بنو عباس نے اپنی ذاتی رنجش کے باعث گوشہ خمولت میں ڈال دیا اور تاریخ کی تدوین ان لوگوں سے کروائی جو بنو امیہ کے سخت خلاف تھے۔ چنانچہ شاہ معین الدین ندوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

''بنو عباس کی حکومت قائم ہوئی، یہ سب بنو امیہ کے سخت دشمن تھے، اس لیے بنو امیہ کی مخالفت میں جو صدا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد میں اٹھی تھی، وہ بنو عباس کے پورے دور حکومت میں برابر گونجتی رہی بلکہ اس کا غلغلہ اور زیادہ بلند ہوگیا۔ اور بنو عباس کی حکومت وہ تھی جس کا سکہ مشرق سے مغرب تک رواں تھا، اس لیے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے مثالب ایک سرے سے دوسرے سرے تک پھیل گئے۔ اسی زمانہ میں تاریخ نویسی کا آغاز ہوا، اس لیے ایسی بہت سی غلط روایات جو عرصہ سے زبانوں پر چڑھی چلی آرہی تھیں، تاریخوں میں داخل ہوگئیں کیوں کہ ایسے ابتدائی دور میں جب کہ تاریخی نویسی کا آغاز ہوا تھا، روایات کی اتنی تحقیق و تنقید جس سے افسانہ و حقائق میں پورا پورا امتیاز ہو سکے، مشکل تھی۔ گو بہت سی بے سروپا روایتیں جن کا لغو ہونا بالکل عیاں تھا، تنقید سے مسترد ہوگئیں، پھر بھی بہت سے غلط واقعات تاریخ کا جز بن گئے۔'' (سیر الصحابة : ٦/٩٣)

مورخین نے لکھا ہے کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ ہی میں سبائیوں نے ان کے خلاف پروپیگنڈہ شروع کر دیا تھا کیوں کہ وہ ان فتنہ پردازوں کے سخت خلاف تھے جو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتل اور دو بڑی جنگوں (جنگ جمل اور جنگ صفین) کا باعث بنے تھے۔ چنانچہ کسی نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ آپ پر بہت جلد بڑھاپا آگیا ہے، اس کی کیا وجہ ہے؟ فرمایا:

((كيف لا ولا ازال أرى رجلًا من العرب قائمًا على رأسي يلقح لي كلاماً ما يلزمني جوابه، فان اصبت لم احمد، وان اخطات سارت بها البرود.)) (البداية والنهاية: ٨/ ١٤٠)

کیوں نہ ہو، ہر وقت عرب کا کوئی نہ کوئی شخص میرے سر پر کھڑا رہتا ہے جو ایسی باتیں گھڑتا ہے جس کا جواب دینا لازم اور ضروری ہو جاتا ہے۔ اگر میں کوئی صحیح کام کروں تو اس کی تعریف نہیں کی جاتی اور اگر مجھ سے کوئی غلطی اور خطا ہو جائے تو اسے اونٹنیاں (ساری دنیا میں) لے اڑتی ہیں۔''

مصر کے مشہور فاضل اور محقق فضیلۃ الشیخ محب الدین خطیبؒ نے العواصم من القواصم کے حاشیہ میں لکھا ہے کہ:

''تاریخ اسلام کی تدوین بنو امیہ کے زوال کے بعد اور ان حکومتوں کے قیام کے زمانہ میں شروع ہوئی جن کا برسر اقتدار طبقہ نہ تو اپنے ماضی کے مفاخر سے خوش تھا اور نہ اس وقت کے ارباب اقتدار کے محاسن سے خوش تھا۔ چنانچہ تاریخ اسلام کی تدوین تین قسم کے گروہوں نے کی۔ ان میں سے پہلا گروہ وہ تھا جن کی زندگی کا مقصد وحید بنو امیہ سے بغض اور ان کی مخالفت کرنا اور ان کے کاموں میں کیڑے نکالنا اور اس طرح ان کے دشمنوں بنو عباس کو خوش کرنا اور ان کے ہاں تقرب حاصل کرنا تھا۔'' (العواصم من القواصم صفحہ ۱۷۷، تعلیقہ)

بنو امیہ کی حکومت ختم ہونے کے بعد بنو عباس کی حکومت شروع ہوئی۔ اس حکومت کا بانی ابو العباس عبداللہ السفاح تھا۔ سفاح کا مطلب ہی بہت خون ریزی کرنے والا ہے۔ اس نے خود بھی حکومت حاصل کر کے بنو امیہ کا قتل عام کیا اور اس کے گورنر بھی قتل و خون ریزی میں اس سے پیچھے نہ تھے۔ سفاح اور اس کے جانشینوں نے بنو امیہ سے اپنی پوری پوری عداوت اور دشمنی کا ثبوت دیا، اور بنو امیہ کے اکابر کی قبریں اکھاڑ کر ان کی لاشوں کی توہین کی اور بنو امیہ کے خلفاء کی اولادوں اور ان کے حامیوں کو چن چن کر قتل کیا۔ اسی وجہ سے وہ تاریخ میں ''سفاح'' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

مشہور عباسی خلیفہ مامون کی تعلیم وتربیت برامکہ نے کی جو ایرانی شیعہ تھے۔ان کی تعلیم تربیت کی وجہ سے مامون بھی شیعہ ہو گیا تھا۔ چنانچہ اس نے اعلان کر دیا تھا:

((برئت الذمة ممن ذکر معاویة بخیر .))(دول الاسلام: ۱/ ۱۲۹)

''جو شخص سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو اچھے لفظوں سے یاد کرے گا ہم اس سے بری الذمہ ہیں۔''

مشہور شیعہ مورخ مسعودی نے لکھا ہے کہ:

((وفی سنة اثنی عشرة ومأتین نادی منادی المامون برئت الذمة من احد من الناس ذکر معاویة بخیر أوقدمه (علی احد) من اصحاب رسول اللہ ﷺ .)) (مروج الذهب : ٤/ ٤٠)

''سنہ ۲۱۲ھ میں مامون نے منادی کرا دی کہ جو شخص معاویہ (رضی اللہ عنہ) کو اچھے الفاظ سے یاد کرے گا یا اس کو کسی صحابی پر مقدم جانے گا، حکومت اس سے بری الذمہ ہے۔''

یہی وہ دور تھا جس میں تاریخ مدون ہو رہی تھی اور تاریخ کی تدوین کرنے والے عباسی حکومت کی نگاہوں میں تقرب حاصل کرنے کے لیے بنو امیہ کے خلاف روایات گھڑ کر کتابوں میں جمع کر رہے تھے۔ اس دور میں بنو امیہ کے محامد اور محاسن بیان کرنا اپنی جان کو جوکھوں میں ڈالنے کے مترادف تھا۔ لیکن مورخین نے اتنا احسان امت پر کیا کہ روایات کی اسناد ذکر دیں تاکہ روایات کی ثقاہت اور ضعف مسلم ہو سکے۔ مورخ ابن جریر، واقدی، ابو مخنف لوط بن یحییٰ، ہشام بن محمد بن السائب اور محمد بن اسحاق جیسے دروغ گو اور خوشامد پرست لوگ اسی دور کی پیداوار ہیں۔ چنانچہ محدث احمد بن علی سلیمانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ابن جریر طبری کان یضع للروافض (لسان المیزان ٥/ ١٠٠) ''وہ روافض کے لیے احادیث گھڑا کرتا تھا۔'' وہ وضو میں مسح رجلین کا قائل تھا اور خم غدیر جیسے مسئلہ پر دو ضخیم جلدوں میں کتاب مرتب کی، اور اپنی کتاب میں کئی مقامات پر سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے لیے لعنت کا لفظ استعمال کیا۔ حافظ ابن حجرؒ نے ایک بزرگ کا یہ قول بھی نقل فرمایا ہے کہ

((ابو جعفر الطبری وھو امام من الائمة الامامیة .))

(لسان المیزان : ۵/۱۰۰)

یہی وجہ ہے کہ ابن جریر طبری کو صاحب تفسیر اور صاحب تاریخ ہونے کے باوجود ان کی رافضی فکر کے باعث اکثر لوگ ان کے مخالف ہو گئے تھے اور ان کی وفات کے وقت ان کی لاش کو ان کے رفض کی وجہ سے مسلمانوں کے قبرستان میں دفن نہ ہونے دیا۔ چنانچہ ان کو اپنے ہی گھر کی چار دیواری میں دفن کر دیا گیا۔ (البدایة والنهایة: ۱۱/۱٤٦)

ابن جریر طبری نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ صحابہ کرام نے مدینہ طیبہ سے تمام شہروں کو خطوط لکھے جن میں لوگوں کو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف قتال کرنے پر اُکسایا تھا۔ ابن جریر کی یہ روایت نقل کرنے کے بعد حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

((ھذا کذب علی الصحابة .)) (البدایة والنهایة ۷/۱۷۵)

''یہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین پر ایک افتراء اور جھوٹ ہے۔''

اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ ابن جریر طبری فکری طور پر شیعہ نہیں تھا، پھر بھی اس بات میں کسی شخص کو انکار نہیں کہ اس کی کتاب ''تاریخ الامم والملوک'' رطب و یابس سے بھری ہوئی ہے اور تاریخ نہیں بلکہ مواد تاریخ ہے۔ اس صورت میں اس کی روایات کو ان اصولوں پر پرکھا جائے گا جو محدثین اور ابن خلدون جیسے تاریخ کے ماہرین نے وضع کیے ہیں۔ جو روایات روایت اور درایت کے اصولوں پر پوری اتریں گی وہ قبول کر لی جائیں گی اور دوسری روایات کو قبول نہیں کیا جائے گا۔

اس بات کا اقرار سید مودودی کے رسالہ ترجمان القرآن نے بھی کیا ہے چنانچہ طبری کے اردو ترجمہ پر تبصرہ کرتے ہوئے ''ترجمان القرآن'' کے تبصرہ نگار نے لکھا ہے:

''ابو جعفر محمد بن جریر طبری کی معروف کتاب ''تاریخ الامم والملوک'' تاریخ کے پہلے حصے یعنی واقعات جمع کرنے میں امہات الکتب کا درجہ رکھتی ہے۔ انہوں نے روایات کا ایک ذخیرہ جمع کر دیا ہے اور ان پر جرح و تعدیل کا کام دوسرے اصحاب علم پر چھوڑ دیا ہے کہ وہ خود قوی اور ضعیف یا غلط اور صحیح کے درمیان امتیاز

کریں۔ چونکہ تاریخ کی کتاب ہے احادیث کی کتاب نہیں اس لیے واقعات کی چھان بین اور جن حضرات سے واقعات منقول ہیں ان کے علمی اور اخلاقی مقام کو مشخص کرنے میں احتیاط نہیں برتی گئی جو تدوین حدیث کے معاملہ میں پیش نظر رکھی گئی ہے۔ اس لیے اس کتاب میں بہت سی غیر مستند چیزیں بھی جمع ہوگئی ہیں۔"

(ترجمان القرآن صفحہ ۱۲۶۔ ۱۲۷، اپریل ۱۹۶۷ء)

علامہ ابن کثیر نے بھی نہایت محتاط اور لطیف انداز میں طبری اور ابن سعد کی کتابوں پر اظہار خیال کیا ہے اور وہ بھی ان کی روایات غیر مستند ہی مانتے ہیں۔ اللہ بھلا کرے تاریخ کی روایات کو جمع کرنے والوں کا کہ انہوں نے روایات کی اسناد بھی نقل کر دیں، اور ایک شخص جان سکتا ہے کہ کون سا راوی ثقہ ہے اور کون سا کذاب اور ضعیف ہے۔ وگرنہ جیسا کہ امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح کے مقدمہ میں عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کا قول نقل کیا ہے:

((لو لا الاسناد لقال من شاء ما شاء.))

(مقدمہ صحیح مسلم: ۱/۱۲)

"اگر اسناد نہ ہوتیں تو ہر کوئی جو کچھ کہتا کہہ دیتا۔"

چنانچہ کتب تاریخ میں اکثر روایات بے سند ہیں۔ کسی کو "ذکروا" اور کسی کو "قیل" یا "یقال" یا "روی عن اصحابنا" یا اسی طرح کے اور مبہم الفاظ کے ساتھ ذکر کیا گیا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے فضائل قرآن حکیم اور احادیث صحیحہ سے ثابت ہیں لہٰذا ایسی روایات کی حقیقت قرآن حکیم اور احادیث صحیحہ کے مقابلہ میں کچھ نہیں۔ چنانچہ شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"یہ مورخین کی روایتیں تو بے سروپا ہوتی ہیں، نہ راویوں کا پتہ ہوتا ہے اور نہ ان کی توثیق وتخریج کی خبر ہوتی ہے، نہ انفصال و انقطاع سے بحث ہوتی ہے۔ اور اگر بعض متقدمین نے سند کا التزام بھی کیا ہے تو عموماً اس میں ہر غث وثمین، اور ارسال و انقطاع سے کام لیا گیا ہے، خواہ ابن اثیر ہوں یا ابن قتیبہ، ابن ابی الحدید ہوں یا ابن سعد۔" (مکتوبات شیخ الاسلام: ۱/ ۲۶۶)

اسی طرح حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے مورخین کی نقل کردہ روایات کے بارہ میں لکھا ہے:

((المورخون الذين يكثر الكذب فيما يروونه، وقل ان يسلم لهم نقلهم من الزيادة والنقصان.)) (منهاج السنة: ١٩٦/٣)

''مورخین اپنی روایات میں اکثر کذب بیانی سے کام لیتے ہیں، اور یہ بہت کم ہوتا ہے کہ ان کی روایات زیادتی اور نقصان اور افراط وتفریط سے محفوظ ہوں۔''

ایک اور مقام پر حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ اس چیز کو ان الفاظ کا جامہ پہناتے ہیں:

((وانما هو من جنس نقلة التواريخ التى لايعتمد عليها اولوا الابصار.)) (منهاج السنة: ٢٤٢/٣)

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ ایک صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ تاریخ کے راویوں نے ان کے ساتھ بہت زیادتی کی ہے۔ ان کی شخصیت کو مجروح کرنے کی کوشش کی۔ کسی نے ان کو ''الطلقاء'' میں لکھ دیا حالانکہ ''طلقاء'' میں سے ہونا بھی کوئی بری بات نہیں۔ بات تو ایمان کی ہے۔ جو پہلے ایمان لائے یہ درست ہے کہ ان کی یہ فضیلت ہے کہ وہ ﴿وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ﴾ میں سے ہو گئے، لیکن ستارہ پہلے نکلے یا بعد میں، مقصد اس کا روشنی دینا ہے۔ لیکن تاریخ میں ہے کہ یہ فتح مکہ کے روز ایمان نہیں لائے جیسا کہ مشہور ہو گیا ہے۔ یہ سیوطی جیسے حاطب اللیل لوگوں کی روایت ہے۔ محققین کے نزدیک یہ مکہ کی فتح سے قبل بلکہ عمرۃ القضا سنہ ۷ھ میں دولت ایمان سے مشرف ہوئے۔

چنانچہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے لکھا:

((معاوية بن ابى سفيان خليفة صحابى اسلم قبل الفتح و كتب الوحى.)) (تقريب التهذيب صفحه ٣٥٧)

''معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما خلیفہ اور صحابی ہیں۔ فتح مکہ سے قبل مشرف باسلام ہوئے، اور آپ کاتب وحی تھے۔''

علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے لکھا ہے:

((اظهر اسلامه يوم الفتح.)) (تاريخ الاسلام، ذهبى ٣١٨/٢)

”فتح مکہ کے روز انہوں نے اپنے اسلام کو ظاہر کیا (جس کو پہلے چھپائے ہوئے تھے)۔“

علامہ ذہبی رحمہ اللہ کے علاوہ اور بھی کئی مورخین نے لکھا کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ عُمرۃ القضاء کے موقع پر اسلام لائے لیکن چونکہ گھر کا ماحول کافرانہ تھا، لہٰذا اپنے اسلام کو والدین سے چھپائے رکھا اور فتح مکہ کے موقع پر اس کا اظہار کیا جب کہ آپ کے والدین بھی حلقہ اسلام میں داخل ہو چکے تھے۔

ملاحظہ ہو: اسد الغابة: ٣٨٥/٤، تهذيب الاسماء واللغات: ١٠٢/٢، البداية والنهاية ١١٧/٨، تاريخ بغداد ٢١٧/١

خود فرماتے ہیں کہ:

((اسلمت يوم عمرة القضاء ولكنى كتمت اسلامى من ابى الى يوم الفتح .)) (البداية والنهاية: ٢١/٧، ١١٨)

”میں عمرۃ القضاء کے روز اسلام لایا تھا لیکن اپنے والد کے ڈر سے فتح مکہ تک اپنے اسلام کو چھپائے رکھا۔“

ایسا ہی حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے الاصابہ ۴۳۳/۳ پر لکھا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت مکہ میں صرف ۱۷ افراد پڑھنا لکھنا جانتے تھے۔ جن میں ایک سیدنا معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما بھی تھے (فتوح البلدان بلاذری صفحه ٤٧٧)

دینی علوم کے علاوہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ عرب کے مروجہ علوم سے بھی نہ صرف آشنا تھے بلکہ ایک امتیازی درجہ رکھتے تھے۔ انہی اوصاف کی بنا پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنا خاص کاتب بنا لیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کاتب ہونا کوئی معمولی منصب نہیں ہے۔ آپ کو بارگاہ نبوت سے یہ منصب جلیلہ عطا ہونا، نبوت کا آپ پر ایک اعتماد تھا۔

ملاحظہ ہو تقريب التهذيب صفحه ٣٥٧۔ كنز العمال ٢٤٧/٢۔ البداية والنهاية ١١٨/٨۔ النجوم الزاهرة: ١٥٤/١۔ الاستيعاب ٣٢٥/٣.

ابن ابی الحدید نے بھی لکھا ہے:

((كان (معاوية) احد كتاب رسول الله ﷺ .))

(ابن ابى الحديد: ٢٣٨/١)

''معاویہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتبوں میں سے تھے۔''

مجمع الزوائد میں طبرانی کے حوالہ سے روایت ہے:

((ان معاوية كان يكتب بين يدى رسول الله ﷺ .))

(مجمع الزوائد: ١٣١/٦)

''بے شک سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کتابت کے فرائض انجام دیتے تھے۔''

کتابوں میں جہاں بھی کاتبان وحی کا ذکر آیا ہے وہاں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا اسم گرامی بھی موجود ہے۔

تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: تاريخ الاسلام، ذهبى ٣٠٩/٢ ـ جوامع السيرة صفحه ٢٧ ـ البداية والنهاية: ٢٠/٨ ـ سيرة الحلبية ٤٤٧/١ ـ تاريخ دمشق ٥٥/٥٩ ـ الاعتصام، شاطبى ١٣٤/١ ـ منهاج السنة ٢١٤/٢ ـ ابن الطقطقى، الآداب السلطانية صفحه ٨٥

سیدنا عبیداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کے بارہ میں ہمارے علماء کا نظریہ:

قبل اس کے کہ ہم سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے فضائل ومناقب قرآن وحدیث سے بیان کریں، ہم یہ بتا دینا ضروری سمجھتے ہیں کہ ہمارے بعض علماء کے نظریات سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارہ ہی میں غلط نہیں ہیں بلکہ انہوں نے تو بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو مسلمان سے نصرانی بنا دیا۔ چنانچہ ہجرت حبشہ میں جن لوگوں نے ہجرت فرمائی ان میں ایک صحابی رسول سیدنا عبیداللہ بن جحش بھی تھے۔ انہوں نے اپنی اہلیہ سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ ہجرت فرمائی، لیکن ہمارے مورخین ان کے بارہ میں جو کچھ درج کیا ہے وہ نہایت قابل افسوس ہے۔

ابن ہشام نے محمد بن اسحاق، محمد بن جعفر بن زبیر از عروہ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ ''عبیداللہ بن جحش جب نصرانی ہو گئے اور حبشہ میں ان کا گذر کہیں اصحاب رسول کی مجلس کے قریب سے ہوتا تو انہیں کہتے: ''ہماری آنکھیں تو کھل گئیں اور تم بے بصیرت رہے۔''

یہ روایت منقطع ہے کیونکہ اس کے راوی عروہ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی خلافت کے اوائل میں پیدا ہوئے۔ (تقريب التهذيب ص ٢٣٨) انہوں نے یہ بات کس سے سنی یہ اس راوی کا نام نہیں بتاتے کہ وہ ثقہ تھا یا غیر ثقہ تھا۔ ایسی روایت کی بنا پر ''السابقون الاولون''

کے کسی صحابی رسول کو مرتد اور نصرانی قرار نہیں دیا جا سکتا۔لیکن عروہ کی اسی منقطع سند پر امام بیہقی نے ان کو نصرانی اور مرتد قرار دے دیا ہے۔(دلائل النبوۃ ۳/ ٤٦٠)

عبیداللہ بن جحش کے نصرانی ہونے کی روایت کو ابن سعد نے طبقات میں محمد بن عمر واقدی کے حوالہ سے لکھا ہے کہ "وہ ہجرت کر کے حبشہ گئے اور وہاں مرتد ہو گئے اور نصرانی ہو کر مرے۔(الطبقات الکبریٰ ۱/ ۲۰۸، ۸۹/۳)اس روایت کا مرکزی راوی واقدی متروک الحدیث ہے۔اور واقدی کے بارہ میں امام احمد فرماتے ہیں "کان یقلبها یعنی الاحادیث" (العلل ومعرفۃ الرجال ۳/ ٢٦٤)

حافظ ذہبیؒ نے لکھا ہے کہ واقدی کا ضعیف ہونا طے شدہ ہے۔غزوات اور تاریخ میں اس کی ضرورت پڑتی ہے، ہم کسی استدلال کے بغیر اس کے نقل کردہ آثار نقل کرتے ہیں۔ احکام کے سلسلہ میں اس کی روایات کو بیان کرنا مناسب نہیں۔

اسی طرح ابن سید الناس رضی اللہ عنہ نے بھی عبیداللہ بن جحش کا نصرانی ہونا لکھا ہے کہ وہ نصرانیت ہی پر وفات پا گئے۔(عیون الاثر ۱/ ۲۱۰)

حافظ ابن عبدالبرؒ اور حافظ ابن حجرؒ نے ان کے مرتد اور نصرانی ہو جانے کے قصہ کو بغیر کسی سند کے نقل کیا ہے۔(ملاحظہ ہو الاستیعاب اور الاصابہ) اسی طرح علامہ شبلی نعمانی اور حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ نے بھی لکھا ہے کہ "عبیداللہ بن جحش حبشہ جا کر نصرانی ہو گیا اور نصرانیت ہی پر اس کی موت واقع ہو گئی۔ ام حبیبہ بنت ابی سفیان زوجہ عبیداللہ اس کی وفات کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت میں آئیں۔(سیرۃ المصطفیٰ ۱/ ۲٤۳)

لیکن عبیداللہ بن جحش کی وفات کے صحیح واقعہ کو عبداللہ بن مبارک عن معمر عن زہری عن عروہ عن سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کی سند کے ساتھ امام ابوداود، امام نسائی اور امام بیہقی نے اس طرح نقل کیا ہے:

انها كانت عند عبيدالله بن جحش وكان رحل الى النجاشي ، فمات ، وان النبي ﷺ تزوج ام حبيبة وهي بارض الحبشة ، زوجها اليه النجاشي دمهرها اربعه الاف درهم

وبعث بها شرحبيل بن حسنة .

(سنن ابی داود رقم ۲۰۸۶، ۲۱۰۷، ۲۱۰۸، سنن نسائی رقم: ۳۳۵، دلائل النبوۃ ۳/ ۴۶۰)

سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا عبیداللہ بن جحش کی منکوحہ تھیں جو نجاشی کے ملک میں وفات پا گئے اور سیدہ حبشہ ہی میں تھیں کہ ان کا نکاح نجاشی نے رسول اللہ ﷺ سے کر دیا چار ہزار درہم حق مہر مقرر ہوا جو نجاشی ہی نے ادا کر دیا۔ پھر انہیں سیدنا شرحبیل بن حسنہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ مدینہ منورہ بھیج دیا۔

اس حدیث میں ان کے حبشہ میں وفات پا جانے کا ذکر تو ہے لیکن ان کے عیسائی ہونے کا افسانہ درج نہیں ہے۔ نصرانی ہونے کا افسانہ یا تو واقدی نے گھڑ کر نقل کیا یا پھر عروہ کی منقطع روایت میں ہے۔ اور ان ناقابل اعتبار روایت کی بنا پر ہمارے مورخین نے ایک السابقون الاولون کے صحابی کو مرتد اور نصرانی بنا دیا۔

اگر یہ مرتد ہو گئے ہوتے تو جب دحیہ کلبی کے قیصر روم کے پاس خط لے جانے کے موقع پر قیصر نے عربوں کے ایک وفد کو جس کے سربراہ ابوسفیان رسول اللہ ﷺ کے حالات معلوم کرنے کے لیے بلایا تو جہاں اس نے اور سوال کیے وہاں ایک سوال یہ بھی کیا کہ کیا ان میں سے دین اسلام کے برا لگنے کے باعث کوئی مرتد ہوا ہے۔ عبیداللہ بن جحش تو ابوسفیان کے درمیان تھے۔ یہ صاف کہہ سکتے تھے کہ ہاں میرا داماد مرتد ہوا تھا اور اس نے اس دین کو چھوڑ کر نصرانیت اختیار کر لی تھی۔ لیکن چونکہ عبیداللہ بن جحش مرتد نہیں ہوا تھا، اس لیے ابوسفیان نے یہ جواب دیا کہ ''نہیں'' یعنی اس کے دین میں داخل ہونے والوں میں کوئی شخص ابھی تک مرتد نہیں ہوا۔ معلوم ہوتا کہ عبیداللہ بن جحش نصرانی نہیں ہوا تھا بلکہ اس کی اسلام کی حالت میں وفات ہوگئی اور ام حبیبہ رضی اللہ عنہا بیوہ ہوگئی اور سرکار دو عالم ﷺ نے ان سے نکاح کر لیا۔ ان کا نصرانی ہونا محض ایک افسانہ ہے۔

سیدنا ثعلبہ بن حاطب انصاری رضی اللہ عنہ:

کچھ یہی معاملہ ہمارے ان حضرات علمائے کرام رضی اللہ عنہم نے سیدنا ثعلبہ بن حاطب انصاری رضی اللہ عنہ کے ساتھ کیا ہے کہ ایک غلط روایت کے باعث ان کی شخصیت کو ایسا مجروح کیا

ہے کہ اس روایت کو پڑھتے ہوئے نہ صرف گھن آتی ہے بلکہ ایک قاری تڑپ اٹھتا ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

﴿وَ مِنْهُمْ مَّنْ عٰهَدَ اللّٰهَ لَئِنْ اٰتٰنَا مِنْ فَضْلِهٖ لَنَصَّدَّقَنَّ وَ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ o فَلَمَّآ اٰتٰهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ بَخِلُوْا بِهٖ وَ تَوَلَّوْا وَّ هُمْ مُّعْرِضُوْنَ o فَاَعْقَبَهُمْ نِفَاقًا فِيْ قُلُوْبِهِمْ اِلٰى يَوْمِ يَلْقَوْنَهٗ بِمَآ اَخْلَفُوا اللّٰهَ مَا وَعَدُوْهُ وَ بِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ﴾ (التوبة: ۷۵ : ۷۷)

''اور ان (منافقین) میں بعض ایسے ہیں جنہوں نے اللہ سے عہد کیا تھا کہ اگر وہ اپنی مہربانی سے ہم کو (مال) عطا فرمائے گا تو ہم ضرور خیرات کریں گے۔ اور نیک لوگوں میں سے ہو جائیں گے، لیکن جب اللہ نے ان کو اپنے فضل سے (مال و دولت) دیا تو اس میں بخل کرنے لگے اور روگردانی کر کے (اپنے عہد سے) پھر گئے، تو اللہ نے ان کا انجام یہ کیا کہ اس روز تک جس میں وہ اللہ کے سامنے حاضر ہوں گے، ان کے دلوں میں نفاق ڈال دیا، اس لیے کہ انہوں نے اللہ سے جو وعدہ کیا تھا، اس کے خلاف کیا اور اس لیے کہ وہ جھوٹ بولتے تھے۔''

اس آیت کی تفسیر میں ہمارے مفسرین کرام نے سیدنا ثعلبہ بن حاطب انصاری رضی اللہ عنہ کا واقعہ نقل کر دیا ہے کہ انہوں نے ایک روز بارگاہ رسالت میں عرض کیا کہ دعا فرمائیں اللہ تعالیٰ مجھے خوب مال عطا فرمائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''وہ تھوڑا مال جس کا شکر ادا کیا جائے اس کثیر مال سے بہتر ہے جسے انسان برداشت نہ کر سکے۔ انہوں نے دوبارہ بارگاہ رسالت میں دعا کے لیے عرض کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''کیا تو یہ پسند کرتا ہے کہ تو اللہ کے نبی کی مثل ہو جائے؟ اگر میں چاہتا تو پہاڑ سونے میں تبدیل ہو کر مجھے ساتھ چلتے۔ ثعلبہ نے عرض کیا: ''اللہ کی قسم جس نے آپ کو حق دے کر بھیجا ہے۔ اگر آپ اللہ سے دعا فرمائیں، اور وہ مجھے رزق اور مال عطا فرمائے تو میں حق دار کا حق پورے کا پورا ادا کر دوں گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے لیے دعا فرمائی۔ انہوں نے ایک بکری خریدی۔ اس نے لا تعداد بچے جنے حتیٰ کہ مدینہ طیبہ کی زمین ان کی بکریوں کے لیے ناکافی اور تنگ ہوگئی۔ انہوں نے

مدینہ کی سرزمین چھوڑ دی اور مدینہ سے باہر ایک وادی میں جا کر رہائش پذیر ہو گئے۔ صرف ظہر اور عصر کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھنے لگے، باقی نمازیں ترک کر دیں۔ پھر جب آیت خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً. (التوبة: ١٠٣) نازل ہوئی تو سرکار دو عالم ﷺ نے دو آدمیوں کو صدقات کی وصولی کے لیے بھیجے اور انہیں حکم دیا کہ ثعلبہ اور بنی سلیم کے فلاں شخص کے پاس جانا اور ان سے صدقہ حاصل کرنا۔ ثعلبہ کہنے لگے کہ یہ تو جزیہ ہو گیا جو غیر مسلموں سے لیا جاتا ہے۔

اس روایت کو قریباً تمام مفسرین نے ایک دوسرے کی کتاب نقل کر کے اپنی تفاسیر میں لکھ دیا ہے جن میں علامہ شبیر احمد عثمانی، مفتی نعیم الدین مراد آبادی، مفتی محمد شفیعؒ اور مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ بھی شامل ہیں۔ یہ واقعہ اکثر تفاسیر میں بلا سند منقول ہے جب کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارہ میں خصوصی طور پر بلا سند بات ماننا دین کے تقاضوں کے خلاف ہے۔ بعض تفاسیر میں اس واقعہ کی سند نقل کی گئی ہے لیکن اس سند کے اکثر و بیشتر راوی ضعیف، غیر ثقہ، منکر احادیث کے حامل اور مدلس ہیں۔

اس قسم کی روایات جن کی اسنادی حیثیت نہایت کمزور ہو، ان پر یقین کر کے اس کو بیان کرنا غلط اور گناہ ہے کیونکہ جس صحابی (ثعلبہ بن حاطب انصاریؓ) کے بارہ میں یہ افسانہ تراشا گیا ہے وہ بدری صحابی ہیں۔ (معجم کبیر ٢/ ٨٧، الثقات ابن حبان ٣/ ٣٦، جمرة انساب العرب، ابن حزم ٣٣٤، الاصابه ١/ ١٩٨، اسد الغابه ١/ ٣٠٥)

اور یہ بات ذہن میں رہے کہ تمام بدری صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس قدر نیک اور مخلص مومن تھے کہ سرکار دو عالم ﷺ نے ان کے بارہ میں فرمایا کہ حق تعالیٰ نے فرمایا:

اعملوا ما شئتم فقد غفرت لكم (بخاری رقم: ٣٠٠٧، ٣٠٨١، ٣٩٨٣، ٤٢٧٤، ٤٨٩٠، ٦٢٥٩، ٦٩٣٩، مسلم رقم ٢٤٩٤ وغيره)

ہمارے ان مفسرین نے ایک بدری صحابی کو خواہ مخواہ ایک غلط روایت کے باعث منافق بنا ڈالا۔ پھر اس پر مستزاد یہ کہ محققین نے یہ لکھا کہ

”ان لوگوں کا یہ قول صحیح نہیں جو یہ کہتے ہیں کہ ثعلبہ مانع زکوٰۃ تھے۔ اور یہ آیت

ان کے بارہ میں نازل ہوئی۔" (الدرر فی اختصار المغازی، السیر ص ۸۱)

امام قرطبیؒ نے لکھا ہے کہ

"ثعلبہ بدری انصاری ہیں جن کے ایمان کی گواہی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے دی۔ پس جو کچھ ان کے بارہ میں کہا گیا وہ درست نہیں۔"

(قرطبی ۱۹۱/۸)

حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں:

لا اظن يصح . (الاصابه ۱/ ۱۹۸)

یعنی میرا گمان نہیں کہ یہ روایت صحیح ہو۔

امام سیوطیؒ نے بھی اس کی بسند کو کمزور لکھا ہے۔ (لباب النقول ص ۱۳۰)

کتنے تعجب اور دکھ کی بات ہے کہ ایک غیر صحیح اور غلط روایت کی بنیاد پر ہمارے مفسرین نے سیدنا ثعلبہ بن حاطب انصاری رضی اللہ عنہ کو منافق کی فہرست میں داخل کر دیا۔

اسی طرح سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ جیسے صاحب علم صحابی رسول اللہ ﷺ کو ہمارے بعض علماء نے "غیر فقیہ" لکھ دیا حالانکہ حافظ ابن حجرؒ نے ان کو فقہاء صحابہ میں شمار کیا ہے۔ (شرح سنن نسائی، حافظ سیوطی ۷/ ۲۵٤)

ایسا ہی شیخ عبدالعزیز احمد بخاری نے لکھا ہے کہ

"ہم یہ بات بالکل ماننے کے لیے تیار نہیں کہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فقیہ نہ تھے بلکہ وہ فقیہ تھے اور اسباب اجتہاد میں سے کوئی چیز ان میں معدوم نہ تھی۔ وہ صحابہ کرام کے زمانہ میں فتویٰ دیا کرتے تھے اور اس زمانہ میں صرف فقیہ اور مجتہد ہی فتویٰ دیا کرتے تھے۔" (کشف الاسرار بلزاوی ۲/ ۷۰۸)

امام ابن ہمام حنفیؒ نے بھی انہیں فقہاء صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں شمار کیا ہے۔

(فتح القدیر ۲/ ۱٤۱)

سیدنا عبدالرحمٰن القاری رضی اللہ عنہ:

ایسے ہی ایک صحابی سیدنا عبدالرحمٰن القاری رضی اللہ عنہ ہیں۔ یہ صغار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے

تھے۔ رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں پیدا ہوئے اور ان کی مجلس میں لائے گئے۔

(الاستیعاب ۱/ ۴۲۲، اسد الغابہ ۳/ ۲۳۱، تہذیب الکمال ۱۷/ ۲۶۴، سیر اعلام النبلاء ۴/ ۱۴، تہذیب التہذیب ۶/ ۲۰۲، الاصابہ ۳/ ۷۱)

یہ بخاری کے رواۃ میں سے بھی ہیں۔ (حدیث نمبر ۲۰۱۰ بخاری) امام عجلی اور ابن حبان ان کو ثقہ کبار تابعین میں شمار کیا ہے۔ (الثقات ابن حبان ۵/ ۷۹)

اس صحابی کو القاری اس لیے کہتے ہیں کہ ان کا تعلق قارۃ بن دیش سے تھا اور یہ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں بیت المال کے ملازم تھے اور سنہ ۸۰ ہجری میں ۷۸ سال کی عمر میں وفات پائی۔ (تہذیب الکمال ۱۷/ ۲۶۴، الاصابہ ۳/ ۷۱)

انہی عبدالرحمٰن القاری کے بارہ میں مولانا احمد رضا خان بریلوی لکھتے تھے کہ ''ایک بار عبدالرحمٰن القاری کافر تھا۔ اپنے ہمرائیوں کے ساتھ حضور اقدس ﷺ کے اونٹوں پر آ پڑا۔ چرانے والے کو قتل کیا اور اونٹ لے گیا۔ اسے قرأت سے قاری نہ سمجھ لیں بلکہ یہ قبیلہ بنی قارہ سے تھا۔ (ملفوظات اعلیٰ حضرت ۳/ ۱۶۳)

اس عبدالرحمٰن القاری سے پہلے کسی لڑائی میں ان سے وعدہ جنگ ہو لیا تھا۔ یہ وقت اس کے اس وعدہ کے پورا ہونے کا آیا۔ وہ پہلوان تھا اس نے کشتی مانگی۔ انہوں نے قبول فرمائی۔ اس محمدی شیر نے خوک شیطان کو دے مارا۔ خنجر لے کر اس کے سینہ پر سوار ہوئے۔ اس نے کہا: میری بی بی کے لیے کون ہوگا؟ فرمایا: ''نار اور اس کا گلا کاٹ دیا۔''

(ملفوظات اعلیٰ حضرت ۲/ ۱۶۶)

اس عبارت میں اعلیٰ حضرت نے عبدالرحمٰن القاری رحمہ اللہ کو ''خوک شیطان'' یعنی شیطان کا خنزیر کہا۔ حالانکہ یہ عبدالرحمٰن القاری پیدائشی مسلمان تھے۔ ان کے ساتھ کوئی ایسا واقعہ پیش نہیں آیا۔

ایسے ہی اور کئی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر ہمارے مفسرین، مورخین اور علمائے کرام نے سبائی راویوں کی روایات کی بنا پر غلط الزامات لگائے اور امت کے جذبات اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی شخصیات کو مجروح کیا اور ایک دوسرے کی دیکھا دیکھی غلط روایات اپنی کتابوں میں نقل کرتے رہے۔ یہی معاملہ ان حضرات نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ کیا کہ واہی تباہی روایات کی آڑ میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ پر مختلف الزامات لگائے جن کے جوابات آئندہ صفحات میں آ رہے ہیں۔

قرآن میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے فضائل

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے غزوہ حنین میں شرکت فرمائی اور جن لوگوں نے اس غزوہ میں شرکت فرمائی ان کے بارہ میں ارشاد خداوندی ہے:

﴿ثُمَّ اَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَاَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا وَعَذَّبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ وَذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِيْنَ﴾

(سورہ توبہ: ۲۶)

"پھر اللہ نے اپنے رسول پر سکینہ (طمانیت قلب) نازل فرمائی اور ایمان والوں پر بھی اور اس نے ایسے لشکر اتارے جن کو تم نے نہیں دیکھا اور کافروں کو عذاب دیا اور کافروں کی یہی سزا ہے۔"

اس جنگ میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اور اس جنگ میں شریک مومنوں پر "سکینت" نازل فرمائی۔ اور سیدنا معاویہ، ان کے بھائی سیدنا یزید بن ابوسفیان اور ان کے والد سیدنا ابوسفیان بن حرب رضی اللہ عنہم اجمعین کو چھ چھ کلو چاندی اور سو سو اونٹ مرحمت فرمائے۔ یعنی اس خاندان کو تقریباً ۱۸ کلو چاندی اور تین سو اونٹ عطا فرمائے۔ (الشفاء، قاضی عیاض ۱/۸۶)

بعض حضرات نے لکھا ہے کہ "سکینت" سے مراد فرشتوں کا نزول ہے جس سے مسلمانوں کو طمانیت قلب حاصل ہوئی۔ چنانچہ جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ہوازن کی پسپائی سے کچھ ہی پہلے ایک سیاہ چادر آسمان سے اترتی دیکھی۔ وہ چادر ہمارے اور غنیم کے درمیان آ کر گری۔ دفعتاً ان میں سے سیاہ چیونٹیاں نکلیں اور تمام وادی میں پھیل گئیں۔ مجھے ان کے فرشتے ہونے میں ذرا برابر بھی شک نہیں۔ ان کا اترنا تھا کہ دشمن کی شکست ہوگئی۔ ((لم اشك انها الملائكة ولم يكن الا هزيمة القوم))

(عیون الاثر ۲/۲۵۸۔ ابن ھشام ۲/۴۴۴۔ مسلم ۲/۱۰۰)

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ ان لوگوں میں سے بھی ہیں جن کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے "حسنیٰ" کا وعدہ فرمایا تھا۔ چنانچہ قرآن حکیم میں ارشاد خداوندی ہے:

﴿لَا یَسْتَوِیْ مِنْكُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقٰتَلَ اُولٰٓئِكَ اَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِیْنَ اَنْفَقُوْا مِنْ بَعْدُ وَقٰتَلُوْا وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰی ط وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرٌ﴾ (سورہ حدید: ۱۰)

"تم میں سے وہ برابر نہیں جس نے فتح سے پہلے خرچ کیا اور لڑائی کی (اور جس نے بعد میں کیا) یہ مرتبہ میں ان سے بڑھ کر ہیں جنہوں نے بعد میں خرچ کیا اور لڑائی کی، اور ہر ایک کے ساتھ اللہ نے اچھا وعدہ کیا ہے اور اللہ اس سے جو تم کرتے ہو خبردار ہے۔"

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے سابقین اوّلین کی اور فتح مکہ سے قبل اللہ کی راہ میں خرچ کرنے اور لڑنے والوں کی بڑی تعریف کی اور صاف لفظوں میں فرمایا کہ جن لوگوں نے فتح مکہ سے قبل جہاد کیا اور اللہ کی راہ میں خرچ کیا وہ ان کے برابر نہیں جو فتح مکہ کے بعد میں آئے اور جنہوں نے بعد میں اپنا مال خرچ کیا اور قتال کیا۔ سابقین اوّلین ان سے درجہ میں بلند ہیں۔ آگے اللہ تعالیٰ نے فرمادیا: ﴿وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰی﴾ "اللہ تعالیٰ نے "حسنیٰ" کا وعدہ دونوں سے کیا ہے۔" اس لیے دوسرے کے بارہ میں اس کو نظر انداز نہ کرنا۔ پہلوں کی شان اپنی جگہ لیکن "حسنیٰ" کا وعدہ دونوں سے ہے۔ اور جن لوگوں سے "حسنیٰ" کا وعدہ ہے ان کے بارہ میں فرمایا:

﴿اِنَّ الَّذِیْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰۤی اُولٰٓئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ﴾

(سورہ انبیاء: ۱۰۱)

"وہ لوگ جن کے لیے ہمارے طرف سے "حسنیٰ" آچکی ہے، وہ اس (جہنم) سے دور رکھے جائیں گے۔"

یہ اللہ کا فیصلہ ہے کہ وہ جہنم سے دور رکھے جائیں گے۔ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے بھی اللہ کا حسنیٰ کا وعدہ ہے کیوں کہ آپ نے حنین اور غزوہ طائف میں مال بھی خرچ کیا اور ان دونوں جنگوں میں شرکت بھی فرمائی۔ لہٰذا وہ "حسنیٰ" کے مستحق قرار پائے۔

احادیث میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے فضائل

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے فضائل و مناقب میں چند احادیث بھی یہاں درج کی جاتی ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ بارگاہ نبوت میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا کیا مرتبہ تھا۔

(۱) سیدنا عبدالرحمٰن بن ابی عمیرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((اللهم علمه الكتاب والحساب وقه العذاب .))

(البداية والنهاية ١٢١/٨)

"اے اللہ معاویہ (رضی اللہ عنہ) کو کتاب اور حساب کا علم عطا فرما اور اسے عذاب سے محفوظ فرما۔"

اس روایت کو کئی حضرات نے نقل کیا ہے۔

مسند احمد ٤٦٦/١۔ الاصابة ١٦٤/٢۔ مجمع الزوائد ٥٩٤/٩۔ سير اعلام النبلاء ١٨٨/٤۔ تاريخ اسلام، ذهبی ٣٠٩/٢۔ الاستيعاب ٣٨١/٣۔ الفتح الربانی ٣٥٦/٢٢۔ موارد الظمآن لاظحاء للهيتمی ٢٤٩/٧ وقال اسناده حسن.

امام ذہبی رحمہ اللہ نے اس روایت کے بارہ میں لکھا ہے:

((هذا الحديث رواته ثقات، لكن اختلفوا فی صحبة عبدالرحمن والاظهر انه صحابی، روی نحوه من وجوه آخر .)) (تاريخ الاسلام ٣٠٩/٢)

"اس حدیث کے تمام راوی ثقہ ہیں لیکن عبدالرحمٰن کے صحابی ہونے میں اختلاف ہے لیکن واضح بات یہ ہے کہ وہ صحابی ہیں۔"

(۲) سیدنا عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

((اللهم علم معاوية الكتاب والحساب وقه العذاب .))

(مسند احمد ١٥٧/٤)

"اے اللہ! معاویہ (رضی اللہ عنہ) کو کتاب اور حساب کا علم عطا فرما اور اسے عذاب سے محفوظ فرما۔"

اس روایت کو بہت سے حضرات نے نقل کیا ہے: ملاحظہ ہو:

(ابن حبان ٦/٣٧١۔ مجمع الزوائد ٩/٥٥٤۔ سیر اعلام النبلاء ٤/٢٨٨۔ البدایة والنهایة ٨/١٢٠۔ التاریخ الکبیر، بخاری ٨/٢٠٤)

(٣) سیدنا عبدالرحمٰن بن ابی عمیرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں فرمایا:

((اللهم اجعله هادياً، مهديا، واهدبه .)) (ترمذی صفحہ: ٥٧٤)

''اے اللہ! معاویہ (رضی اللہ عنہ) کو (لوگوں کے لیے) ہادی بنا، ہدایت یافتہ فرما، اور اسے دوسرے لوگوں کے لیے ذریعہ ہدایت بنا۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس دعا کا یہ اثر ہوا کہ سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کے ایک خاص عقیدت مند ابو اسحاق السبیعی فرمایا کرتے تھے:

((لو ادركتموه أو ادركتم ايامه لقلتم كان المهى هٰذا .))

البدایة والنهایة: ٨/١٤٥۔ العواصم من القواصم، ص ٢٠٥ تعلیقه

''اگر تم معاویہ (رضی اللہ عنہ) کو پا لیتے یا اس کے زمانہ کو پا لیتے تو کہہ اُٹھتے کہ یہی مہدی ہے۔''

(اس حدیث کو اور بھی کئی حضرات نے نقل کیا ہے۔ ملاحظہ ہو:

(الشریعة للامام المحدث ابی بکر محمد بن الحسین الآجری، ٥/٢٤٣٧، وقال اسناده حسن۔ تاریخ الاسلام، ذهبی ٢/٣١٠۔ سیر اعلام النبلاء ٤/٢٨٨۔ البدایة والنهایة ٨/١٢١۔ التاریخ الکبیر، بخاری ٧/٢٠٤۔ اسد الغابه ٤/٣٨٦۔ طبقات ابن سعد ٧/١٢٦)

(٤) سیدنا عمیر بن سعد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا ذکر سوائے اچھائی کے مت کرو کیوں کہ میں نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے (اللهم اهده) ''اے اللہ! معاویہ (رضی اللہ عنہ) کو ہدایت عطا فرما۔''

(البدایة والنهایة ٨/١٢٢۔ التاریخ الکبیر ٤/٢٩٠۔ ترمذی صفحہ ٥٤٧)

ان چاروں احادیث کو نقل کرنے کے بعد حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ:

(([redacted]ما اوردناه من الاحاديث الصحاح والحسان والمستجادات عما سواها من الموضوعات والمنكرات))

(البدایة والنهایة ٨/١٣٢)

''ہم نے صحیح، حسن اور جید احادیث ہی کے ذکر کرنے پر اکتفا کیا ہے اور موضوع اور منکر روایات سے احتراز کیا ہے۔''

اس سے معلوم ہوا کہ یہ چاروں روایات حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کے نزدیک صحیح، حسن اور جید ہیں۔

(۵) سیدنا عبدالملک بن عمیر سے روایت ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((یا معاویة! ان ملکت فاحسن .)) (مصنف ابن ابی شیبة:١١/ ١٤٧)

''اے معاویہ! اگر تمہیں اقتدار نصیب ہو تو (لوگوں سے) حسن سلوک کرنا۔''

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو اپنی کتاب ''المطالب العالیہ'' ۴/ ۱۰۸ میں بھی نقل فرمایا ہے۔ اور حافظ ابن حجر المکی رحمہ اللہ نے اس کے بارہ میں لکھا ہے کہ یہ روایت درجہ حسن میں ہے اور فضائل معاویہ رضی اللہ عنہ میں قابل استدلال ہے۔ (الصواعق المحرقة ص ٢١٨)

(۶) حجۃ الوداع کے موقع پر سیدنا معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اونٹنی قصواء پر اپنے پیچھے بٹھایا اور جا کر طواف افاضہ کیا۔ اسی کو طواف صدر اور طواف زیارت بھی کہتے ہیں۔ (ضیاء النبی صلی اللہ علیہ وسلم، پیر کرم شاہ الازھری ٤/ ٧٦٨)

(۷) بخاری میں روایت ہے جس کو سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ان کی خالہ سیدہ ام حرام بنت ملحان رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے گھر پر سوئے ہوئے تھے۔ آپ مسکراتے ہوئے اٹھے۔ میں نے پوچھا ''کس چیز نے آپ کو ہنسایا؟'' فرمایا: ''میری امت کے لوگ مجھ پر پیش کیے گئے، وہ بحر اخضر پر اس طرح سوار تھے جس طرح بادشاہ اپنے تختوں پر بیٹھے ہوتے ہیں۔'' سیدہ ام حرام رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: ''یارسول اللہ! دعا فرمائیے کہ میں بھی ان میں شامل ہوں۔'' پس آپ ؐ نے ان کے لیے دعا فرمائی۔ آپ پھر آرام فرمانے کے لیے سو گئے۔ کچھ دیر کے بعد آپ پھر مسکراتے ہوئے اٹھے اور اسی خواب کا اعادہ فرمایا۔ سیدہ ام حرام رضی اللہ عنہا نے پھر اپنی شرکت کے لیے دعا کی درخواست کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تم پہلی جماعت میں سے ہو۔''

(بخاری: ١/ ٣٩١، ٤٠٣، ٤٠٥، ٤٠٩۔ مسلم: ٢/ ١٤٢۔ زرقانی ٤/ ٦٦۔ الاصابة ٨/ ٢٢٢)

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا یہ خواب کہ میری امت کے لوگ سمندر میں جنگ کرتے ہوئے مجھ پر پیش کیے گئے، اس سے پتہ چلتا ہے کہ آپ ﷺ کا مسکرانا تعجب اور خوشی سے تھا اور یہ ان کے ایک بلند مرتبہ پر فائز ہونے کی دلیل ہے۔ (فتح الباری ۱۱/ ۷٦)

بخاری ہی میں سیدہ ام حرام بنت ملحان رضی اللہ عنہا کی ایک اور روایت میں سیدہ ام حرام رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

((اوّل جیش من امتی یغزون البحر قد اوجبوا.))

(بخاری ۱/ ٤۰۹)

''میری امت کا پہلا لشکر جو بحری لڑائی لڑے گا اس کے لیے جنت واجب ہو گئی ہے۔''

''قد اوجبوا'' کا مطلب حافظ ابن حجر اور علامہ عینی رحمہما اللہ نے یہ لکھا ہے کہ ان پر جنت واجب ہوگئی۔ (فتح الباری ٦/ ۷۸، عمدۃ القاری ١٤/ ۱۹۸)

سیدہ ام حرام رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: ''یا رسول اللہ! کیا میں ان میں سے ہوں گی؟'' فرمایا: ''تو ان میں سے ہے۔''

رسول اللہ ﷺ نے پھر فرمایا:

((اوّل جیش من امتی یغزون مدینة قیصر، مغفورلهم.))

''میری امت کا جو لشکر قسطنطنیہ پر پہلے حملہ کرے گا اس کی مغفرت فرما دی گئی ہے۔''

سیدنا ام حرام رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے بارگاہ رسالت میں عرض کیا کہ میں بھی ان میں سے ہوں گی؟'' فرمایا: ''نہیں۔'' (فتح الباری ٦/ ۲۲)

تاریخ کے اوراق سے پتہ چلتا ہے کہ سب سے پہلا بحری لشکر جس نے سنہ ۲۷ھ میں سمندر کے سینے کو چیر کر سمندر پار کے علاقے قبرص پر اسلامی علم بلند کیا [redacted] ١٤/ ١٦٥، ١٩٨)

اس لشکر میں سیدہ ام حرام، سیدنا ابوذر غفاری، سیدنا ابوالدرداء اور سیدنا عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہم جیسے اکابر امت شامل تھے۔ (اسد الغابة ٥/٥٧٥) اس جنگ سے واپسی پر سیدہ ام حرام رضی اللہ عنہا سواری پر سوار ہو رہی تھیں کہ اس کے بدکنے سے نیچے گر پڑیں اور انتقال فرما گئیں۔ (اسد الغابة ٥/٥٧٥۔ بخاری ١/٢٩١، ٢/٩٢٩۔ عمدة القاری ٤/١٩٨۔ ارشاد الساری ٥/١٠٤) چنانچہ سیدہ ام حرام بنت ملحان رضی اللہ عنہا کی قبر قبرص میں ہے اور وہاں کے لوگ کہتے ہیں کہ یہ ایک نیک اور پاک باز عورت کی قبر ہے۔ (صفوة الصفوة ٢/٣٨۔ اسدالغابة ٥/٥٧٥)

امام مہلب اس بارہ میں فرماتے ہیں:

((فی هذا الحدیث منقبة لمعاویة لانه اوّل من غزا البحر .))

(فتح الباری ٦/١٢٠)

''اس حدیث میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی منقبت بیان کی گئی ہے کیوں کہ وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے بحری جنگ لڑی۔''

اس حدیث کی پیش گوئی کا دوسرا حصہ جس میں مدینہ قیصر یعنی قسطنطنیہ پر مسلمانوں نے حملہ کیا وہ ان کے دور خلافت میں پورا ہوا۔ علامہ قسطلانی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ قسطنطنیہ (مدینہ قیصر) پر سب سے پہلا حملہ سنہ ۵۲ھ میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں ہوا جس میں بڑے بڑے اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے شرکت فرمائی۔ اس لشکر کی قیادت یزید بن معاویہ کر رہے تھے۔ (ارشاد الساری ٥/١٠٤۔ ابن اثیر ٣/٢٢٧)

وحشی بن حرب رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے ان کی سواری پر سوار تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: ''معاویہ! تمہارے جسم کا کون سا حصہ میرے جسم کے قریب ہے؟'' عرض کیا: ''میرا پیٹ آپ کے قریب ہے۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((اللهم املائه علماً وحلماً .))

(التاریخ الکبیر، بخاری ٤/١٨٠۔ تاریخ الاسلام، ذهبی ٢/٣١٩)

''اے اللہ! اسے علم اور حلم سے بھر دے۔''

ان روایات کے علاوہ اور بھی بہت سی احادیث سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے فضائل و مناقب کے بارہ میں کتابوں میں موجود ہیں جن کو طوالت کی وجہ سے نقل نہیں کیا جا رہا، لیکن یہ بات اپنی جگہ مسلم ہے کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ ایک جلیل قدر صحابی رسول تھے، آپؐ کی وحی کے کاتب تھے۔ حدیث میں انہیں امین بھی کہا گیا ہے۔ اب ان کے بارہ میں مخالفین صحابہ یا کچھ جاہل سنیوں نے ان پر اعتراضات کیے ہیں ان کے جوابات آئندہ صفحات میں اختصار کے ساتھ دیے جا رہے ہیں۔ اگر غور و فکر سے کام لیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ ان اعتراضات میں سے اکثر و بیشتر غلط ہیں جو صدیوں کے پروپیگنڈے کے نتیجہ میں لوگوں کے ذہنوں میں پیوست کیے گئے ہیں، وگرنہ آپ کا کردار نہایت شفاف اور صاف ستھرا اور پاکیزہ ہے اور انہوں نے اپنے دور خلافت میں وہ وہ خدمات جلیلہ انجام دیں کہ امت آج تک ان کی زیر بار احسان ہے۔ آپ کی فتوحات، عسکری نظام، نظم مملکت، معاشی اور اقتصادی اصلاحات، تدبیر و سیاست، جود و سخاوت، زہد و ورع، عدل و انصاف اور ظرافت و خطابت نے امت مسلمہ کو وہ قوت بخشی کہ ان کے بازو قوی، حوصلے بلند اور ارادے مضبوط و مستحکم ہو گئے۔ اس میں سمندروں ایسا تموج، طوفانوں ایسی شدت، پہاڑوں ایسی مضبوطی، پھولوں ایسی مہک اور رنگینی اور شبنم ایسی نمی پیدا ہوگئی۔ وہ جدھر بڑھی فتح و کامرانی نے اس کے قدم چومے، تخت و تاج اس سے لپٹنے کے لیے دیوانہ وار دوڑے۔ وہ وقت کی معلم بنی۔ اس نے زمین کی طنابوں کو کھینچا اور اونچے حوصلوں اور بلند ارادوں کی کمند لے کر زمین کی وسعتوں کو سمیٹتی ہوئی ایک طرف قسطنطنیہ یعنی یورپ کے دروازوں تک جا پہنچی اور دوسری طرف براعظم افریقہ کو پھلانگتی ہوئی اس ساحل تک جا پہنچی جو بحیرہ روم جیسے سمندر سے وابستہ ہے۔ اس نے دنیا کے صحراؤں کے سینے چیرے، اس کے دریاؤں کا منہ موڑا، وادیوں کو اپنے گھوڑوں کے پاؤں تلے روندا، میدانوں پر چھائی اور وہاں کی کھوکھلی تہذیب کے کھنڈروں کو مسمار کر کے اپنی زریں تہذیب کے جھنڈے گاڑے۔ آپ کے بارہ میں صدیوں کے معاندانہ پروپیگنڈے کی وجہ سے شکوک و شبہات کی جو دبیز تہیں دماغوں پر جما دی گئیں ان کو آسانی سے کھرچا نہیں جا سکتا جب تک کہ ایک ایک اعتراض اور شبہ پر تحقیق کا عمل جراحی نہ کیا جائے، جو مخالفین کے غلط پروپیگنڈے سے بعض

موافقین کے ذہنوں میں بھی گھر کیے ہوئے ہیں۔

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی شخصیت اور کردار کو جو بعض حضرات زیر بحث لاتے ہیں، ان کو جان لینا چاہیے کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ آج کل کے بادشاہوں کی طرح نہیں تھے جن کے کردار کا نہ کوئی اصول ہوتا ہے اور نہ قاعدہ۔ وہ ایک فقیہ صحابی رسول ﷺ تھے۔ ایک ہادی، ہدایت یافتہ اور دوسروں کے لیے ذریعہ ہدایت تھے۔ وہ اس امت کے امین تھے، ایک خلیفہ راشد تھے، کاتب وحی تھے۔ ان کا حلم اور علم تمام امت میں مشہور تھا۔ خلافت صدیقی، خلافت فاروقی اور خلافت عثمانی میں انہیں با اعتماد سمجھ کر حکومت کے اعلیٰ عہدوں پر فائز کیا گیا، یہاں تک کہ شام کے صوبے کا گورنر بنا دیا گیا۔ ایسی شخصیت پر اعتراضات کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی کیوں کہ ایک خلیفہ راشد پر کسی قسم کی تنقید نہیں کی جا سکتی۔ ان پر جو اعتراضات کیے گئے ہیں وہ آج سے چودہ سو سال پہلے عبداللہ بن سبا یہودی اور اس کے ساتھیوں نے کیے تھے جن کا علماء نے اپنی کتابوں میں تسلی بخش جواب دیا ہے لیکن آج انہی اعتراضات کو نئے انداز اور نئی تکنیک سے لوگوں کے سامنے پیش کیا جاتا ہے۔ جن روایات پر اعتماد کر کے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی شخصیت کو مجروح کرنے کی کوشش کی جاتی ہے ان کے راوی خود مجروح ہیں، نا قابل اعتماد اور دروغ گو اور کاذب ہیں۔

ایک حدیث اور اس کا جواب

مسلم میں ایک حدیث ہے جو سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں بچوں کے ساتھ کھیل رہا تھا کہ رسول اللہ ﷺ وہاں تشریف لائے۔ میں نے اپنے آپ کو ایک دروازے کے پیچھے چھپا لیا۔ جہاں میں چھپا تھا آپ ﷺ نے وہاں مجھے آ لیا اور فرمایا: ”معاویہ کو بلا لاؤ۔“ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو بلانے گیا اس وقت وہ کھانا کھا رہے تھے۔ میں نے واپس آ کر آپ ﷺ کو بتایا کہ وہ کھانا کھا رہے ہیں۔ تھوڑی دیر کے بعد آپ نے پھر مجھے بھیجا۔ میں نے پھر آ کر کہا: ”ھو یاکل“ یعنی وہ کھانا کھا رہے ہیں۔ اب کی بار رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”لا اشبع

اللــه بطنــه" اللہ اس کا پیٹ نہ بھرے۔(مسلم ۲/ ۳۲۵۔ اس روایت کو مسند ابی داؤد الطیالسی صفحہ ۳۵۹، حدیث نمبر ۲۷٤٦، مسند احمد رقم ۲٦٥٠، ۲٦٥١، ۳١٠٤، ۳١۳١۔ تہذیب التہذیب ۸/ ١۳٥ پر بھی نقل کیا گیا ہے۔)

یہ حدیث بیان کرنے کے بعد مخالفین سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ "لا اشبع الله بطنه" کے کلمے کو اچھالتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کے بارہ میں یہ الفاظ خفگی اور ناراضی سے بیان فرمائے تھے۔ اور پھر نتیجہ یہ نکالتے ہیں کہ جس پر خدا کا رسول ناراض ہو وہ انسان رحمت الٰہی کا مستحق کیسے ہوسکتا ہے؟ ان حضرات کا یہ کہنا کہ جس شخص پر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ناراض ہوں وہ رحمت الٰہی سے بعید ہے، یہ تو درست ہے، لیکن "لا اشبع الله بطنه" کے جملہ سے یہ کہنا کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ان سے ناراض تھے، سراسر غلط ہے۔ اگر یہ کلمہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی ناراضی کا ہوسکتا ہے تو "رغم انف ابی ذر" اور "قم یا ابا تراب" کے کلمات کے بارہ میں ان حضرات کا کیا فتویٰ ہے؟ لیکن حقیقت یہ ہے کہ جس کلمے کو مخالفین سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں بد دعا یا ناراضی کے الفاظ بتاتے ہیں، وہ کلمہ دراصل آپ کے حق میں ایک دعا ہے۔ چنانچہ امام مسلم رحمہ اللہ نے اس حدیث کو اس باب میں نقل کیا ہے:

[redacted]

"یعنی باب اس بارہ میں کہ جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لعنت کریں، یا اس کو برا بھلا کہیں، یا اس کے لیے بد دعا کریں اور ان باتوں کا وہ مستحق نہ ہو تو وہ بد دعا اور لعنت وغیرہ اس کے لیے گناہوں کی معافی اور اجر و رحمت کا سبب ہوتی ہے۔"

پھر اس باب میں قریباً سب اسی مضمون کی احادیث لائے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے:

"اے اللہ! محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ایک بشر ہے وہ بعض دفعہ اسی طرح غصہ میں آتا ہے جس طرح دوسرے انسان غصہ میں آجاتے ہیں، اور میں نے تجھ سے عہد لیا ہوا ہے اور تو عہد کے خلاف کبھی نہیں کرتا کہ جس مومن کو میں کوئی اذیت دوں یا برا

بھلا کہوں یا کوئی چیز ماروں تو ان چیزوں کو اس کے لیے کفارہ بنا دے اور قیامت کے روز اس چیز کو اس کے لیے اپنے تقرب کا ذریعہ بنا دے۔"

اس مضمون کی اور بہت سی احادیث بیان فرمانے کے بعد آخر میں مثال کے طور پر سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا یہ واقعہ نقل فرمایا ہے جس سے امام مسلم رحمہ اللہ کی مراد یہ ہے کہ یہ کلمہ جو بظاہر آپ کے لیے بددعا معلوم ہوتا ہے وہ درحقیقت آپ کے رفع درجات اور علو مرتبت کے لیے دعائیہ کلمہ ہے۔ چنانچہ امام نووی رحمہ اللہ اس حدیث کی شرح فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

((
[redacted] ان معاویة لم یکن مستحقاً للدعاء علیه فلهٰذا ادخله فی هذا الباب و جعله غیره من مناقب معاویة لانه فی الحقیقة یصیر دعاء له.))

(نووی شرح مسلم ٢/٣٣٥)

"امام مسلم رحمہ اللہ نے اس حدیث سے یہ سمجھا ہے کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اس دعا کے مستحق نہیں تھے، اس لیے انہوں نے اس حدیث کو اس باب میں نقل کیا لیکن ان کے علاوہ دوسرے محدثین نے اس کو مناقب معاویہ رضی اللہ عنہ میں شمار کیا ہے کیوں کہ یہ درحقیقت ان کے لیے دعا ہے۔"

اسی وجہ سے حافظ ابن عساکر رحمہ اللہ نے اس حدیث کے بارہ میں لکھا ہے کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی منقبت اور فضیلت میں جس قدر روایات بیان کی گئی ہیں، یہ حدیث سب سے زیادہ صحیح ہے یعنی لا اشبع اللّٰه بطنه والی حدیث سب سے زیادہ صحیح ہے۔ اس کے بعد "اللهم علم الکتاب" والی حدیث اور اس کے بعد "اللهم اجعله هادیًا مهدیاً"

(تاریخ دمشق ٦٢/٢٤)

اس حدیث کے بارہ میں امام ذہبی رحمہ اللہ نے بھی لکھا ہے:

"میں کہتا ہوں کہ یہ حدیث سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی منقبت کے بارہ میں ہے کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

((اللهم من لعنته او سببته فاجعل ذالك له زکاة و رحمة.))

(سیر اعلام النبلاء ١٤/١٣٠)

دوسرا جواب اس حدیث کا یہ ہے کہ یہ حصہ روایت "لا اشبع اللہ بطنہ" عمران ابن ابی العطاء الاسدی الواسطی القصاب ابوحمزہ کا تصرف اور ادراج ہے۔ اس راوی پر علماء نے نقد و جرح اور کلام کیا ہے اور لکھا ہے کہ یہ ضعیف ہے۔ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس نے جو روایت نقل کی ہے اس پر اس کا کوئی متابع نہیں ملا اور یہ روایت اس کے سوا کسی دوسرے سے معلوم نہیں ہو سکی۔ (میزان الاعتدال ۳/ ۲۳۹)

چنانچہ امام نووی رحمہ اللہ نے بھی لکھا ہے کہ یہ راوی کا تصرف ہے۔ چنانچہ مسلم میں اس کی صرف یہ حدیث ہے اور بخاری میں اس کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ (نووی شرح مسلم ۲/ ۳۲۵)

اصل واقعہ یہ ہے جو مسند احمد کی روایت میں مذکور ہے کہ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((اذهب فادع لی معاوية وكان كاتبه .))

"(ابن عباس!) جاؤ اور معاویہ کو بلا کر لاؤ، اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے کاتب تھے۔"

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں دوڑتا ہوا گیا اور کہا کہ سرکار دو عالم ﷺ آپ کو بلاتے ہیں کیوں کہ حضور ﷺ کو آپ سے کوئی کام ہے۔

(مسند احمد ۱/ ۲۹۱، ۳۳۵)

اس روایت میں نہ تو سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کے بار بار جانے کا ذکر ہے اور نہ اس شے ہی کا ذکر کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "[redacted]" اس سے پتہ چلتا ہے [redacted] اور مسلم کی روایت میں تصرف کرنے [redacted] اور امام مسلم رحمہ اللہ نے اس کی کوئی حدیث نہیں لی اور امام بخاری رحمہ اللہ نے بھی اس کو ذکر نہیں کیا۔

اور سرکار دو عالم ﷺ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو بددعا دے بھی کیسے سکتے تھے؟ جب آپ ان کو ہر موقع پر دعائیں دیتے تھے جیسا کہ روایت میں ہے کہ

(([redacted] .))

(تاریخ الاسلام، ذہبی ۲/ ۳۱۹۔ التاریخ الکبیر، بخاری ۴/ ۱۸)

"اے اللہ! معاویہ کے اس پیٹ کو جو میرے جسم کے ساتھ لگ رہا ہے علم اور حلم (بردباری) سے بھر دے۔"

پھر رسول اللہ ﷺ نے ان کو جنت کے وجوب کی بشارت بھی دی کہ جو لشکر سب سے پہلے بحری جنگ لڑے گا، جنت اس کے لیے واجب ہو گئی ہے۔ (فتح الباری علی صحیح البخاری ٦/٢٢) اور مہلب بن احمد بن ابی صفرہ الاسدی الاندلسی مصنف شرح البخاری نے لکھا ہے کہ اس حدیث میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی منقبت اور فضیلت بیان کی گئی ہے کیوں کہ انہوں نے سب سے پہلے بحری لڑائی لڑی تھی۔ (فتح الباری ٦/ ١٢٠) علاوہ ازیں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کاتب وحی تھے۔ (البداية والنهاية ١١/٣٩٦) اور رسول اللہ ﷺ کے مکتوبات بھی مختلف قبائل کے زعماء کو لکھتے تھے۔ (الاصابة ٣/٤٣٤) اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا آپ ﷺ کی وحی کتابت کرنا فتح مکہ سے رسول اللہ ﷺ کے انتقال تک رسول اللہ ﷺ سے آپ کے قرب کو ظاہر کرتا ہے۔ (الدولة الاموية المفترى عليها صفحه ١٤٥)

چنانچہ حافظ ابن حزم اندلسی رحمہ اللہ نے لکھا ہے:

((كـان [redacted] من الزم الناس لذاك ثم تلا [redacted] ملازمين لكتابته بين يديه ﷺ في الوحي وغير ذالك ، لا عمل لهما غير ذالك .)) (جوامع السيرة صفحه ٢٧)

"سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کتابت وحی پر سب سے زیادہ ذمہ داری کے ساتھ لگے رہے۔ فتح مکہ کے بعد پھر سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے بھی اس کام کو التزام کے ساتھ جاری رکھا۔ یہ دونوں حضرات رسول اللہ ﷺ کے سامنے ہر وقت موجود رہتے کہ کتابت وحی ہو یا رسول اللہ ﷺ کی کوئی بات، یہ دونوں حضرات لکھ لیا کریں اس کے علاوہ ان کا کوئی کام نہ تھا۔"

یہی بات علامہ علی بن برہان الدین حلبی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی لکھی ہے کہ سیدنا معاویہ اور سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہما رسول اللہ ﷺ کے سامنے بیٹھ کر وحی اور غیر وحی (یعنی بارگاہ نبوت سے جاری ہونے والے خطوط اور فرامین) لکھا کرتے تھے۔ اس کے سوا ان کا اور کوئی دوسرا کام نہ

تھا۔(السيرة الحلبية ٤٤٧/٢) اگرچہ رسول اللہ ﷺ کے قریش میں سترہ حضرات کتابت وحی کرتے تھے (فتوح البلدان صفحه ٤٧٧) لیکن یہ دونوں حضرات ہر وقت آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر رہتے۔

حافظ ابن حجر ہیتمی رحمہ اللہ نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارہ میں لکھا ہے کہ

((فهو امين رسول الله ﷺ على وحى ربه وناهيك بهذا المرتبة الرفيعة .)) (تطهير الجنان صفحه ١٠)

''پس وہ (سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ) رسول اللہ ﷺ اور ان کے رب کی وحی کے امین تھے اور یہ مرتبہ رفیعہ ان کے لیے کافی ہے۔''

مطلب یہ ہے کہ وحی لانے والا جبرئیل علیہ السلام بھی امین، جن پر وحی نازل ہوئی یعنی رسول اللہ ﷺ وہ بھی الصادق الامین اور کاتب وحی سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ بھی امین۔ پھر روایات میں یہاں تک آتا ہے کہ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو یہ منصب حکم خداوندی سے عطا فرمایا گیا تھا۔ چنانچہ ایک مرتبہ جبرئیل امین آپ کے پاس تشریف لائے اور کہا:

((يا محمد! اقرئ معاوية السلام واستوص به خيرًا فانه امين الله على كتابه و وحيه و نعم الامين .)) (البدايه والنهاية: ١٢٠/٨)

''اے محمد! معاویہ کو سلام کہیے اور ان کو نیکی کی تلقین فرمائیے کیوں کہ وہ اللہ کی کتاب اور اس کی وحی کے امین ہیں اور بہترین امین۔''

یہ درجہ رفیعہ ان کے لیے ایک بہت بڑا منصب ہے۔ کاتبین وحی کی کل تعداد چالیس کتابوں میں آئی ہے لیکن خدمت نبوی میں ہر وقت حاضر رہنے والے سیّدنا زید بن ثابت اور سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہما تھے۔ جس شخصیت کو رسول اللہ ﷺ سے اتنا قرب حاصل ہو آپ اس کو کیسے بد دعا دے سکتے ہیں؟



گورنروں کی بالادستی

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے معترضین آپ پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ انہوں نے اپنے گورنروں کو قانون سے بالاتر قرار دیا اور ان کی زیادتیوں پر شرعی احکام کے مطابق کارروائی کرنے سے صاف انکار کر دیا۔

اس سلسلہ میں وہ کچھ روایات تاریخ کی کتابوں سے پیش کرتے ہیں۔ ان میں ایک واقعہ یہ بیان کیا جاتا ہے کہ عبداللہ بن عمرو بن غیلان کو ایک شخص نے خطبہ کے دوران میں کنکر مار دیا۔ اس پر عبداللہ نے اس شخص کو گرفتار کرایا اور جس ہاتھ سے اس نے کنکر مارا تھا، وہ کٹوا دیا، حالانکہ یہ کوئی ایسا جرم نہ تھا جس پر کسی کا ہاتھ کاٹ دیا جائے۔ لیکن جب اس سلسلہ میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس استغاثہ کیا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ میں ہاتھ کی دیت تو بیت المال سے ادا کر دوں گا مگر میرے گورنروں سے قصاص لینے کی کوئی سبیل نہیں۔

(البداية والنهاية ۸/۷۱)

اوّلاً: تو یہ روایت ہی قابل قبول نہیں۔ اسی وجہ سے ابن کثیر اور ابن اثیر نے اس کو بغیر کسی سند کے نقل کیا ہے۔

ثانیاً: اگر اس کو درست اور صحیح بھی تسلیم کر لیا جائے پھر بھی سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اس اعتراض سے بری الذمہ ہیں جو دشمنان صحابہ ان پر لگاتے ہیں۔ اس وجہ سے کہ اس روایت میں صاف آتا ہے کہ استغاثہ کرنے والوں نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے استغاثہ میں کہا کہ

((ان نائبك قطع يد صاحبنا فی شبهة فأقدنا منه .))

(البداية والنهاية ۸/۷۱، ابن اثیر ۳/۵۰۱)

"آپ کے نائب نے ہمارے ایک ساتھی کا ہاتھ شبہ کی بنا پر کاٹ دیا ہے، ہمیں اس سے قصاص دلوائیے۔"

طبری نے اگرچہ یہ الفاظ نقل کیے ہیں:

''ہمارے ساتھی کا ہاتھ ظلم سے کاٹا گیا ہے اور یہ اس کا خط آپ کی طرف ہے۔''

(طبری ٤/٢٢٣)

لیکن طبری کی اسی روایت میں ہے کہ خط میں یہی لکھا تھا کہ ہاتھ شبہ سے کاٹا گیا ہے۔ اب جو ہاتھ شبہ کی بنا پر کاٹا جائے وہ اگرچہ زیادتی ہے لیکن پھر شبہ کی بنا پر گورنر کا ہاتھ کاٹنا اسی ظلم اور زیادتی کا اعادہ کرنا ہے جو اس سے قبل گورنر سے ہو چکی تھی۔ اس استغاثہ کی بنا پر آپ نے گورنر کو قانون سے بالاتر نہیں سمجھا بلکہ گورنر کو قصوروار گردانتے ہوئے سزا دی کہ اس کو گورنری کے منصب جلیلہ سے معزول کر دیا اور استغاثہ کرنے والوں کو بیت المال سے ضمان دلوا دی۔ چنانچہ اسی روایت کے آخر میں لکھا ہے کہ

((فاعطاهم الدية و عزل ابن غيلان .))

''انہوں نے ان کو دیت دے دی اور ابن غیلان کو (سزا کے طور پر) معزول کر دیا۔''

فقہائے اسلام نے بھی اس بات کی تصریح کی ہے کہ اگر کوئی حاکم غلطی سے کسی شخص پر شبہ میں حد یا سزا جاری کر دے تو حاکم سے قصاص نہیں لیا جائے گا۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ اگر حاکموں پر اس طرح حد جاری کی جانے لگے تو کوئی شخص اس منصب کو قبول نہیں کرے گا کیوں کہ انسان غلطی کا پتلا ہے۔ اس سے ہر وقت غلطی کا امکان ہے۔ اس بات کو سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان الفاظ میں تعبیر فرمایا ہے کہ ''میرے گورنروں سے قصاص لینے کی کوئی سبیل نہیں۔''

روایت تو یہ بتا رہی ہے کہ آپ نے اپنے گورنر کو سزا دی یعنی اس کو اس کے عہدے سے معزول کر دیا، اور معترضین یہی کہے چلے جا رہے ہیں کہ نہیں انہوں نے تو اپنے گورنروں کو قانون سے بالا رکھا ہوا تھا۔

ثالثاً: گورنر ابن غیلان نے انہیں جو سزا دی تھی وہ ہمارے خیال میں نہایت نرم سزا تھی کیوں کہ گورنر ابن غیلان جب منبر پر خطبہ دے رہے تھے تو ان پر پتھراؤ کرنا اور اس طرح

توہین کرنا کوئی معمولی جرم نہیں تھا بلکہ ایک قسم کی بغاوت اور فتنہ انگیزی تھی جس کی سزا قرآن حکیم کی رو سے قتل یا سولی یا مخالف طرفوں سے ہاتھ کاٹنا یا شہر بدر کرنا ہے۔ چنانچہ قرآن حکیم میں ہے:

﴿إِنَّمَا جَزَٰٓؤُا۟ ٱلَّذِينَ يُحَارِبُونَ ٱللَّهَ وَرَسُولَهُۥ وَيَسْعَوْنَ فِى ٱلْأَرْضِ فَسَادًا أَن يُقَتَّلُوٓا۟ أَوْ يُصَلَّبُوٓا۟ أَوْ تُقَطَّعَ أَيْدِيهِمْ وَأَرْجُلُهُم مِّنْ خِلَٰفٍ أَوْ يُنفَوْا۟ مِنَ ٱلْأَرْضِ﴾ (سورۃ المائدہ: ۳۳)

''جو لوگ اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کرتے ہیں اور زمین میں (اپنی شرارتوں سے) فساد برپا کرتے ہیں، ان کی سزا یہی تو ہے کہ انہیں قتل کیا جائے یا سولی دی جائے یا ان کے ہاتھ پاؤں مخالف طرفوں سے کاٹ دیتے ہیں یا انہیں جلا وطن کر دیا جائے۔''

شاید کوئی معترض یہ نہ کہہ دے کہ اس آیت میں رہزنی اور ڈکیتی کی سزا مذکور ہے، لیکن محققین کے نزدیک اس سزا کو ڈکیتی اور رہزنی میں حصر کر دینا صحیح نہیں ہے چنانچہ شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''اکثر مفسرین نے اس جگہ ڈکیتی مراد لی ہے مگر الفاظ کو عموم پر رکھا جائے تو مضمون زیادہ وسیع ہو جاتا ہے۔ آیت کی جو شان نزول احادیث صحیحہ میں بیان ہوئی وہ بھی اسی کی مقتضی ہے کہ الفاظ کو اس کے عموم پر رکھا جائے۔ ''اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کرنا، یا زمین میں فساد اور بدامنی پھیلانا'' یہ دو لفظ ایسے ہیں جن میں کفار کے حملے، ارتداد کا فتنہ، رہزنی، ڈکیتی، ناحق قتل و نہب، مجرمانہ سازشیں اور مغویانہ پروپیگنڈا سب داخل ہو سکتے ہیں اور ان میں سے ہر جرم ایسا ہے جس کا ارتکاب کرنے والا ان سزاؤں میں سے جو آگے مذکور ہیں، کسی نہ کسی سزا کا ضرور مستحق ٹھہرتا ہے۔'' (فوائد عثمانی صفحہ ۱۹۸۔ تفسیر انگریزی عبداللہ یوسف علی صفحہ ۲۵۲)

اس آیت کی روشنی میں ذرا غور فرمایئے کہ جس شخص نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے گورنر کو بر

سرِعام کنکر مارے اس نے نہ صرف اس گورنر کی بلکہ پوری حکومت کی توہین اور بے حرمتی کی جو بغاوت یا مجرمانہ سازش اور مغویانہ پروپیگنڈا کے تحت آتا ہے، اور یہ کام اکیلا آدمی کر بھی نہیں سکتا جب تک اس کے پیچھے کوئی سازشی ہاتھ نہ ہو، لہٰذا ایک اسلامی حکومت کے خلاف سازش کرنا اور اس کے گورنر کو پتھر مارنے والے ہاتھ کو اگر کاٹ دیا جائے تو یہ زیادتی نہیں بلکہ تحمل اور بردباری کا مظاہرہ ہے، کیوں کہ یہ جرم تو قتل کا مقتضی ہے اور ہاتھ کا کاٹنا تو اس کی کم از کم سزا ہے جیسا کہ قرآن حکیم کی آیت سے معلوم ہوتا ہے۔

گورنر کی معزولی صرف اس وجہ سے ہوئی کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو جو رپورٹ پہنچی تھی اس میں یہ درج تھا کہ اس کا ہاتھ شبہ میں کاٹا گیا ہے۔ اور اگر سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو ان تمام حالات کا علم ہو جاتا جس کے تحت اس شخص نے گورنر پر پتھراؤ کیا تھا اور اس کا ہاتھ کاٹا گیا تھا تو آپ کبھی اس گورنر کو معزول نہ فرماتے۔

کئی معترض یہ کہتے ہیں کہ ابن غیلان نے جو خط میں یہ لکھا تھا کہ شبہ کی بنا پر اس شخص کا ہاتھ کاٹا گیا ہے، یہ جھوٹ تھا اور گورنر کو جھوٹ لکھتے ہوئے خدا کا خوف نہ آیا۔

یہ اعتراض بھی جہالت پر مبنی ہے۔ روایات میں یہ آتا ہے کہ گورنر ابن غیلان جب خطبہ دے رہے تھے تو اس شخص نے جو بنی ضبہ سے تھا، گورنر پر پتھراؤ کیا اور گورنر نے اس کا ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا۔ اس پر اس شخص کی قوم گورنر ابن غیلان کے پاس آئی اور یہ عذر پیش کیا کہ جب امیر المومنین کو اس واقعہ کی اطلاع ملے گی کہ ہمارے قبیلہ کے فلاں شخص نے اس طرح پتھراؤ کیا ہے تو شاید ہمارا بھی وہ حال نہ ہو جو حجر بن عدی کا ہوا تھا اور ہو سکتا ہے کہ انہوں نے اپنے اس آدمی کو سمجھایا ہو کہ تم حکومت کے خلاف بغاوت اور فتنہ پردازی سے باز آجاؤ اور اس نے یہ کہا ہو کہ میرا کسی سازش سے کوئی تعلق نہیں۔ یہ فعل ایسے ہی سہواً مجھ سے ہو گیا اور اس سلسلہ میں کچھ معذرت بھی کی ہو۔ اس وجہ سے گورنر نے امیر المومنین کے نام انہیں یہ خط دے دیا ہو کہ بغاوت کی وجہ سے میں نے اس کا ہاتھ کاٹا تھا لیکن معلوم ہوا کہ یہ باغی اور فتنہ پرداز نہیں ہے، لہٰذا اس کا ہاتھ کاٹنا شبہ کی وجہ سے ہے۔ اب اگر سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اس گورنر کو کوئی سزا نہ بھی دیتے تو آپ حق بجانب تھے، لیکن آپ نے پھر بھی اس گورنر کو معزول کر دیا

حالانکہ اس کے مقابلہ میں جب سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے مالک بن نویرہ کے اظہار اسلام کو قبول نہ فرماتے ہوئے اسے قتل کر دیا اور سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے اس بات پر اصرار بھی کیا کہ خالد (رضی اللہ عنہ) سے قصاص لیا جائے مگر سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے سیّدنا خالد رضی اللہ عنہ سے بالکل قصاص نہ لیا اور مقتول کی دیت ادا کر دی۔ اس سے صاف یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اگر عمال حکومت یا کسی دوسرے کارکن سے کوئی ایسی خطا ہو جائے جو اس نے نیک نیتی کے ساتھ اپنے اجتہاد کی وجہ سے کی ہو تو اس غلطی پر اس سے کوئی مواخذہ نہیں ہوگا۔ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا یہ عمل اس پر ایک بین دلیل ہے۔

قطع ید کے بارہ میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ پر ایک اور اعتراض کیا جاتا ہے کہ آپ کے گورنر زیاد بن ابی سفیان نے اہل اسلام پر بے دریغ ظلم کیے۔ چنانچہ طبری کے حوالہ سے یہ واقعہ نقل کیا جاتا ہے کہ مسجد کوفہ میں زیاد نے ایک مرتبہ منبر پر خطبہ دیا اور ان کے خطبہ کے دوران میں کچھ لوگوں نے ان پر پتھر پھینکے تھے۔ زیاد نے جوابی کارروائی کے طور پر مسجد کے دروازے بند کروا دیے اور جن لوگوں نے پتھر پھینکے تھے ان کو گرفتار کروایا اور پھر سزا کے طور پر ان کے موقع پر ہی ہاتھ کٹوا دیے۔ اتنے بڑے ظالمانہ فعل پر سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے گورنر سے کوئی مواخذہ نہیں کیا۔

طبری نے اس واقعہ کی جو سند بیان کی ہے وہ منقطع اور قابل اشکال ہے۔ سند سے بھی اگر قطع نظر کر لی جائے تو اس واقعہ کو قدماء مورخین خصوصی طور پر شیعہ مورخین نے اپنی کتابوں میں ذکر نہیں کیا۔ طبری کا یہ واقعہ متفردانہ ہے۔ یہ واقعہ بقول طبری سنہ ۵۰ھ میں پیش آیا۔ اس وقت کئی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم زندہ تھے، لیکن ان میں سے کسی نے اس واقعہ کے خلاف آواز نہیں اٹھائی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ غلط ہے۔

اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ یہ واقعہ وقوع پذیر ہوا ہے تو سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو اس کی کوئی اطلاع نہیں ہوئی ورنہ وہ ضرور کچھ تادیبی کاروائی کرتے جیسا انہوں نے ابن غیلان کے واقعہ میں ان کو معزول کر دیا تھا۔ زیاد نہایت مدبر اور جبلی فراست کے حامل شخص تھے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے بھی ان کی بہت تعریف کی ہے اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے ان کی اسی قابلیت کے پیش

نظران کو فارس کا گورنر بنایا تھا۔ لہٰذا ایسے مدبر اور حسن سیاست کے ماہر شخص سے اتنا گھناؤنا جرم نہیں ہوسکتا۔

آخر میں یہ بات ذہن میں رہے کہ زیاد صحابی نہیں تھا اور نہ اس سے کوئی مرفوع روایت ہی مروی ہے۔ لیکن وہ فطری طور پر نہایت با صلاحیت، فصیح اللسان، بہترین ادیب اور تدبیر سیاست میں بہترین رائے رکھنے والا شخص تھا۔ نہایت منتظم اور انتظام حکومت کے نشیب افراز سے بخوبی واقف تھا۔ بعض حضرات نے اس کو ''دہاۃ العرب'' میں شمار کیا ہے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں ایک موقع پر سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کی انتظامی صلاحیت اور تدبیر سیاست کے پیش نظر سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو یہ رائے دی کہ زیاد نہایت پختہ اور مضبوط رائے کا مالک ہے اور سیاسی امور میں بھی ماہر ہے۔ لہٰذا اس کو فلاں فلاں علاقے کا عامل مقرر فرما دیجیے۔ مطلب یہ تھا کہ فارس اور کرمان کے علاقوں میں بعض شورشیں اٹھ کھڑی ہوئی ہیں اور وہ لوگ خراج کی ادائیگی اور سلطنت اور خلیفہ کے دیگر حقوق میں کوتاہی کے مرتکب ہو رہے ہیں۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کی یہ تجویز پسند آئی اور آپ کو ان علاقوں کے انتظام کے لیے کسی مدبر گورنر کی ضرورت تھی اس وجہ سے آپ نے سیدنا ابن عباس اور سیدنا جاریہ بن قدامہ رضی اللہ عنہما کے مشورہ سے فارس اور کرمان کے علاقہ میں زیاد بن ابی سفیان کو والی اور گورنر بنا کر بھیجا۔ زیاد سواروں کا ایک دستہ لے کر روانہ ہوا اور فارس اور کرمان کے علاقوں میں پہنچ کر بہت جلد ان شورشوں کو ختم کر کے حالات خلیفہ کے حق میں نہایت سازگار بنا دیے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ زیاد کی اس کارکردگی سے نہایت خوش ہوئے اور آپ نے اس کو نہایت اہم مناصب پر فائز رکھا۔ چنانچہ عہد علوی میں انہوں نے بہت کارنامے انجام دیے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے بھی لکھا ہے:

((وکان یضرب به المثل فی حسن السیاسة ووفور العقل و حسن الضبط لما یتولاہ .)) (الاصابة ۱/ ۵۶۳)

''یعنی زیاد حسن سیاست، وفور اور کمال عقل اور عمدہ نظم و ضبط کی صلاحیتوں میں ضرب المثل مانا جاتا تھا۔''

علماء نے لکھا ہے کہ وہ سیدنا ابو موسیٰ اشعری، سیدنا مغیرہ بن شعبہ، سیدنا عبداللہ بن عامر اور سیدنا عبداللہ بن عباس اور دیگر کئی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ہاں انشاء اور کاتب کے منصب پر فائز رہا۔ اس وجہ سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کئی مواقع پر اس کو اپنا نائب بھی بنایا تھا۔

ابن حجر رحمہ اللہ نے اس کی توثیق کے بارہ میں لکھا ہے:

((قال العجلی: تابعی ولم یکن متهم بالكذب .))

(الاصابة ١/٥٦٣)

''عجلی کہتے ہیں کہ یہ صحابی نہیں تابعی ہے متہم بالکذب نہیں ہے یعنی دروغ گوئی نہیں کرتا۔''

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے بھی زیاد کی صلاحیتوں سے فائدہ اٹھایا۔



بسر بن ارطاۃ کے مظالم

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ پر ایک اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ بسر بن ارطاۃ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے گورنر عبیداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے دو بچوں کو قتل کر دیا اور ہمدان میں بعض مسلمان عورتوں کو لونڈیاں بنالیا۔

اگر یہ واقعہ درست تسلیم کر لیا جائے تو یہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت کا واقعہ نہیں بلکہ مشاجرات کے زمانے کا واقعہ ہے جب کہ سیدنا علی اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہما کے لشکر باہم بر سر پیکار تھے۔ اس زمانہ کے واقعات میں مورخین نے بڑی رنگ آمیزیاں کی ہیں۔ چنانچہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے گورنروں اور سپہ سالاروں کے بارہ میں بھی اس قسم کے ظلم کی داستانیں نقل کی ہیں۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے سپہ سالار سیدنا جاریہ بن قدامہ رضی اللہ عنہ کے بارہ میں طبری ہی نے نقل کیا ہے کہ انہوں نے نجران پہنچ کر پوری بستی کو آگ لگا دی اور سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ان کو دیکھ کر مسجد سے نماز پڑھاتے ہوئے بھاگ گئے۔ اور سیدنا جاریہ رضی اللہ عنہ نے کہا: ''بخدا! اگر بلی والا (ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ) میرے ہاتھ آ گیا تو میں اس کی گردن مار دوں گا۔'' (طبری ٤/١٠٧)
جاریہ بن قدامہ یمن پہنچے تو وہاں جس شخص کو بھی سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے خلاف پایا اس کو موت کے گھاٹ اتار دیا اور آگ میں جلا دیا۔ اس وجہ سے لوگ جاریہ کو محرق (جلا ڈالنے والا) کہنے لگے۔ جاریہ جب مدینہ پہنچے تو ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ تو انہیں دیکھ کر بھاگ گئے۔ جاریہ نے اہل مدینہ سے کہا کہ حسن بن علی (رضی اللہ عنہما) کے لیے بیعت کرو۔ چنانچہ لوگوں نے ان کے کہنے پر بیعت کی۔ پھر وہ کوفہ چلے گئے۔ ان کے چلے جانے کے بعد سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ واپس تشریف لائے اور معمول کے مطابق نمازیں پڑھانے لگے۔ (البداية والنهاية ٣٢٢/٧)

جاریہ بن قدامہ کے بارہ میں یعقوبی اور مسعودی وغیرہ نے بھی لکھا ہے کہ انہوں نے ایک بڑی جماعت کو قتل کیا اور قید کیا حتیٰ کہ وہ مکہ پہنچا۔

(تاریخ یعقوبی ١٩٩/٢۔ مروج الذهب ٣١/٣)

مورخین نے لکھا ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے جاریہ بن قدرمہ سے نہ تو کوئی باز پرس کی اور نہ انہیں کوئی سزا ہی دی یہاں تک کہ انہیں معزول بھی نہیں کیا۔

سیدنا عبیداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے صاحبزادوں کے قتل کے واقعہ کو صرف طبری نے نقل کیا ہے اور جس سند کے ساتھ اس کو نقل کیا ہے وہ منقطع ہے۔ طبری سے اس واقعہ کو حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے بھی نقل کیا ہے۔ لیکن اس واقعہ کو ذکر کرنے کے بعد لکھ دیا ہے کہ

((هذا الخبر مشهور عند اصحاب المغازی والسیر و فی صحته عندی نظر واللہ واعلم .))

"یہ (صاحبزادوں کے قتل کی) خبر اگرچہ علمائے مغازی اور سیر کے ہاں مشہور ہے لیکن میرے نزدیک اس کا صحیح ہونا مشتبہ ہے۔"

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے حافظ ابن حبان سے نقل کیا ہے کہ:

((وله اخبار شهيرة فی الفتن لا ینبغی التشاغل بها .))

(الاصابة ۱/۱۵۲)

"فتنہ کے زمانہ میں ان کے بہت سے قصے مشہور ہیں جن میں مشغول نہیں ہونا چاہیے۔"

اگر بسر بن ارطاۃ کے سیدنا عبیداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے صاحبزادوں کو قتل کرنے کا واقعہ درست ہوتا تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ سنہ ۴۰ھ میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے مصالحت کرتے ہوئے سیدنا عبیداللہ رضی اللہ عنہ کے بچوں کے ناحق قتل کے قصاص یا دیت کا مطالبہ کرتے۔ یا سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے جب سنہ ۴۱ھ میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح کی تھی اس وقت ہی اپنے ان چچازاد بھائیوں کے ناحق قتل کا قصاص یا دیت طلب کرتے کیوں کہ یہ کوئی معمولی واقعہ نہیں تھا۔ اور پھر سیّدنا عبیداللہ رضی اللہ عنہ اس وقت سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی طرف سے کسی علاقے کے گورنر تھے بلکہ ابن اثیر کے قول کے مطابق اس صلح میں خود موجود تھے۔ چنانچہ وہ خود ہی اپنے بچوں کے ناحق قتل کا قصاص یا ان کی دیت کا مطالبہ کرتے جو نہیں کیا گیا ہے۔ لہٰذا طبری کا یہ نقل کردہ واقعہ غلط اور ناقابل التفات ہے۔

اگر بسر بن ارطاۃ کے ظلم کی روایات کی وجہ سے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو مطعون کیا جا سکتا ہے تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے گورنروں کے مظالم بھی تو انہی کتابوں میں درج ہیں اور انہی کتابوں کی روایات سے ثابت ہیں۔ ان روایات کو صحیح تسلیم کر کے سیدنا علی رضی اللہ عنہ پر کیوں اعتراض نہیں کیا جاتا؟ اس کے علاوہ روایات میں یہ تو آتا ہے کہ فتنہ کا زمانہ گزر جانے کے بعد سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو پتہ چلا کہ بسر بن ارطاۃ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے حامیوں پر کچھ زیادتیاں کی ہیں تو آپ نے ان زیادتیوں کی تلافی کر کے بسر بن ارطاۃ کو گورنری کے منصب سے معزول کر دیا۔ (ابن خلدون ۹۹۸/۳) لیکن سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے متعلق یہ کسی روایت میں نہیں آتا کہ انہوں نے بھی جاریہ بن قدامہ اور دوسرے گورنروں میں سے کسی کو ان کی زیادتیوں کی وجہ سے معزول کیا ہو۔

روایات سے پتہ چلتا ہے کہ بسر بن ارطاۃ ظالم اور تشدد پسند آدمی نہ تھے اور نہ فساد مچانے والے تھے۔ اس بارہ میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی اپنی شہادت بھی ایک بین دلیل ہے چنانچہ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ زہیر بن ارقم فرماتے ہیں کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے ایک جمعہ کو ہمیں خطبہ دیتے ہوئے فرمایا کہ مجھے اطلاع ملی ہے کہ بسر بن ارطاۃ یمن پہنچ گئے ہیں۔

> ''بخدا! میرا گمان ہے کہ یہ لوگ عنقریب تم پر ضرور غالب آئیں گے، اور یہ تم پر صرف اس وجہ سے غالب آئیں گے کہ تم اپنے امام کی نافرمانی کرتے ہو جب کہ یہ لوگ اپنے امام کی اطاعت کرتے ہیں۔ تم لوگ خیانت کرتے ہو جب کہ یہ لوگ امانت دار ہیں۔ تم زمین میں فساد مچاتے پھرتے ہو اور یہ اصلاح کرتے ہیں۔'' (البداية والنهاية ۳۲۵/۷)

اس روایت میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ بسر بن ارطاۃ کو زمین میں اصلاح کرنے والا فرما رہے ہیں اور اپنے گروہ کو فسادی اور خائن فرما رہے ہیں، لیکن آج سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے فرمان کے برعکس بسر بن ارطاۃ کو فسادی، تشدد پسند اور ظالم کہا جا رہا ہے۔

اپنے ان ساتھیوں کے فساد، ظلم اور بے وفائی سے تنگ آ کر آپ کی آنکھوں سے موسلا دھار بارش کی طرح آنسو ٹپک پڑتے اور آپ بڑی حسرت سے فرمایا کرتے:

((والله! ان معاوية صارفني بكم صرف الدنيا بالدرهم، فاخذ مني عشرا منكم واعطاني رجلًا منهم.))

(نهج البلاغة ۲/۳۵٤)

''بخدا! میری آرزو ہے کہ معاویہ (رضی اللہ عنہ) مجھ سے اس طرح تبادلہ کر لیں جس طرح دینار درہموں سے تبادلہ کیے جاتے ہیں۔ مجھ سے وہ تمہارے دس آدمی لے لیں اور مجھے اپنے آدمیوں سے ایک آدمی دے دیں۔''

اب رہی یہ بات کہ بسر بن ارطاۃ نے ہمدانی مسلمان عورتوں کو کنیز بنا لیا۔ یہ روایت بھی سراسر جھوٹ ہے۔ اسی وجہ سے اس کو حافظ ابن عبد البر رحمہ اللہ کے سوا کسی اور مورخ نے نقل نہیں کیا۔ اور حافظ ابن عبد البرؒ نے بھی الاستیعاب میں اس کو ایک مخدوش سند کے ساتھ نقل کیا ہے۔ اس سند میں ایک راوی موسیٰ بن عبیدہ ہے جس کے بارہ میں محدثین نے لکھا ہے کہ اس سے روایت کرنا جائز نہیں ہے۔ ((لا تحل الرواية عندي عن موسیٰ بن عبيده.)) (الجرح والتعديل ٤/٢٢٥)

اگر یہ واقعہ درست ہوتا کہ مسلمان عورتوں کو بازار میں کھڑا کر کے فروخت کیا گیا تو کیا اس واقعہ کو کسی ایک ہی شخص نے دیکھا تھا؟ اس واقعہ کی شہرت تو حد تواتر تک پہنچ جانی چاہیے تھی کیوں کہ یہ واقعہ سر عام ہوا تھا اور بے شمار لوگوں نے اس کو دیکھا ہو گا۔ اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے بغض اور کینہ رکھنے والے لوگوں کا گروہ جو پر کا کوا بنانے اور اکثر و بیشتر اوقات بے پر کی اڑانے میں بڑا ماہر بھی ہوتا اور تلا ہوا بھی ہوتا۔ لیکن کتابوں میں اس واقعہ کی صرف ایک ہی روایت ہے اور وہ بھی مخدوش اور مجروح۔ اور کسی اور مورخ نے اس کو اپنی کتاب میں جگہ دینے سے انکار کیا ہے۔

درایت کے لحاظ سے بھی یہ روایت اس قابل نہیں ہے کہ اس پر اعتبار کیا جائے۔ کیوں کہ خیر القرون میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا ایک گورنر اس قسم کا مجرمانہ فعل کرتا ہے تو کس طرح ممکن ہے کہ سلطنت میں لوگ اس کے خلاف آواز نہ اٹھاتے اور کس وجہ سے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی سلطنت کے استحکام میں ان کا ساتھ دیتے۔ وہ تو ایک بحرانی دور تھا۔ اس میں

ظلم و تشدد سے کوئی حکومت مستحکم نہیں ہو سکتی تھی، بلکہ صلح و آشتی سے حکومت کا استحکام ہو سکتا تھا۔ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے دانشور گورنر اس طرح کی زیادتیاں نہیں کر سکتے تھے۔

پھر جس کتاب (الاستیعاب) میں یہ روایت مذکور ہے، اس کتاب کی مرویات کے بارہ میں محدثین نے لکھا ہے کہ ”ابن عبدالبر کی کتاب ”الاستیعاب“ بڑی عمدہ کتاب ہے اور کثیر الفوائد بھی ہے لیکن اس میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مشاجرات کے بارہ میں اکثر و بیشتر چیزوں کے متعلق محدثین کے سوا اخباری لوگوں کی روایات ذکر کر کے کتاب کو داغ دار بنا دیا گیا ہے۔ اخباری لوگوں کی روایات میں مواد کی کثرت اور تخلیط پائی جاتی ہے۔“

(تدریب الراوی ص۳۹۶)

معلوم ہوا کہ آزاد مسلمان عورتوں کو لونڈیاں بنانے کا واقعہ تاریخ کی مشہور کتابوں میں مذکور نہیں ہے صرف الاستیعاب میں حافظ ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے اخباری راویوں سے اس کو ذکر کر دیا ہے جو روایتاً اور درایتاً دونوں لحاظ سے غلط ہے۔ اس دور میں جب اس واقعہ کا وقوع بیان کیا جاتا ہے، بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم موجود تھے۔ ان کی طرف سے آزاد مسلمان عورتوں کو لونڈیاں بنانے کا کوئی اعتراض تاریخ کی کتابوں میں موجود نہیں اور شرعی قواعد کی خلاف ورزی پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا خاموش رہنا ان کی عادت کے خلاف تھا۔ لہٰذا اس واقعہ کی کوئی حیثیت نہیں بلکہ یہ صرف سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو بدنام کرنے کے لیے بیان کیا جاتا ہے۔



دیت کے معاملہ میں سنت کی تبدیلی

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ پر ایک اعتراض ان کے مخالفین کی طرف سے یہ کیا جاتا ہے کہ دیت کے معاملہ میں انہوں نے سنت کو تبدیل کر دیا۔ سنت یہ تھی کہ معاہد کی دیت مسلمان کے برابر ہوگی لیکن سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس کو نصف کر دیا اور باقی خود لینی شروع کر دی۔

یہاں یہ بات ذہن میں رہے کہ کسی مورخ نے یہ نہیں لکھا کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس بارہ میں سنت کو بدل دیا کیوں کہ یہ ایک اجتہادی مسئلہ ہے۔ اس مسئلہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں بھی اختلاف تھا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اختلاف کے باعث ائمہ فقہاء میں بھی اختلاف چلا آ رہا ہے۔ چنانچہ علامہ ابن رشد فرماتے ہیں:

((فان العلماء فی ذالك ثلاثه اقوال:

احدھا ان دیتھم علی النصف من دیة المسلم، ذکر انھم علی النصف من ذکران المسلمین ونساءھم علی النصف من نساء ھم و به قال مالك و عمر بن عبدالعزیز و علی ھذا تکون دیة جراحھم علی النصف من دیة المسلمین.

والقول الثانی ان دیتھم ثلث دیة المسلم و به قال الشافعی و ھو مروی عن عمر بن الخطاب و عثمان بن عفان[1] و قال به جماعة من المسلمین والقول الثالث ان دیتھم مثل دیة المسلمین وبه قال ابوحنیفة و الثوری و جماعة و ھو مروی عن ابن مسعود و قد روی عن عمر و عثمان و قال به جماعة من المسلمین.)) (بدایة المجتھد ۲/۴۱٤)

---

[1] سیدنا عمر اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہما سے مختلف روایات مروی ہیں ان میں ایک تہائی دیت کی بھی ہے۔

اہل ذمہ کی دیت کے بارہ میں علماء کے تین اقوال ہیں:

۱: پہلا قول یہ کہ ان کی دیت مسلمانوں کی دیت کا نصف ہے۔ ان کے مردوں کی مسلمان مردوں کے نصف اور ان کی عورتوں کی مسلمان عورتوں کے نصف دیت ہو گی یہ قول امام مالک اور عمر بن عبدالعزیز رحمہما اللہ کا ہے۔

۲: دوسرا قول اس بارہ میں یہ ہے کہ ان کی دیت مسلمان کی دیت کا تہائی ہے۔ یہ قول امام شافعی رحمہ اللہ کا ہے اور یہی سیدنا عمر بن خطاب اور سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہما سے بھی مروی ہے اور تابعین کی ایک جماعت کا بھی یہی قول ہے۔

۳: تیسرا قول اس بارہ میں یہ ہے کہ اہل ذمہ کی دیت مسلمان کی دیت کے برابر ہے۔ یہ قول امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ، امام ثوری رحمہ اللہ اور ایک جماعت کا ہے۔ اور یہی سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور سیدنا عمر اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہما سے بھی ایک روایت یہی ہے اور تابعین کی ایک جماعت کا بھی یہی قول ہے۔

اعتراض کرنے والے تو نصف دیت پر اعتراض کر رہے ہیں لیکن ابن رشد کی اس عبارت سے تو یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ امام شافعی رحمہ اللہ کا مسلک تہائی دیت کا ہے اور اس بارہ میں وہ اکیلے ہی نہیں بلکہ تابعین کی ایک اچھی خاصی جماعت ان کی ہم نوا ہے اور دو خلیفہ راشد (سیدنا عمر اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہما) کا بھی ایک روایت کے مطابق یہی قول ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ دیت کا معاملہ ایک اجتہادی مسئلہ ہے اور اس میں ائمہ اربعہ کے مابین بھی اختلاف ہے اور ہر فریق کے پاس دلیل ہے۔ ایسے مسائل میں یہ تو نہیں کہا جا سکتا کہ فریق مخالف نے سنت کو بدل دیا ہے۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ فلاں مسئلہ میں یہ بات راجح ہے اور یہ مرجوح ہے۔ مثال کے طور پر امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نماز میں رفع الیدین کے قائل ہیں اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نہ کرنے کو ترجیح دیتے ہیں۔ اب کوئی جاہل ہی یہ کہہ سکتا ہے کہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے سنت کو بدل دیا ہے اور سنت رفع الیدین کا نہ کرنا ہے۔ حالانکہ اختلاف کی حقیقت یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک رفع الیدین نہ کرنا راجح ہے اور کرنا مرجوح اور امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے نزدیک رفع الیدین کرنے کا قول راجح ہے اور نہ کرنے

کا مرجوح ہے کیوں کہ احادیثی دلائل دونوں طرف ہیں۔ کوئی کسی کو یہ نہیں کہہ سکتا کہ فلاں نے سنت کو بدل دیا۔ بالکل اسی طرح امام مالک رحمہ اللہ نصف دیت کے قائل ہیں، امام شافعی رحمہ اللہ ثلث کے اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ مسلمان اور معاہد کی برابر دیت کے قائل ہیں۔ یہی اختلاف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں تھا اور یہی تابعین میں، اور ہر ایک کے پاس اپنے مسلک کی تائید میں دلائل موجود ہیں۔ دلائل میں راجح اور مرجوح کا اختلاف ہے سنت اور بدعت کا اختلاف نہیں ہے۔ چنانچہ ابن رشد ہی نے امام زہری رحمہ اللہ کا ایک قول نقل کیا ہے کہ

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر، عمر، عثمان، اور علی رضی اللہ عنہم کی خلافتوں کے دور میں ذمی کی دیت مسلمان کے برابر سمجھی جاتی تھی یہاں تک کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے انہوں نے نصف دیت بیت المال کے لیے مقرر کر دی اور نصف مقتول کے وارثوں کو دی۔ جب عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کا عہد خلافت آیا تو انہوں نے صرف نصف دیت کا فیصلہ کیا اور وہ نصف دیت جو سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے بیت المال کے لیے مخصوص کی تھی، ساقط کر دی۔" (بداية المجتهد ٢/٤١٤)

قریباً انہی الفاظ سے زہری کی اس روایت کو امام بیہقی رحمہ اللہ نے بھی اپنی کتاب (السنن الکبریٰ ٨/١٠٢) میں نقل کیا ہے۔

اس روایت سے مندرجہ ذیل امور ثابت ہوئے:

١: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سیدنا ابوبکر، سیدنا عمر، سیدنا عثمان، اور سیدنا علی رضی اللہ عنہم کے زمانہ میں معاہد اور مسلمان کی دیت برابر تھی۔

٢: سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں بھی مسلمان اور معاہد کی دیت برابر تھی صرف فرق یہ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے اربعہ رضی اللہ عنہم کے زمانہ میں پوری کی پوری دیت مقتول کے وارثوں کو دی جاتی تھی لیکن سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ دیت تو پوری لیتے لیکن آدھی بیت المال میں جمع کرتے اور آدھی مقتول کے وارثوں کو دیتے تھے۔

٣: سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے قاتل اور اس کے وارثوں سے نصف دیت لینی شروع کر دی اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ جو پوری دیت لیتے تھے اور آدھی بیت المال میں جمع

کرتے اور آدھی مقتول کے وارثوں کو دیتے، آپ نے بیت المال کا حصہ ساقط کر دیا۔

اس سے معلوم ہوا کہ معترضین کا یہ اعتراض کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے معاہد اور مسلمان کی برابر دیت کو نصف کر دیا، سراسر غلط ہے۔ یہ اعتراض اگر ہو سکتا ہے تو سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ پر نہ کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ پر، کیوں کہ وہ معاہد کی دیت مسلمان کی دیت کے برابر لیتے تھے نہ کہ نصف۔ لیکن معترضین کا نزلہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ پر گرتا ہے نہ کہ عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ پر۔

حقیقت یہ ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دونوں قسم کی روایات منقول ہیں۔ ایک روایت میں ہے:

((دية الكافر على النصف من دية المسلم .))

''کافر کی دیت مسلمان کی دیت سے نصف ہے۔''

(العدة صفحه ٥١٨۔ بداية المجتهد ٢/٤١٤۔ نيل الاوطار ٧/٦٤۔ ترمذى ١/١٦٩۔ منهاج المسلم صفحه ٤٣١)

یہ روایت مختلف کتابوں میں مختلف الفاظ سے مروی ہے۔ امام ترمذیؒ نے اس کو "دية عقل الكافر نصف عقل المومن" کے الفاظ سے نقل کیا ہے، اور نیل الاوطار میں "عقل الكافر نصف دية المسلم" کے الفاظ سے مرقوم ہے۔ العدۃ میں یہ الفاظ منقول ہیں: "دية المعاهد نصف دية المسلم" صاحب العدۃ نے یہ الفاظ بھی نقل کیے ہیں:

((ان النبى ﷺ قضى ان عقل اهل الكتاب نصف عقل المسلمين۔ رواه الامام احمد وابو داؤد والنسائى و ابن ماجه .)) (العدة صفحه ٥١٨)

''بے شک نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فیصلہ فرمایا کہ اہل کتاب کی دیت مسلمانوں کی دیت سے نصف ہے۔ اس حدیث کو امام احمد، ابوداؤد، نسائی اور ابن ماجہ نے نقل کیا ہے۔''

امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''سیدنا عمر بن خطاب اور عثمان بن عفان رضی اللہ عنہما نے یہودی اور نصرانی کی دیت کے بارہ میں مسلمان کی دیت سے تہائی کا فیصلہ دیا۔'' (کتاب الام ٦/١٠٥)

بلکہ مجوسی کی دیت ان دونوں حضرات کے نزدیک آٹھ سو درہم ہے۔ چنانچہ العدہ میں مرقوم ہے:

((ودية المجوسی ثمان مائة درهم و هو قول اكثر اهل العلم و هو قول عمر و عثمان و ابن مسعود.))

(العدة صفحه ٥١٨۔ ترمذی ١/١٦٦)

''اور مجوسی کی دیت آٹھ سو درہم ہے۔ یہ قول اکثر اہل علم کا ہے اور عمر، عثمان، اور ابن مسعود رضی اللہ عنہم کا بھی یہی قول ہے۔''

ایک اور روایت میں جو سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، منقول ہے کہ:

((دية ذمی دية مسلم.)) (السنن الكبرىٰ، بیهقی ٨/١٠٢)

''ذمی کی دیت مسلمان کی دیت کے برابر ہے۔''

چنانچہ پہلی حدیث امام مالک اور عمر بن عبدالعزیز رحمہما اللہ کی دلیل ہے کہ معاہد کی دیت مسلمان کی دیت سے نصف ہے اور دوسری حدیث امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور دوسرے ان فقہاء کی دلیل ہے جن کے نزدیک معاہد کی دیت مسلمان کی دیت کے برابر ہے۔ روایات کے اسی اختلاف کی بنا پر قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ

''اس بات پر کوئی دلیل نہیں کہ معاہد کی دیت مسلمان کی دیت کے برابر ہے۔ لفظ دیت مجمل ہے اور اس کی تفسیر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مختلف طور پر مروی ہے۔ جس طرح مرد اور عورت اور آزاد اور غلام کی دیت میں اختلاف ہے اسی طرح کافر اور مسلمان کی دیت میں بھی اختلاف جائز ہے۔''

(قاضی ثناء اللہ رحمہ اللہ نے اس مسئلہ پر تفصیلی بحث کی ہے۔ اہل علم وہاں ملاحظہ فرمالیں)

(تفسیر مظهری ٢/١٩٣)

علامہ رشید رضا نے بھی دیت کے بارہ میں انہی خیالات کا اظہار فرمایا ہے۔
(تفسیر المنار ۳۳٤/٥)

احادیث کے اسی اختلاف پر امام ترمذی رحمہ اللہ نے ان الفاظ میں تبصرہ فرمایا ہے:
"اس باب میں عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کی حدیث "حدیث حسن" ہے اور یہودی اور نصرانی کے بارہ میں اہل علم کا اختلاف ہے۔ بعض اہل علم کا وہ مسلک ہے جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے۔ اور عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کا قول ہے کہ یہودی اور نصرانی کی دیت مسلمان سے نصف ہے اور یہی امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا قول ہے...... اور بعض اہل علم یہ کہتے ہیں کہ یہودی اور نصرانی کی دیت مسلمان کے برابر ہے اور یہی قول سفیان ثوری اور اہل کوفہ کا ہے۔" (ترمذی ١٦٩/١)

حدیث (دية المعاهد نصف دية الحر) پر تبصرہ فرماتے ہوئے علامہ بہاء الدین عبدالرحمٰن مقدسی حنبلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:
"خطابی فرماتے ہیں کہ اہل کتاب کی دیت کے بارہ میں اس سے زیادہ واضح اور کوئی چیز نہیں، اور اس کی اسناد میں بھی کوئی حرج نہیں اور یہی امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا قول ہے۔"

بہر حال اس مسئلہ میں اختلاف ہے اور اختلاف کی بنیاد روایات کا اختلافات ہے۔ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ چونکہ فقیہ اور مجتہد بھی تھے (بخاری ٥٣١/١) لہٰذا انہوں نے نصف دیت اور پوری دیت کی روایات میں تطبیق دی اور اس کی صورت یہ اختیار کی کہ نصف دیت مقتول کے وارثوں کو دی جاتی اور نصف بیت المال میں جمع ہوتی کیوں کہ اس ذمی کی موت سے سرکاری خزانہ کو بھی نقصان پہنچتا ہے۔ چنانچہ کتابوں میں لکھا ہے کہ:
"سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ایک ذمی کے قتل سے اگر اس کے عزیز واقارب کو نقصان پہنچا ہے تو سرکاری خزانہ کو بھی نقصان پہنچا ہے۔ (یعنی اس کا جزیہ بیت المال میں جانا بند ہو گیا) لہٰذا دیت کا نصف مقتول کے وارثوں کو دے دیا جائے اور نصف سرکاری خزانہ کو۔ اس کے بعد ذمیوں میں سے ایک اور شخص قتل

ہوا تو سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جو رقم ہم سرکاری خزانہ میں داخل کر رہے ہیں اگر ہم اس پر غور وفکر کریں تو اس سے ایک طرف تو مسلمانوں کا بوجھ ہلکا ہوگا اور دوسری طرف ان کے لیے اعانت وامداد بھی ہوگی۔"

(الجوھر النقی ۸/۲ ۱۰ ـ مراسیل ابی داؤد صفحہ ۱۳)

خلاصہ یہ کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ پر یہ ایک جاہلانہ اتہام ہے کہ انہوں نے سنت نبوی کو بدل دیا بلکہ صحیح بات یہ ہے کہ انہوں نے اپنی فقیہانہ ذہانت سے مختلف احادیث میں تطبیق دی چنانچہ ان کے مخالفین نے ان کی اس بات سے سنت نبوی کو تبدیل کرنے کا اتہام لگا دیا۔



مسلمان کافر کا وارث ہوسکتا ہے؟

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ پر ایک اعتراض یہ بھی کیا جاتا ہے کہ انہوں نے اپنے دور خلافت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو تبدیل کر کے ایک بدعت ایجاد کی۔ وہ یہ کہ مسلمان کافر کا وارث ہوسکتا ہے اور کافر مسلمان کا وارث نہیں ہوسکتا حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے اربعہ رضی اللہ عنہم کے زمانوں میں نہ کافر مسلمان کا وارث ہوسکتا تھا اور نہ مسلمان کافر کا۔

اس اعتراض کی اگر چھان پھٹک کی جائے تو اس کی نوعیت بھی نصف دیت والے اعتراض کی سی ہے، کیوں کہ یہ مسئلہ بھی عہد صحابہ رضی اللہ عنہم سے مختلف فیہ چلا آرہا ہے اور نہ صرف سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اس بات کے قائل ہیں کہ ''مسلمان کافر کا وارث ہوسکتا ہے'' بلکہ اور بھی کئی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس کے قائل ہیں۔ اگرچہ جمہور کا مسلک یہی ہے کہ ''نہ تو مسلمان کافر کا وارث ہوسکتا ہے اور نہ کافر مسلمان کا'' لیکن اس کے مخالف مسلک رکھنے والے کو بدعت کا مرتکب گرداننا نہایت زیادتی بلکہ بددیانتی ہے۔ ائمہ اربعہ کے درمیان کئی مسائل ایسے ہیں کہ جمہور کا مسلک کچھ اور ہوتا ہے اور ایک امام کا قول کسی خاص دلیل کی بنا پر جمہور کے مسلک کے خلاف ہوتا ہے لیکن آج تک کسی نے اس پر بدعت کے مرتکب ہونے کا الزام نہیں لگایا کیوں کہ اس قسم کے مسائل میں اکثر اختلاف راجح اور مرجوح یا بہتر اور غیر بہتر کا ہوتا ہے، سنت اور بدعت کا نہیں ہوتا۔

چنانچہ اس مسئلہ کے دو پہلو ہیں:

(۱) کافر مسلمان کا وارث ہوسکتا ہے؟

(۲) مسلمان کافر کا وارث ہوسکتا ہے؟

پہلی بات میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سمیت تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اتفاق ہے کہ کافر مسلمان کا وارث نہیں ہوسکتا۔

دوسری بات کہ مسلمان کافر کا وارث ہوسکتا ہے یا نہیں؟ اس بارہ میں امام ابوحنیفہ اور امام شافعی رحمہما اللہ کا مسلک یہ ہے کہ مسلمان کافر کا وارث نہیں ہوسکتا لیکن بعض صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین کا مسلک یہ ہے کہ مسلمان کافر کا وارث ہوسکتا ہے۔ چنانچہ علامہ ابن رشد القرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((واختلفوا فی میراث المسلم الکافر...... فذهب جمهور العلماء من الصحابة والتابعین وفقهاء الامصار الٰی انه لا یرث المسنلم الکافر بهذا الاثر الثابت و ذهب معاذ بن جبل و معاویة من الصحابة و سعید بن المسیب و مسروق من التابعین و جماعة الی ان المسلم یرث الکافر .))

(بدایة المجتهد ۲/۳۵۲۔ ۳۵۳)

''مسلمان کے کافر کے وارث ہونے میں اختلاف ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم، تابعین اور مختلف شہروں کے جمہور فقہاء کا مسلک یہ ہے کہ مسلمان کافر کا وارث نہیں ہو سکتا۔ اس حدیث کی وجہ سے کہ (لا یرث المسلم الکافر ولا الکافر المسلم) لیکن صحابہ میں سے سیدنا معاذ بن جبل اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہما اور تابعین میں سے سعید بن میتب اور مسروق رحمہما اللہ اور ایک جماعت اس بات کی قائل ہے کہ مسلمان کافر کا وارث ہوسکتا ہے۔''

علم وراثت کی مشہور کتاب شریفیہ شرح سراجی میں سید شریف الجرجانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''کافر مسلمان کا وارث نہیں ہوگا یہ اجماعی مسئلہ ہے، اور نہ مسلمان کافر کا وارث ہوگا۔ یہ مذہب سیدنا علی، سیدنا زید بن ثابت اور جمہور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ہے اور ہمارے علماء (احناف) اور امام شافعی رحمہ اللہ کا بھی یہی مسلک ہے لیکن قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ مسلمان کافر کا وارث ہو اور کافر مسلمان کا وارث نہ ہو۔ سیدنا معاذ بن جبل اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہما، حسن بصری، محمد بن حنفیہ، محمد باقر اور مسروق رحمہم اللہ کا یہی مذہب ہے۔'' (شریفیه شرح سراجی صفحه ١٤)

علامہ بدر الدین عینی رحمہ اللہ اس مسئلہ میں اختلاف کا ذکر فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اور یہ بات کہ کیا مسلمان کافر کا وارث ہو سکتا ہے یا نہیں؟ پس عام صحابہ فرماتے ہیں کہ نہیں ہو سکتا اور اسی شے کو ہمارے علمائے احناف اور امام شافعی رحمہ اللہ نے اختیار کیا ہے، لیکن یہ استحسان [1] ہے۔ قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ وہ وارث ہو اور یہی سیدنا معاذ بن جبل اور سیدنا معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کا قول ہے اور اسی کو مسروق، حسن بصری، محمد بن حنفیہ اور محمد بن علی بن حسین رحمہم اللہ نے اختیار کیا ہے۔'' (عمدة القاری ۲۳/ ۲۶۰)

سیدنا معاذ بن جبل اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہما کے ناموں کے ساتھ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا نام بھی اس سلسلہ میں کتابوں میں ملتا ہے کہ وہ بھی اس بات کے قائل تھے کہ مسلمان کافر کا وارث ہو سکتا ہے۔ (ملاحظہ ہو المغنی لابن قدامة ٦/ ۲۹٤)

ان حضرات کا مسلک اس قیاس کا نتیجہ ہے جس کو ابن رشد القرطبی نے نقل کیا ہے:

''ان کو ان عورتوں سے شبہ ہو گیا کہ جس طرح اہل کتاب کی عورتوں کے معاملہ میں ہمارے لیے جائز ہے کہ ہم اہل کتاب (کافر) کی عورتوں سے نکاح کر سکتے ہیں اور اپنی عورتیں ان کے نکاح میں نہیں دے سکتے اسی طرح وراثت کا معاملہ ہے کہ وہ ہمارے مالوں کے وارث نہیں ہو سکتے البتہ ہم ان کے مالوں کے وارث ہو سکتے ہیں۔'' (بدایة المجتهد ۲/ ۳۵۳)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس بات کی تائید اور تعریف میں عبداللہ بن معقل رحمہ اللہ کا ایک

---

[1] استحسان ایک فقہی اصطلاح ہے۔ استحسان کہتے ہیں کہ مجتہد ایک مسئلہ میں اس کے نظائر و امثال کے مطابق حکم نہ لگائے بلکہ ایک قوی تر دلیل کی جانب رجوع کرے جو اشباہ و نظائر سے عدول کا تقاضا کرتی ہو۔ استحسان کے بارہ میں فقہاء کا اختلاف چلا آ رہا ہے۔ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ استحسان کے قائل ہیں اور ان کے معاصر امام مالک رحمہ اللہ بھی یہ کہا کرتے تھے کہ ''استحسان نوے فی صد علم ہے۔'' امام شافعی رحمہ اللہ استحسان کے سخت مخالف تھے۔ فرمایا کرتے تھے: ''جس نے استحسان سے کام لیا اس نے دین کو خود گھڑ لیا۔'' چنانچہ آپ نے اپنی کتاب الام میں استحسان کے ابطال پر ایک باب قائم کیا ہے (کتاب الام ۷/ ۲٦۷) جس میں آپ نے اپنے وہ تمام دلائل جمع کر دیے ہیں جو استحسان کے بطلان پر آپ نے دیے ہیں۔ آپ کے نزدیک فتویٰ یا تو اخذ بالنص ہونا چاہیے یا حمل علی النص، لہٰذا یہ باطل ہے، لیکن فقہائے احناف اور موالک نے ان سب دلائل کے جوابات اپنی اپنی کتابوں میں بڑی تفصیل سے دیے ہیں۔ (ملاحظہ ہو المبسوط ۱۰/ ۱٤۵)

قول نقل کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

((مارأیت قضاء احسن من قضاء قضیٰ به معاویة نرث اهل الکتاب ولایرثون کما یحل النکاح فیهم ولایحل لهم و به قال مسروق و سعید بن المسیب و ابراهیم النخعی واسحاق.))

(اخرجه ابن ابی شیبة۔ فتح الباری: ۱۲/ ۵۰۔ المصنف لابن ابی شیبة ۱۱/ ۳۷٤)

''میں نے کوئی فیصلہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے اس فیصلے سے بہتر نہیں دیکھا کہ ہم اہل کتاب کے وارث ہوتے ہیں اور وہ ہمارے وارث نہیں ہوتے جیسے کہ ان کی عورتوں سے ہمیں نکاح کرنا تو جائز ہے لیکن انہیں ہماری عورتوں سے نکاح کرنا جائز نہیں اور ایسا ہی مسروق، سعید ابن میتب، ابراہیم نخعی اور اسحاق رحمہم اللہ کا قول ہے۔''

مسند احمد میں روایت ہے کہ سیّدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ یمن میں تھے۔ وہاں ایک یہودی مر گیا جس کا بھائی مسلمان ہو چکا تھا۔ لوگوں نے سیّدنا معاذ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں اس کی وراثت کا معاملہ پیش کیا۔ سیّدنا معاذ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے:

((الاسلام یزید ولاینقص.))

''اسلام زیادہ ہوتا ہے کم نہیں ہوتا۔''

پس آپ نے مسلمان بھائی کو یہودی کا وارث قرار دیا۔

(مسند احمد ۵/ ۲۳۰، ۲۳٦، المصنف لابن ابی شیبة ۱۱/ ۳۷٤)

یہ ساری بحث جو گزشتہ صفحات میں کی گئی ہے، اس صورت میں ہے جب کہ یہ ثابت ہو جائے کہ یہ واقعی سیدنا عمرؓ، سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ، سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ، اور دیگر تابعین کا مذہب تھا۔ لیکن کتابوں کی ورق گردانی سے یہ پتہ بھی چلتا ہے کہ اس مسلک کی نسبت ان حضرات کی طرف صحیح نہیں ہے۔ ہوسکتا ہے کہ ان کے مخالفین نے یہ شے ان کی طرف منسوب کردی ہو۔ آخر کیا کیا کچھ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب نہیں کیا گیا؟ چنانچہ علامہ ابن

قدامہؒ اس مسئلہ کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اہل علم کا اس بات پر اجماع ہے کہ کافر مسلمان کا وارث نہیں ہو سکتا اور جمہور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور فقہاء کا بھی یہی مذہب ہے کہ ایک کافر مسلمان کا وارث نہیں ہو سکتا۔ یہ قول ابوبکر، عمر، عثمان، علی، اسامہ بن زید اور جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہم اجمعین سے مروی ہے۔ اور عمر بن عثمان، زہری، عطاء، طاوس، حسن بصری، عمر بن عبدالعزیز، عمرو بن دینار، سفیان ثوری، امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب امام مالک، امام شافعی اور عام فقہاء کا بھی یہی قول ہے اور اسی پر عمل ہے۔ سیدنا عمر، سیدنا معاذ بن جبل اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ انہوں نے مسلمان کو کافر کا وارث قرار دیا۔ وہ کافر کو مسلمان کا وارث تسلیم نہیں کرتے۔ یہی بات محمد بن حنفیہ، علی بن الحسین، سعید بن میتب، مسروق، عبداللہ بن معقل، شعبی، نخعی، یحییٰ بن یعمر اور اسحاق رحمہم اللہ سے بھی مروی ہے لیکن ان حضرات کی طرف اس قول کی نسبت معتبر نہیں، (ولیس بموثوق به عنهم) کیوں کہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ لوگوں کے درمیان اس بات میں کوئی اختلاف نہیں کہ مسلمان کافر کا وارث نہیں ہوتا۔'' (المغنی ۱۶۱/۷)

المغنی کی اس عبارت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف اس مسئلہ کی نسبت غلط ہے۔



اہل بیت نبوی سے برتاؤ

ایک اعتراض سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ پر یہ کیا جاتا ہے کہ انہوں نے اہل بیت نبوی کے ساتھ اچھا برتاؤ نہیں کیا۔ اگر اس اعتراض کا تجزیہ کیا جائے تو حقیقت اس کے بالکل خلاف نظر آتی ہے، اور تاریخ کی قوی اور ثقہ روایات سے یہ پتہ چلتا ہے کہ آپ نے بنو ہاشم اور خصوصی طور پر اہل بیت نبوت کے ساتھ نہایت اچھا برتاؤ کیا بلکہ بعض دفعہ اگر انہوں نے کوئی نا قابل برداشت بات بھی کہہ دی تو آپ نے صرف اہل بیت نبوی کا احترام کرتے ہوئے اس کو نہایت صبر و تحمل سے برداشت کیا۔ چنانچہ ایک شیعہ مورخ ابن طقطقی لکھتا ہے:

> ''عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن زبیر، عبداللہ بن جعفر طیار، عبداللہ بن عمر، عبدالرحمٰن بن ابی بکر، ابان بن عثمان (رضی اللہ عنہم اجمعین) اور آل ابی طالب کے افراد معاویہ (رضی اللہ عنہ) کے پاس اکثر دمشق جایا کرتے تھے۔ وہ ان سب بزرگ حضرات کو نہایت اچھے طریقے سے رکھتے اور ان کی نہایت فیاضانہ طریقے سے مہمان نوازی کرتے۔ ان کی تمام ضروریات کو پورا کرتے۔ اس کے بدلے میں یہ لوگ ہمیشہ ان سے سختی کے ساتھ گفتگو کرتے اور چیں بہ جبیں رہتے [1] لیکن امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ان باتوں کو کبھی مذاق میں اڑا دیتے اور کبھی یونہی ٹال دیتے اور ان کے جواب میں بہت قیمتی تحائف اور بڑی بڑی رقوم انہیں دیتے۔''

(الفخری صفحہ ٩٤)

یہی ابن طقطقی ایک اور مقام پر لکھتے ہیں:

> ''اگرچہ آل ابی طالب اور دوسرے کئی اعیان و شرفاء آپ کے خلاف رہتے لیکن

---

[1] ابن طقطقی کے اس جملہ سے ہمیں اختلاف ہے کیوں کہ تاریخ کی صحیح روایات میں آتا ہے کہ تمام بنو ہاشم اور خصوصی طور پر اہل بیت نبوت سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا نہایت احترام کرتے اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے نہایت شفقت اور محبت سے پیش آتے۔

آپ کی فیاضی کا ابر ہمیشہ ان پر برستا رہتا۔" (الفخری صفحہ ۵۵)

علاوہ ازیں اپنی وفات کے وقت اپنے بیٹے یزید کو جو وصیتیں فرمائی ان میں اہل بیت نبوت خصوصی طور پر سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے بارہ میں ان الفاظ میں وصیت فرمائی:

"عراق والے حسین (رضی اللہ عنہ) کو تمہارے مقابلہ میں لا کر چھوڑیں گے لیکن جب وہ تمہارے مقابلہ میں آئیں اور تمہیں ان پر قابو حاصل ہو جائے تو درگزر سے کام لینا کیوں کہ وہ قرابت دار ہیں، ان کا بڑا حق ہے اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عزیز ہیں۔" (الفخری صفحہ ۱۰۳)

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ اپنی خلافت کے دوران میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سیدنا حسن اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہما سے بڑی خندہ پیشانی سے پیش آتے اور ان کو بیش قیمت عطیات سے نوازتے۔ چنانچہ ایک روز ان کو ۲۰ لاکھ درہم عطا فرمائے۔ (البدایة والنہایة ۸/۱۵۰)

آپ سالانہ دس دس لاکھ درہم سیدنا حسن اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہما کو دیتے اور ان کے بیٹے یزید بیس لاکھ درہم دیتے رہے۔ اتنی ہی رقم سیدنا عبداللہ بن عباس اور سیدنا عبداللہ بن جعفر طیار رضی اللہ عنہما (جو سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی بہن سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے شوہر تھے) کو بھی دیتے تھے۔

(شرح ابن ابی الحدید ۲/۸۲۳)

ان سالانہ دس لاکھ درہموں کے علاوہ اور بہت سے ہدیے بھی سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کو بھیجے جاتے جن کو وہ بصد خوشی قبول فرماتے۔ (مقتل ابو مخنف صفحہ ۷)

سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کبھی اکیلے اور کبھی اپنے بھائی سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہر سال سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس تشریف لے جاتے اور وہ ان کی بہت عزت و تکریم فرماتے اور ان کو بہت تحائف وغیرہ دیتے۔ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد بھی ہر سال آپ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس جاتے اور وہ ان کو بہت عطیات وغیرہ دیتے اور بہت عزت و تکریم سے پیش آتے۔ (البدایة والنہایة ۸/۱۵۰۔ ۱۵۱)

ایک مرتبہ آپ نے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کو چار لاکھ درہم دیے اور ایک مرتبہ دونوں بھائیوں کو دو دو لاکھ درہم عطا فرمائے۔ (البدایة والنہایة ۸/۱۳۷)

ایک مرتبہ سیدنا عقیل بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو جو سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے بڑے بھائی تھے، ۴۰ ہزار درہم کی ضرورت پڑی۔ آپ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاں گئے اور اپنی ضرورت بیان کی۔ آپ نے فوراً ۵۰ ہزار درہم ان کو دے دیے۔ (اسد الغابة ۲۲۳/۳)

اگرچہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت کرنے کے بعد سیدنا حسین رضی اللہ عنہ نے بھی ان کی بیعت کر لی تھی۔ (بحار الانوار ۱۲۴/۱۰) لیکن دونوں بھائیوں کی طبیعتوں اور مزاج میں بہت اختلاف تھا۔ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ بڑے سنجیدہ، مستقل مزاج اور صاحب فکر و نظر انسان تھے، لیکن ان کے مقابلہ میں سیدنا حسین رضی اللہ عنہ ذرا جلالی طبیعت کے تھے۔ اسی وجہ سے کوفہ کے سبائی فتنہ پرداز آپ کے ہاں اکثر آیا جایا کرتے تھے۔ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو ان سب باتوں کا علم تھا لیکن آپ نے سیدنا حسین رضی اللہ عنہ سے کبھی تعرض نہ کیا تھا بلکہ ان سے نہایت محبت اور شفقت سے پیش آتے تھے۔ ایک مرتبہ یمن سے ایک قافلہ بہت سا مال و اسباب سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس لے جا رہا تھا کہ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں نے وہ مال لے لیا اور اپنے اہل بیت پر تقسیم کر دیا اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو خط لکھا کہ اس قافلے کا مال ہم نے لے لیا ہے۔ (ابن ابی الحدید ۲۸۱/۲) سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کو لکھا ہے:

> ''میرے بھتیجے! میرے خیال میں تم ذرا جلالی مزاج کے آدمی ہو اور جذبات کی رو میں بہ جاتے ہو۔ میرے زمانے میں تمہارا ایسا معاملہ درگزر کیا جا سکتا ہے لیکن مجھے ڈر ہے کہ میرے بعد تمہارا مقابلہ کسی ایسے شخص سے نہ پڑ جائے جو تمہارا ایسے معاملات میں لحاظ نہ کرے۔'' (ناسخ التواریخ کتاب ۲ صفحه ۸۲)

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ امہات المومنین رضی اللہ عنہن کی خدمت بھی اپنے لیے باعث فخر و سعادت سمجھتے تھے۔ چنانچہ اکثر دفعہ ایسا ہوا کہ انہوں نے کئی کئی لاکھ کی رقم سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اور دوسری امہات المومنین کو بطور عطیہ پیش کی۔ (مستدرك حاكم ۱۷۵/۳)

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں ایک مرتبہ آپ نے ایک لاکھ درہم ارسال کیے جن کو سیدہ رضی اللہ عنہا نے اسی روز غرباء میں تقسیم کر دیا۔ ایک مرتبہ سیدہ پر ۱۸ ہزار دینار قرض ہو

گیا۔ اس سارے کے سارے قرض کو سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے ادا کیا۔

ایک مرتبہ سیدنا حسن بن علی اور سیدنا عبداللہ بن جعفر طیار رضی اللہ عنہما نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس اپنا ایک آدمی بھیجا اور آپ سے کچھ مال طلب کیا۔ آپ نے ہر ایک کو ایک ایک لاکھ درہم ارسال کر دیے۔

ایک مرتبہ آپ نے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کو ایک لاکھ درہم بھیجے اور عبداللہ بن جعفر طیار رضی اللہ عنہما کو ایک لاکھ، سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے لیے ایک لاکھ اور سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کو ایک لاکھ بھیجے۔

سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے انتقال پر سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس تعزیت کے لیے گئے اور سید ابن عباس رضی اللہ عنہما کو مخاطب کر کے فرمایا:

((لایسؤك الله ولایحزنك فی الحسن .))

''اللہ تعالیٰ حسن (رضی اللہ عنہ) کے بارہ میں آپ کو کوئی تکلیف اور غم نہ دے۔''

اس پر سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

((لایحزننی الله ولایسؤنی ما ابقی الله امیر المؤمنین .))

''امیر المومنین! اللہ تعالیٰ آپ کو سلامت رکھے، مجھے نہ تو کوئی غم ہے اور نہ تکلیف۔''

امیر المومنین سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے آپ کو دس لاکھ درہم اور بہت سا بیش قیمت سامان دیا اور کہا اس کو اپنے اہل وعیال پر خرچ کریں۔ (البدایة والنهایة ۸/۱۳۶۔ ۱۳۸)

یہ تو اہل بیت نبوت تھے۔ آپ کا دامن عفو و بخشش تو اپنی رعایا کے ہر فرد پر سایہ فگن تھا۔ چنانچہ آپ اکثر فرمایا کرتے تھے:

''میں اپنے نفس کو اس بات سے بچاتا ہوں کہ کوئی جرم ایسا ہو جو میرے عفو سے بڑھ کر ہو، یا کوئی سبک سری ایسی ہو جو میری بردباری پر چھا جائے، یا کوئی خطا ایسی ہو جسے میں چھپا نہ سکوں، یا کوئی برائی ایسی ہو جس کے مقابلہ میں میں احسان نہ کر سکوں۔'' (طبری ۶/۱۸۷۔ البدایة والنهایة ۸/۱۳۸۔ ابن اثیر ۲/۲۶۲)

سیدنا ابو مسلم خولانی رحمہ اللہ ایک بہت بڑے تابعی ہیں۔ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ ان کا بہت احترام فرماتے تھے اور یہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو نرم و گرم نصیحتیں کرتے رہتے تھے، لیکن سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ ان کی باتوں کا برا نہ مانتے بلکہ بڑی قدر سے ان کی نصیحتوں کو سنتے اور ان پر عمل بھی کرتے۔ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانے میں ایک دفعہ ایسا ہوا کہ سرکاری ملازمین کو دو تین ماہ کی تنخواہیں نہ ملیں۔ اسی دوران میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ ایک روز خطبہ کے لیے منبر پر تشریف لائے۔ جب خطبہ ارشاد فرمانے لگے تو خطبہ کے دوران میں ابو مسلم خولانی رحمہ اللہ درمیان میں بول پڑے اور کہا:

"اے معاویہ! یہ مال نہ تمہارا ہے اور نہ تمہارے باپ کا اور نہ تمہاری ماں کا۔"

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو ٹھہرنے کا اشارہ کیا اور اندر تشریف لے جا کر غسل فرمایا اور تھوڑی دیر کے بعد واپس تشریف لا کر کہا:

"لوگو! ابو مسلم نے کہا ہے کہ "یہ مال نہ میرا ہے نہ میرے باپ کا اور نہ میری ماں کا۔" ابو مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے درست کہا ہے اور میں نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ غصہ شیطانی اثر سے ہوتا ہے اور شیطان کو حق تعالیٰ نے آگ سے پیدا کیا ہے اور پانی آگ کو بجھاتا ہے، اس لیے جب تم میں سے کسی کو غصہ آئے تو اسے چاہیے کہ غسل کر لے۔ اب تم سب لوگ اپنی اپنی تنخواہیں وصول کر لو۔ اللہ تعالیٰ تمہیں برکت دے۔" (حلیة الاولیاء ۲/ ۱۳۰)

آپ کے اسی حلم، بردباری، اہل بیت نبوت اور رعایا سے حسن سلوک کی وجہ سے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے دست راست اور خاندان بنو ہاشم کے چشم و چراغ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما آپ کے بارہ میں فرمایا کرتے تھے!

"وہ اپنے پوشیدہ اسرار کی وجہ سے بلند ہوا اور اپنے اظہار سے اس نے غلبہ حاصل کیا۔ اظہار کے ذریعہ سے اسرار تک پہنچا اور اسے پالیا۔ اس کی بردباری اور حلم اس کے غضب پر غالب ہے، اور اس کی سخاوت اور داد و دہش اس کے بخل پر حاوی ہے۔ قطع رحمی سے پرہیز کرتا ہے اور صلہ رحمی کا خوگر ہے۔ آپس میں

ملاتا ہے جدا نہیں کرتا، اس لیے اس کے سب معاملات درست رہے اور وہ اپنی انتہا کو پہنچ گیا۔" (العقد الفريد ٢/٢٣٥)

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارہ میں آپ کا ایک اور قول ابن طقطقی نے ان الفاظ میں نقل کیا ہے:

((ما رأيت احداً اليق من اعطاف معاوية بالرياسة والملك))

(الفخری صفحہ ٧٦)

"میں نے معاویہ (رضی اللہ عنہ) سے زیادہ ریاست اور مملکت کے امور میں کسی کو زیادہ لائق نہیں دیکھا۔"

مورخین بتاتے ہیں کہ سیدنا حسن اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہما نے پوری زندگی سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے اپنے حق میں کوئی برائی نہ دیکھی اور نہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے انہیں کوئی ایذا پہنچائی۔

چنانچہ شیعہ مورخ ابوحنیفہ الدینوری نے لکھا ہے:

((قالوا لم يرالحسن و لا الحسين طول حياة معاويه منه سوءً في انفسهما ولا مكروهاً ولا قطع عنهما شيئًا مما كان شرط لهما ولا تغير لهما عن بر.)) (الاخبار الطوال صفحه ٢٢٥)

"مورخین کہتے ہیں کہ سیدنا حسن اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہما کو سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی زندگی میں کوئی تکلیف نہ پہنچی اور نہ ان کے حق میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی جانب سے کوئی ناگوار بات ظہور میں آئی۔ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان دونوں حضرات کے ساتھ جو شرائط کی تھیں، ان میں سے کسی شرط کو ضائع نہیں کیا اور کسی بھلائی کی بات کو تبدیل نہیں کیا۔"

الاصمعی نے روایت کیا ہے کہ ایک مرتبہ سیدنا حسن اور سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس تشریف لے گئے۔ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ سے کہا: "مرحبا! خوش آمدید اے فرزند رسول! اور آپ کی خدمت میں تین لاکھ درہم پیش کرنے کا حکم فرمایا۔ اور سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما سے بھی فرمایا: "مرحبا! خوش آمدید! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی

پھوبھی کے صاحبزادے!" اور ان کے لیے ایک لاکھ درہم پیش کرنے کا حکم فرمایا۔"

(البداية والنهاية ۱۳۷/۷)

حافظ ابن عساکر نے لکھا ہے کہ:

((ان الحسن والحسين كانا يقبلان جوائز معاوية .))

(تاريخ دمشق ۱۹۵/۵۹ ـ الشريعه صفحه ۲٤۷۰، اسناده حسن)

"بے شک سیدنا حسن اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہما سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے عطیات کو قبول فرمایا کرتے تھے۔"

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ ان دونوں حضرات کی ضروریات زندگی کا اپنے طور پر بھی خیال رکھا کرتے تھے اور ان کی ضروریات کو پورا کیا کرتے تھے۔ بلاذری نے لکھا ہے کہ ایک مرتبہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس تشریف فرما تھے۔ باتوں کے دوران میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ سے کہا: "بھتیجے! مجھے پتہ چلا ہے کہ آپ پر کچھ قرض ہے؟" سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے کہا: "ہاں"۔ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا: "کتنا قرض ہے؟" سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے بتایا: "ایک لاکھ درہم"۔ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے آپ کو تین لاکھ درہم دینے کا حکم فرمایا۔ پھر فرمایا کہ ان تین لاکھ درہموں میں سے ایک لاکھ سے آپ قرض ادا کریں، ایک لاکھ اپنے اہل بیت میں تقسیم فرمادیں اور ایک لاکھ خاص آپ کی ذات کے لیے ہے۔"

(انساب الاشراف ۸٤/۲)

ابن عساکر نے لکھا ہے کہ:

((كان لعبد الله بن جعفر من معاوية الف الف درهم في كل عام .)) (تاريخ دمشق ۱۹۵/۵۹)

"سیدنا عبداللہ بن جعفر طیارؓ کو سیدنا معاویہؓ کی طرف سے ہر سال دس لاکھ درہم ملتے تھے۔"

جب سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اہل بیت نبوی کے حضرات اور ہاشمی بزرگوں سے اتنی محبت اور شفقت سے پیش آتے تو یہ بزرگ بھی ان پر اپنی جان چھڑکتے تھے اور ان کی خلافت میں ان کے ہر کام میں شریک ہوتے یہاں تک اس زمانہ کی جنگوں میں بھی شمولیت فرمائی۔ چنانچہ

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ

((لما توفی الحسن کان الحسین یفد الیٰ معاویۃ فی کل عام فیعطیہ و یکرمہ، و قد کان فی الجیش الذین غزوا القسطنطنیۃ مع ابن معاویہ یزید فی سنہ احدی و خمیسن .))

(البدایۃ والنہایۃ ۸/ ۱۵۰۔ تاریخ الاسلام، ذہبی ۳/ ۱۱۔ تہذیب تاریخ ابن عساکر ۴/ ۳۱۱۔ (History of Saracens,P.84

''جب سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا تو سیدنا حسین رضی اللہ عنہ ہر سال سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ تشریف لے جاتے تھے۔ آپ انہیں بہت سے عطیات دیتے اور ان کا بہت اکرام کرتے۔ سنہ ۵۱ھ میں سیدنا حسین رضی اللہ عنہ غزوۂ قسطنطنیہ کے موقع پر یزید بن معاویہ کے ساتھ شامل لشکر تھے۔''

اس لشکر میں صرف سیدنا حسین رضی اللہ عنہ ہی نہیں تھے بلکہ حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے:

((فسار معہ خلق کثیر من کبراء الصحابۃ .))

(البدایۃ والنہایۃ ۸/ ۱۲۷، ۱۳۲)

''بڑے بڑے صحابہ کی ایک بہت بڑی تعداد آپ کے ساتھ روانہ ہوئی۔''

ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سیدنا ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ ان کی وفات بھی وہیں ہوئی اور وہ قسطنطنیہ کی فصیل کے قریب دفن ہوئے۔

(ملاحظہ ہو عمدۃ القاری ۴/ ۱۹۹۔ فتح الباری ۶/ ۷۸۔ ارشاد الساری ۵/ ۱۰۴)

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے بھائی سیدنا قثم بن عباس رضی اللہ عنہما صغار صحابہ میں سے تھے۔ آپ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے رضاعی بھائی بھی تھے۔ وہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں سعید بن عثمان بن عفانؓ کی زیر امارت سمرقند کی جنگ میں شریک ہوئے اور وہیں جام شہادت نوش فرمایا۔ (سیر اعلام النبلاء ۴/ ۵۱۵)

اس سے معلوم ہوا کہ ہاشمی بزرگ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کو درست تسلیم کرتے تھے اور ہر کام میں ان سے تعاون فرماتے تھے۔

تاریخ کی ان ثقہ شہادتوں سے واضح ہوتا ہے کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ پر یہ الزام بھی جہالت

اور تعصب پر مبنی ہے اور صرف ان کی شخصیت کو بد نام کرنے کے لیے تراشا گیا ہے کہ اہل بیت نبوت سے ان کا برتاؤ درست نہیں تھا۔ وہ خانوادۂ نبوت اور دوسرے ہاشمی بزرگوں کو نہایت عزت واحترام کی نگاہ سے دیکھتے تھے اوران کا ادب واحترام کرتے تھے۔ ان کا آپس میں کوئی بغض، حسد وعناد اور تعصب نہیں تھا۔ ان میں نسبی اور ایمانی رشتہ کی کڑیاں نہایت مضبوط اور مستحکم تھیں کیوں کہ بنو ہاشم اور بنو امیہ دونوں ایک ہی دریا کی نہریں اور ایک ہی درخت کی شاخیں تھیں۔



سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کو زہر دلوانا

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ پر ایک اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ انہوں نے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کو زہر دلوا کر شہید کروا دیا تھا۔ یہ اعتراض جس قدر سنگین ہے اسی قدر کمزور اور نا قابل اعتبار بھی ہے۔ کیوں کہ تواریخ میں اس بارہ میں جو روایات نقل کی گئی ہیں وہ روایتاً اور درایتاً غلط ہیں۔ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کو زہر دلوانے سے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو کیا فائدہ پہنچ سکتا تھا۔ بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ سیدنا معاویہ اور سیدنا حسن رضی اللہ عنہما کے مابین خلافت کے بارہ میں جو مصالحت ہوئی تھی، اس میں ایک شرط یہ بھی تھی کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد سیدنا حسن رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوں گے۔ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ چونکہ اپنے بعد اپنے بیٹے یزید کو خلیفہ بنانا چاہتے تھے، اس لیے اس شرط سے انحراف کرنے کے لیے انہوں نے اپنی زندگی میں ساز باز کر کے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کو زہر دلوا کر شہید کروا دیا۔ لیکن تاریخ کی کتابوں میں سیدنا معاویہ اور سیدنا حسن رضی اللہ عنہما کے مابین مصالحت میں اس شرط کا کوئی تذکرہ نہیں۔ اس وجہ سے سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو سیدنا حسن رضی اللہ عنہ سے کیا پرخاش ہو سکتی تھی جس کی وجہ سے وہ زہر دلواتے۔ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ جیسا صاحب بصیرت اور صاحب زہد و تقویٰ شخص ایسا شرم ناک اور گھناؤنا فعل کبھی نہیں کر سکتا۔

وہ مورخین جن کی روایات پر اعتماد کر کے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ پر اتنا گھناؤنا اور سنگین الزام لگایا جاتا ہے، وہ تو سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی تاریخ وفات کے بارہ میں بھی متفق نہیں ہیں، چہ جائے کہ ان کی وجہ وفات پر ان کے قول کو معتبر مانا جائے۔

ابن جریر طبری شعبان ۴۱ھ لکھتے ہیں لیکن ابن اثیر ۴۹ھ یا ۵۰ھ یا ۵۱ھ، اور علامہ سیوطی ۴۹ھ یا ربیع الاوّل ۵۰ھ، اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ۴۹ھ، ۵۱ھ، ۵۶ھ، ۵۸ھ، اور ۵۹ھ نقل کیا ہے۔

تاریخ کی کتابوں میں اس بارہ میں کوئی بھی معتبر روایت نقل نہیں کی گئی۔ قدیم مورخین

نے تو زہر خورانی کی روایت کا سرے سے تذکرہ ہی نہیں کیا اور جن مورخین نے اس روایت کا تذکرہ کیا ہے انہوں نے بھی بغیر کسی کا نام لیے صرف ''ذکر''، ''قیل'' اور ''یقال'' وغیرہ تمریض کے صیغوں سے اس کا تذکرہ کیا ہے جو ضعف روایت پر دلالت کرتے ہیں۔ (ملاحظہ ہو: یعقوبی ۲۶۶/۲۔ الاصابة ۱۳/۲۔ مروج الذهب ۵۰/۲۔ الاستیعاب ۱۴۲/۱۔ اسد الغابة ۱۱۵/۲۔ تهذیب التهذیب ۳۰۱/۲۔ البداية والنهاية ۴۲/۸۔ ابن اثیر ۲۲۸/۳۔ ابن خلدون ۱۸۲/۲۔ ابو الفداء ۱۸۳/۱) اور اتنے بڑے واقعے کے لیے یہ تمریض کے صیغے کیا حیثیت رکھتے ہیں؟

چنانچہ طبقات ابن سعد، الاستیعاب، اسد الغابہ اور الاصابہ وغیرہ میں جس قدر بھی روایات اس واقعہ کے بارہ میں نقل کی گئی ہیں وہ ساری کی ساری بے سند ہیں اور کسی میں بھی یقین کے ساتھ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا نام نہیں لیا گیا بلکہ ان روایتوں میں یہ بھی آتا ہے کہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ سے جب اس زہر دینے والے کا نام پوچھا گیا تو انہوں نے نام بتانے سے انکار کر دیا جیسا کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے الاصابہ میں ابن سعد کی روایت کے حوالہ سے لکھا ہے!

((فاتاه الحسين بن على فسأله من سقاه فابٰى ان يخبره رحمه الله تعالىٰ .)) (الاصابة ۶۵/۲۔۶۶)

''بعد ازیں سیدنا حسین بن علی رضی اللہ عنہما، سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور پوچھا کہ آپ کو یہ زہر کس نے دیا؟ آپ نے اس کا نام بتانے سے انکار کر دیا اللہ تعالیٰ ان پر رحم فرمائے۔''

جب زہر پینے والے نے نہیں بتایا کہ اسے کس نے زہر دیا ہے تو بعد والے راویوں کو کیسے پتہ چل گیا کہ زہر دینے والے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ تھے۔

یعقوبی نے شیعہ ہونے کے باوجود زہر دینے والے کا نام نہیں بتایا (یعقوبی ۲۱۶/۲)

مسعودی نے بھی اس واقعہ کا ذکر کر کے آخر میں لکھا ہے:

((وذكر ان امرأته جعدة بنت الاشعث بن قيس الكندى سقته السم و قد كان معاوية دس اليها .)) (مروج الذهب ۵۰/۲)

''بیان کیا جاتا ہے کہ آپ کی بیوی جعدہ بنت اشعث بن قیس الکندی نے

معاویہ (رضی اللہ عنہ) کے اشارہ سے آپ کو زہر دیا تھا۔"

اس روایت میں پہلے تو یہ بتایا گیا کہ سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہما قضائے حاجت کے لیے گئے۔ وہاں سے واپس لوٹے تو فرمایا کہ مجھے کئی مرتبہ زہر پلایا گیا لیکن اس مرتبہ کے سوا ایسا کبھی نہ تھا۔ اس مرتبہ میرے جگر کے ٹکڑے باہر آگئے ہیں۔ تم مجھے دیکھتے کہ میں ان کو اپنے ہاتھ کی لکڑی سے الٹ پلٹ کر دیکھ رہا تھا۔ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ نے پوچھا: "آپ کو زہر کس نے دیا ہے؟" سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ "اس سے تمہارا کیا مقصد ہے۔ اگر زہر دینے والا وہی ہے جس کے بارہ میں میرا گمان ہے تو اللہ تعالیٰ اس سے بدلہ لینے کے لیے کافی ہے، اور اگر وہ نہیں، کوئی اور ہے تو میں یہ پسند نہیں کرتا کہ میری وجہ سے کوئی بے گناہ پکڑا جائے۔" اور تین روز بعد آپ انتقال فرما گئے۔ (مروج الذهب ۳/ ۵۰)

آپ اس سے اندازہ فرمالیں کہ یہ روایت کتنی درست اور صحیح ہوسکتی ہے کہ آپ کے پاخانہ کے راستہ سے جگر کے ٹکڑے آرہے تھے اور آپ اتنے نظیف الطبع ہونے کے باوجود ان کو الٹ پلٹ کر کے دیکھ رہے تھے۔ جب جگر کے ٹکڑے اس طرح خارج ہوں تو آدمی تین روز تو کیا، تین گھنٹے بھی نہیں نکال سکتا۔ پھر اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کو بھی زہر دینے والے کا قطعی علم نہیں تھا۔

علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ نے زہر کا الزام یزید بن معاویہ کے سر تھوپا ہے۔ چنانچہ لکھا ہے:

((توفی الحسن بالمدينة مسموماً سمته زوجته جعده بنت الاشعث بن قيس دس اليها يزيد بن معاوية ان تسمه .))

(تاریخ الخلفاء صفحه ۱۹۱)

"سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی وفات مدینہ طیبہ میں زہر دینے کی وجہ سے ہوئی۔ ان کو ان کی بیوی جعدہ بنت اشعث بن قیس نے یزید بن معاویہ کے اشارے سے زہر دیا تھا۔"

ابو الفداء نے یزید اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ دونوں کا نام لے کر معاملہ کو اور زیادہ اشتباہ میں

ڈال دیا ہے۔ علامہ ابن جوزی رحمہ اللہ نے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی وفات کا ذکر کرتے ہوئے کسی زہر وغیرہ کا تذکرہ نہیں کیا بلکہ ''مرض'' (بیماری) کا استعمال کیا ہے۔ چنانچہ لکھا ہے:

((مرض الحسن بن علی اربعین یوماً .))

(صفة الصفوة ۱/۳۲۰۔ تاریخ الخمیس ۲/۳۲٦)

''سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہ چالیس روز تک بیماری میں مبتلا رہے۔''

دمیری نے بیماری کی مدت دو ماہ لکھی ہے۔ (حیوة الحیوان ۱/٦٦)

متذکرۃ الصدر عبارتوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ زہر خورانی کی نسبت سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف صحیح نہیں کیوں کہ اگر یہ نسبت سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف صحیح ہوتی تو اس بارہ میں کسی شخص کا نام لیا جاتا کہ فلاں شخص نے یہ کہا ہے کہ فلاں نے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ سے سنا کہ مجھے فلاں آدمی نے زہر دیا ہے۔ ''قیل'' یا ''ذکر'' جیسے کمزور الفاظ سے اس کو بیان کرنا اس واقعہ کے غلط ہونے کی بین دلیل ہے، بلکہ ابن خلدون جیسے ثقہ اور نقاد مورخ نے تو صاف الفاظ میں لکھ دیا ہے کہ زہر خورانی کا واقعہ ''شیعہ حضرات'' کا گھڑا ہوا ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

((ما ینقل ان معاویة دس الیه السم مع زوجته جعدة بنت الاشعث فهو من احادیث الشیعة وحاشا لمعاویة من ذالك .)) (ابن خلدون ۲/۱۱۳۹)

''یہ جو نقل کیا جاتا ہے کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کی اہلیہ جعدہ بنت اشعث سے مل کر ان کو زہر دلایا تھا، یہ سب شیعوں کی بنائی ہوئی باتیں ہیں اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی ذات اس سے مبرا ہے۔''

علامہ ذہبی رحمہ اللہ اپنی تاریخ میں زہر خورانی کی روایت نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

((قلت هذا شیء لا یصح فمن الذی اطلع علیه .))

(تاریخ الاسلام ۲/۳۱۹)

''میں کہتا ہوں کہ یہ بات صحیح نہیں ہے اور کون شخص اس پر مطلع ہوا (کیوں کہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے نام تو بتایا نہیں تھا۔''

موجودہ صدی کے نامور مورخ احمد شلبی زہر خورانی کی روایت نقل کر کے لکھتے ہیں:

((ولكن ذالك الاتهام لم يثبت .))

(التاريخ الاسلامی و الحضارة الاسلامية ۲/ ۳۳)

''لیکن یہ (سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ پر) ایک اتہام ہے جو ثابت نہیں ہے۔''

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ:

((وعندی ان هذا ليس بصحيح ، وعدم صحة عن ابيه معاوية بطريق الاولى .)) (البداية والنهاية: ۸/ ۴۳)

''میرے نزدیک تو یہ بات بھی درست نہیں ہے کہ یزید نے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کو زہر دے کر شہید کر دیا، لہٰذا اس کے والد سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق یہ گمان کرنا تو بطریق اولیٰ غلط ہے۔''

علامہ طبری نے زہر خورانی کے بارہ میں کچھ نہیں لکھا، البتہ ابن اثیر نے الکامل میں لکھا ہے کہ ۴۹ھ میں سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے وفات پائی۔ ان کو ان کی بیوی جعدہ بنت اشعث بن قیس الکندی نے زہر دیا تھا۔ (الکامل ۳/ ۱۸۲)

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے بھی اس واقعہ کو غلط قرار دیا ہے۔ فرماتے ہیں:

''بعض حضرات کا یہ کہنا کہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کو سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے زہر دیا تھا، کسی شرعی دلیل اور معتبر اقرار سے ثابت نہیں اور نہ کوئی قوی اور صحیح روایت ہی اس کی شہادت دیتی ہے، اور یہ واقعہ ان واقعات میں سے ہے جس کی گہرائی میں پہنچا جا سکتا ہے۔ یہ تو ایسی بات ہے جس پر یقین کر لینا بلا دلیل یقین کر لینے کے مترادف ہے۔'' (منهاج السنة ۲/ ۲۲۵)

قریباً یہی کچھ علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے ''المنتقیٰ من الاعتدال فی نقض کلام الرفض و الاعتزال'' صفحہ ۲۶۶ پر بیان کیا ہے۔

ان دلائل قاطعہ سے واضح ہوتا ہے کہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کو زہر نہیں دیا گیا تھا۔ اگر بالفرض دیا گیا تھا تو اس میں نہ تو یزید کا کوئی ہاتھ ہے اور نہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا، بلکہ روافض نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو بدنام کرنے کے لیے یہ روایت گھڑی ہے۔ چنانچہ کئی مورخین نے اس روایت کو بڑی اہمیت دی ہے اور اس پر خوب حاشیے چڑھائے ہیں۔

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: بحارالانوار، ملا باقر مجلسی ۱۰۳/۱۰۔ ابن ابی الحدید ١٧/٤۔ تاریخ طاهر مقدسی ٥/٦۔ الامامة والسياسة ١٧٥/١۔ روضة الصفاء ٧/٣۔ اعيان الشيعه ٧٠/٤)



سیدنا علی رضی اللہ عنہ پر سب وشتم

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ پر ایک اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ انہوں نے اپنے دور خلافت میں ایک نہایت مکروہ بدعت شروع کی کہ وہ خود اور ان کے تمام گورنر اپنے خطبوں میں بر سر عام سیدنا علی رضی اللہ عنہ پر سب وشتم کرتے یہاں تک کہ مسجد نبوی کے منبر پر بھی آپ پر سب وشتم کی بوچھاڑ ہوتی۔

یہ اعتراض بھی ایسا ہے جو جعلی اور موضوع روایات پر مبنی ہے کیونکہ بنو امیہ کے عمال اور سربراہان کے امیج (IMAGE) کو خراب کرنے کے لیے دشمنان اسلام نے اس قسم کی روایات وضع کی ہوئی ہیں۔ صحابہ جن کو حق تعالیٰ نے اپنی رضا کا سرٹیفکیٹ دیا ہوا ہے ان سے اس قسم کے اخلاق کا مظاہرہ محال اور ناممکن ہے۔ پھر جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے صاف الفاظ میں فرمایا ہے:

﴿وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ وَزَيَّنَهٗ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَكَرَّهَ اِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْيَانَ ۭ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الرّٰشِدُوْنَ ۝ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَنِعْمَةً ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ﴾ (الحجرات: ۸)

''اللہ تعالیٰ نے تمہارے دلوں میں ایمان کی محبت ڈال دی اور ایمان سے تمہارے دلوں کو مزین کر دیا اور کفر، فسوق اور عصیان کو تمہارے لیے مکروہ اور ناپسندیدہ بنا دیا۔ یہی لوگ راشدین (ہدایت یافتہ) ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کے احسان سے اور اللہ تعالیٰ خوب جاننے والا اور حکمت والا ہے۔''

اور بقول شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ:

''ایمان کی محبت یہ ہے کہ بلا تفصیل ان تمام احکام کی محبت ہو (یعنی فرائض اور مستحباب دونوں کی محبت ہو) اس کے مقابل حالت بعض مرتبہ کفر کی ہوگی اور

بعض مرتبہ صرف فسوق اور عصیان کی حد تک رہے گی۔ مومن کامل کے لیے ضروری ہے کہ وہ صرف کفر ہی سے نہیں بلکہ فسق و عصیان سے بھی نفرت کرے۔" (کتاب الایمان صفحہ ۱۷)

سب وشتم ان معنوں میں جن معنوں میں دشمنانِ صحابہ رضی اللہ عنہم مراد لیتے ہیں "فسق" ہے، کیونکہ حدیث میں صاف الفاظ میں مرقوم ہے:

((سباب المسلم فسوق .)) (بخاری)

"مسلمان کو گالی دینا فسق ہے۔"

اب اگر سب وشتم اپنے حقیقی معنوں میں ہے تو وہ تو "فسق" ہے اور قرآن صاف الفاظ میں صحابہ رضی اللہ عنہم سے "فسوق" کی نفی کر رہا ہے۔ اب یا تو قرآن کو صحیح مان لیں یا ان روایات کو صحیح مان لیں جن کے راوی ابو مخنف لوط بن یحییٰ جیسے کٹر شیعی اور ہشام بن محمد کلبی جیسے رافضی (لسان المیزان جلد ٦ صفحہ ١٦٩ ۔ المنتقی صفحہ ٢١) ہیں اور جنہوں نے صحابہ رضی اللہ عنہم کی جو قرآن و حدیث کے اوّلین راوی ہیں، پوزیشن کو داغدار کرنے کے لیے ہزاروں جعلی روایتیں گھڑ لی ہیں اور مورخین نے ان کو اپنی کتابوں میں جمع کر دیا ہے۔

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کوئی معمولی آدمی نہیں تھے۔ سردار قریش سیدنا ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے فرزند ارجمند اور سیدنا یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما اور ام المومنین سیدہ ام حبیبہ سلام اللہ علیہا کے بھائی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے برادر نسبتی تھے۔ زمانہ جاہلیت میں بھی ایسے والد کے چشم و چراغ تھے جس کی سیادت سارے عرب میں مسلم تھی۔ اس والدہ کے بیٹے تھے جس نے فتح مکہ کے روز جب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں سے بیعت لی اور زنا نہ کرنے کے متعلق فرمایا تو سیدہ ہند رضی اللہ عنہا والدہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: "یا رسول اللہ! کیا شریف عورت زنا کر سکتی ہے؟" اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان پر کہ "کسی پر بہتان نہ لگانا۔" سیدہ ہند رضی اللہ عنہا نے عرض کیا:

((واللہ ان اتیان البھتان بقبیح وما تأمرنا الا بالرشد ومکارم الاخلاق .)) (زرقانی جلد٢ صفحہ ٣١٦، کامل ابن اثیر جلد ٢ ص٩٦)

''خدا کی قسم کسی پر بہتان باندھنا نہایت ہی بڑا ہے اور آپ ہم کو سوائے رشد اور ہدایت اور مکارم اخلاق کے کسی اور چیز کا حکم نہیں دیتے۔''

ایسی بلند ہمت اور اعلیٰ اخلاق کی مالکہ عورت کا ایسا عظیم الشان بیٹا جس کو جناب رسول اللہ ﷺ نے اپنی خاص دعاؤں سے نوازا ہو۔ کیا داماد رسول ﷺ پر سب وشتم کر سکتا ہے یا اپنے عمال کو سب وشتم کا حکم دے سکتا ہے؟ یہ صرف دشمنان صحابہ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو بدنام کرنے کے لیے ایسی روایات گھڑی ہوئی ہیں، حقیقت سے ان کا کوئی تعلق نہیں۔

(ترمذی جلد ۲ صفحہ ۲۱۱۔ البدایة والنهایة جلد ۸ صفحہ ۱۲۰۔ کنزالعمال جلد۷ صفحہ ۸۷)

بخاری میں ایک روایت ہے جس سے اس سب وشتم کا پتہ چلتا ہے جس کو یار لوگوں نے گالی کے معنوں میں لیا ہے:

((ان رجلا جاء الی سهل بن سعد فقال هذا فلان امیر المدینه یدعو علیاً عند المنبر قال فیقول ما ذا قال یقول له ابو تراب فضحك و قال والله ما سماه الا النبی ﷺ وما کان له اسم احب الیه منه .)) (بخاری جلد۱ صفحہ ۵۲۵)

''ایک شخص سیدنا سہل رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور بولا کہ امیر مدینہ منبر پر کھڑے ہو کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو سب کرتا ہے۔ حضرت سہل رضی اللہ عنہ نے پوچھا وہ کیا کہتا ہے۔ اس نے کہا کہ وہ انہیں ''ابوتراب'' کہتا ہے۔ سیدنا سہل رضی اللہ عنہ ہنس پڑے اور فرمایا: خدا کی قسم اس نام سے تو انہیں خود جناب رسول اللہ ﷺ نے پکارا ہے اور آپ کے نزدیک ان کا اس سے زیادہ پیارا نام کوئی اور نہ تھا۔''

ایک اور روایت میں آتا ہے کہ سیدنا سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے یہ کہا گیا کہ:

((ان امیر المدینة یرید ان یبعث الیك تسب علیا عند المنبر ، قال کیف اقول ، قال تقول ابو تراب .))

''امیر مدینہ آپ کے پاس ایک آدمی بھیج کر آپ سے سیدنا علی رضی اللہ عنہ پر برسر منبر سب کروانا چاہتا ہے۔ آپ نے کہا کیا کہوں؟ کہا کہ آپ انہیں ابوتراب کہیں۔''

سیدنا سہل بن سعد رضی اللہ عنہ نے یہ سن کر فرمایا: بخدا یہ نام تو آپ کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رکھا ہوا ہے اور آپ کے نزدیک ان کا اس سے پیارا اور کوئی نام ہی نہیں تھا۔

(الاستیعاب جلد ۳ صفحہ ۵٤۔ فتح الباری جلد ۷ صفحہ ۵۸)

ان روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جب کوئی سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو ان کے اس لقب سے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت زیادہ محبوب تھا، پکارتا تو سبائی جن کی ایک اچھی خاصی تعداد شہادت عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے گرد جمع ہو گئی تھی اور ''بظاہر دوست بباطن دشمن'' کے روپ میں ان کے خلاف بھی زہر پھیلا رہی تھی، اس شخص کو بدنام کرنا شروع کر دیتے کہ دیکھو فلاں شخص سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو سب وشتم کر رہا ہے۔ اور سب وشتم کی حقیقت صرف اتنی تھی کہ ان کو اس لقب سے یاد کیا جاتا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت زیادہ محبوب تھا یعنی ''ابوتراب''۔ آپ تاریخ کی کتابوں کو کنگھال جایئے آپ کو سب وشتم کی اس کے علاوہ اور کوئی حقیقت نظر نہیں آئے گی۔ ابومخنف لوط بن یحییٰ اور ابن کلبی اور ان کے متبعین یہ تو نقل کریں گے کہ ''سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے گورنر سیدنا علی رضی اللہ عنہ پر سب وشتم کرتے'' لیکن جب ان سے سب وشتم کی حقیقت پوچھی جاتی ہے تو جواب یہ ملتا ہے کہ ان کو خطبوں میں ''ابوتراب'' کہا جاتا۔ اصل میں ''ابوتراب'' کہنے والا سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو سب وشتم نہیں کر رہا بلکہ ''ابوتراب'' کو سب وشتم سمجھنے والا دراصل سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو سب وشتم کر رہا ہے۔

بعض حضرات اپنے موقف کی تائید میں صحیح مسلم کی یہ روایت بھی پیش کرتے ہیں کہ عامر بن سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ:

((امر معاویة بن ابی سفیان سعداً فقال ما منعك ان تسب ابا تراب، فقال اما ما ذکرت ثلاثاً قالھن رسول اللہ ﷺ فلن اسبه ...... الخ .)) (صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۲۷۸)

''سیدنا معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما نے سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو حکم دیا، پھر کہا آپ کو کس شے نے روکا ہے کہ آپ ابوتراب (سیدنا علی رضی اللہ عنہ) پر ''سب'' کریں؟ انہوں نے جواباً کہا کہ جب میں ان تین ارشادات کو یاد کرتا ہوں جو

رسول اللہ ﷺ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے متعلق فرمائے تھے تو میں ہرگز ان پر
''سب'' نہیں کر سکتا۔''

اس روایت کے محدثین نے کئی جوابات دیے ہیں۔ (ملاحظہ ہو صحیح مسلم جلد ۲ ص ۲۸۶)
لیکن اس حدیث میں ''سب'' کا مطلب گالی نہیں بلکہ اختلاف رائے اور غلطی پر ٹوکنا ہے۔
کیونکہ ''سب'' کے معنی ہر جگہ گالی دینا نہیں ہوتا۔ اگرچہ برا بھلا کہنے اور گالی دینے کو بھی عربی زبان میں ''سب'' کہتے ہیں۔ چنانچہ اسی لیے صحیح مسلم میں ایک حدیث ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے غزوہ تبوک کے سفر میں صحابہ رضی اللہ عنہم کو یہ ہدایت فرمائی کہ کل جب تم تبوک کے چشمہ پر پہنچو تو

((فلا یمس من مائها شیئاً حتی اتی .))
''میرے پہنچنے سے پہلے اس کے پانی کو کوئی نہ چھوئے۔''

اتفاقاً دو رفقاء قافلے سے آگے نکل کر چشمہ پر پہلے پہنچ گئے اور انہوں نے پانی پی لیا۔
آپ ﷺ کو ان کی اس حرکت کا پتہ چلا تو آپ نے ان دونوں سے پوچھا کہ کیا تم نے اس چشمہ کے پانی کو استعمال کیا ہے؟ انہوں نے اثبات میں جواب دیا۔

((فسبهما النبی ﷺ .)) (صحیح مسلم جلد ۲ صفحه ۲٤٦)
''نبی اکرم ﷺ نے ان دونوں کو ''سب'' فرمایا۔''

اس حدیث کا مطلب یہ نہیں کہ (معاذ اللہ) جناب رسول اللہ ﷺ نے ان دونوں کو گالی گلوچ کیا یا ان پر سب و شتم کی بوچھاڑ کر دی بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ نے ان دونوں کی غلطی پر ان کو ٹوکا یا ان کے اس کام سے اختلاف فرمایا۔ اس سے معلوم ہوا کہ ''سب'' کا ہر جگہ معنی گالی ہی نہیں ہوتا بلکہ ''اختلاف رائے کرنا'' اور ''غلطی پر ٹوکنا'' بھی ہوتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اور دوسرے اکابر بنو امیہ کو بدنام کرنے کی خاطر ایسی روایتیں وضع کی گئیں ورنہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نہ تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے مخالف اور دشمن تھے کہ ان پر سب و شتم کرتے اور نہ کم ظرف تھے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے فضائل اور مناقب کا اعتراف نہ کرتے۔ آپ نے اپنے آخری خطبہ میں تمام لوگوں کے سامنے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے اپنے سے

ضل اور بہتر ہونے کا اعتراف فرمایا:

((لن یاتیکم من بعدی الا من انا خیر منه کما ان من قبلی کان خیر منی .)) (ابن اثیر جلد ٤ صفحه ٢)

''میرے بعد تمہارے پاس جو (خلیفہ) بھی آئے گا میں اس سے بہتر ہوں گا جس طرح مجھ سے پہلے جتنے خلفاء تھے مجھ سے بہتر تھے۔''

روایات میں آتا ہے کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا اکثر ذکر کر کے رویا کرتے تھے چنانچہ ایک مرتبہ ایک شخص ضرار صدائی آپ کے پاس آیا جو سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے حاشیہ نشینوں میں سے تھا۔ اس کو دیکھ کر آپ کو سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی یاد آئی۔ فرمایا: ضرار! (سیدنا) علی (رضی اللہ عنہ) کے کچھ اوصاف بیان کرو۔ اس نے پہلے تو انکار کیا، کیونکہ وہ نہیں چاہتے تھے کہ اس محبوب و محترم کی یاد میں اپنے قلب کو نمناک کریں، لیکن سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو اپنے بھائی اور ساتھی کا تذکرہ سننے کا اشتیاق تھا، لہٰذا آپ نے اصرار فرمایا۔ آپ کے اصرار سے متاثر ہو کر ضرار نے آپ کی شخصیت کا ایسا نقشہ کھینچا جو شنیدنی ہے۔ کہا:

''حضرت! وہ نہایت بلند حوصلہ اور قوی تھے، نپی تلی بات کہتے تھے، عادلانہ فیصلہ کرتے تھے۔ سراپا علم بلکہ ہر سمت سے علم کا چشمہ پھوٹا ہوا تھا۔ حکمت کا دریا موجزن تھا۔ دنیا اور اس کی دل فریبیوں سے ایک گونہ تنفر تھا۔ رات کی تیرگی اور وحشت سے انتہائی انس تھا۔ آخرت کے لیے بہت فکر مند بلکہ ہر وقت اسی فکر میں ڈوبے رہتے تھے۔ لباس کی سادگی دیدنی تھی۔ کھانا تکلفات سے یک قلم خالی، سادہ اور موٹا جھوٹا، ہم ہی کی طرح رہتے تھے، کچھ امتیاز نہیں تھا۔ جب ہم کچھ پوچھتے تو اس کا جواب دیتے ورنہ خاموش رہتے۔ باوجودیکہ وہ ہم سے محبت کرتے تھے اور ہم ان سے، وہ ہم کو اپنے قریب رکھتے تھے اور خود ہمارے قریب رہتے تھے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ آپ کا رعب و داب اور آپ کی ہیبت اور وجاہت ہمارے دلوں پر اس طرح مستولی تھی کہ ہم آپ سے بات نہ کر سکتے تھے۔ متدین حضرات کی عظمت ان کے قلب میں تھی اور غرباء کو ہمیشہ اپنا مقرب

بناتے تھے۔ ان کے سامنے طاقتور ناحق میں طمع نہیں کر سکتا تھا اور ضعیف و ناتواں عدل وانصاف سے کبھی مایوس نہیں ہوسکتا تھا۔ اکثر مواقع پر میں نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ کاروانِ شب رخت سفر باندھنے کو ہے، چاند اپنے سفر کی منزلیں طے کر کے منزل مقصود کی جانب رینگتا ہوا جا رہا ہے، جھلملاتے تارے چراغ سحری کی طرح اپنے آخری سانسوں پر ہیں اور زاہدان شب زندہ دار دعائے نیم شبی کے لیے اپنے نرم و نازک بستروں پر کروٹیں لے رہے ہیں لیکن وہ اپنی ڈاڑھی مٹھی میں لیے مارگزیدہ اور عاشق خواب نادیدہ کی طرح بے قرار اور اشکبار دنیا کو مخاطب کرتے ہوئے فرما رہے ہیں: اے دنیا! اے فریب دینے والی دنیا! یہ فریب کسی اور کو دے، تو مجھ سے اپنی چاہت اور انسیت کا اظہار کر رہی ہے اور بڑے اشتیاق سے میری جانب لپک رہی ہے۔ حالانکہ میں نے تجھے تین طلاقیں دی ہوئی ہیں اور تجھے ہمیشہ کے لیے اپنے اوپر حرام قرار دیا ہوا ہے۔ میں کبھی تیری طرف آنے کا نہیں۔ تیری عمر قلیل اور تیرا مقصد ذلیل، لیکن راستہ اور سفر طویل اور زاد راہ بالکل حقیر وقصیر ہے۔''

یہ سننا تھا اور دیکھنے والوں نے یہ دیکھا کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی آنکھوں سے آنسوؤں کی ندیاں رواں تھیں اور آپ کی زبان پر یہ الفاظ تھے:

((رحم الله ابا الحسن، كان والله كذالك، كان والله كذالك.)) (الاستيعاب جلد ۳ صفحه ۴۳۔ ۴۴۔ روضة النظرة جلد ۲ صفحه ۲۱۲)

''اللہ تعالیٰ ابوالحسن (سیدنا علی رضی اللہ عنہ) پر رحم فرمائے، واللہ! وہ ایسے ہی تھے، وہ ایسے ہی تھے۔''

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی سیاسی فکر سے اختلاف ہونے کے باوجود آپ ان کے تقویٰ، فضل و کمال، عدل ومساوات، سلامتی طبع، امانت و دیانت اور علم وحکمت کے معترف تھے۔ چنانچہ جب آپ کو سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی شہادت جانکاہ کی خبر پہنچی تو آپ اس وقت اپنی اہلیہ محترمہ سیدہ فاختہ بنت قرظہ کے ہاں استراحت فرما رہے تھے۔ خبر سنتے ہی آپ فوراً اٹھ بیٹھے اور انا للہ

و انا اليه راجعون پڑھا۔اس کے بعد رونا شروع کر دیا۔آپ کی اہلیہ محترمہ نے کہا:

((اتبكيه و قد قاتلته .))

"آپ ان پر آنسو بہا رہے ہیں حالانکہ آپ ان سے لڑ چکے ہیں؟"

آپ نے فرمایا:

((انك لا تدرين ما فقد الناس من الفضل والفقه والعلم .))

(البداية والنهاية جلد ۸ صفحه ۱۳۰)

"تمہیں پتہ نہیں کہ آج لوگوں نے ایک ایسے آدمی کو کھو دیا جو علم و فضل اور فقہ میں فقید المثال تھا۔"

سیدنا علی رضی اللہ عنہ پر سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا سب وشتم کرنا اور اپنے گورنروں کو اس کی تلقین کرنا کیسے ممکن ہو سکتا ہے جب کہ آپ کسی کے منہ سے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے خلاف کوئی بات بھی سننے کے لیے تیار نہ تھے۔امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت بسر بن ارطاۃ رضی اللہ عنہ نے سیدنا معاویہ اور سیدنا زید بن عمر بن خطاب رضی اللہ عنہما کی موجودگی میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے بارہ میں کوئی نازیبا کلمہ کہہ دیا۔سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس پر ابن ارطاۃ رضی اللہ عنہ کو زجر و توبیخ کی اور فرمایا:

((تشتم عليا وهو جده .)) (ابن اثیر جلد ٤ ص ٥۔ طبری جلد ٤ ص ٢٤٨)

"تم علی (رضی اللہ عنہ) کو برا بھلا کہتے ہو حالانکہ وہ ان کے نانا ہیں۔"

یہ روایت اس بات کی بین دلیل ہے کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نہ تو خود اور نہ ان کے گورنر سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو اپنے خطاب میں سب وشتم کرتے تھے کیونکہ جب ایک خاص مجلس میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے خاص رفیق سیدنا بسر بن ارطاۃ رضی اللہ عنہ کو جب انہوں نے کسی وجہ سے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی شان میں کوئی نازیبا سا لفظ کہا، ڈانٹ دیا اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے نواسے اور سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے کے جذبات کا احترام فرمایا تو ایسا شخص برسر عام اس فعل کا کیسے ارتکاب کر سکتا ہے اور تمام اہل بیت نبوت کے جذبات کو اس طرح کیسے مجروح کر سکتا ہے؟

تاریخ کے اوراق اس بات کی شہادت بھی فراہم کرتے ہیں کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور ان کے خاندان سے بہت محبت تھی اور آپ ان کی بہت تعظیم و توقیر فرمایا

کرتے تھے مختلف قسم کے ہدیے اور تحائف ان کی خدمت میں ارسال فرماتے اور وہ بصد خوشی ومسرت ان ہدیوں کو قبول فرماتے۔

ا: آپ سیدنا حسن اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہما کی مختلف تحائف اور ہدیوں سے خاطر و مدارات فرماتے۔(البدایة والنهایة جلد ۸ صفحه ۴۱۰)

ب: آپ سالانہ دس دس لاکھ درہم سیدنا حسن اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہما کو دیتے اور ان کے بیٹے یزید بیس لاکھ درہم دیتے رہے۔ اتنی ہی رقم سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو دیتے اور سیدنا عبداللہ بن جعفر طیار رضی اللہ عنہما (جو سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے بہنوئی اور آپ کی بہن سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے خاوند تھے) کو دیتے تھے۔(شرح ابن ابی الحدید جلد ۲ صفحه ۸۲۳)

ج: ان سالانہ دس لاکھ درہموں کے علاوہ اور بہت سے ہدیے بھی سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کو بھیجتے جو وہ بصد خوشی قبول فرماتے۔(مقتل ابی مخنف صفحه ۷)

د: سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کبھی اکیلے اور کبھی اپنے بھائی سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہر سال سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس تشریف لے جاتے اور وہ ان کی بہت عزت و تکریم فرماتے اور ان کو بہت تحائف وغیرہ دیتے۔ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد بھی ہر سال آپ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس جاتے اور وہ ان کو بہت عطیات وغیرہ دیتے اور بہت عزت و تکریم سے پیش آتے۔(البدایة والنهایة جلد ۸ صفحه ۱۵۰۔ ۱۵۱)

ھ: ایک مرتبہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کو چالیس لاکھ درہم دیے اور ایک مرتبہ دونوں بھائیوں کو بیس بیس لاکھ درہم عطا فرمائے۔(البدایة والنهایة جلد۸ ص۱۳۷)

اب اندازہ فرمائیے کہ جو شخص سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے صاحبزادوں اور ان کے قرابت داروں کی اس قدر تعظیم و تکریم کرتا ہے اور ان کو مختلف عطیوں اور تحائف سے نوازتا ہے اس کے متعلق یہ کیسے گمان کیا جا سکتا ہے کہ وہ خود سیدنا علی رضی اللہ عنہ پر برسر منبر رسول صلی اللہ علیہ وسلم سب وشتم کرتا ہو گا؟ اور اگر بقول ان کذاب رپورٹروں کے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ ایسا کرتے تھے تو ان صاحبزادوں اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے دیگر قرابت داروں کی حمیت و غیرت کو کیا ہو گیا تھا کہ وہ پھر بھی ان کے ہدیوں اور تحائف کو قبول کرتے بلکہ خود یہ ہدیے اور تحائف لینے کے لیے سیدنا

معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس دمشق جاتے۔ اصل بات یہ ہے کہ نہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے گورنر سب وشتم کے فعل قبیح کے مرتکب ہوتے تھے اور نہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے قرابت دار غیرت وحمیت سے عاری تھے۔ یہ دراصل سبائیوں کی بنائی ہوئی روایات ہیں جو بنوامیہ کو بدنام کرنے اور عوام کے دل سے ان کی عزت وتوقیر نکالنے کے لیے وضع کی گئی تھیں۔ اگر سبائی راویوں کی روایات پر ہی اعتماد کر کے صحابہ رضی اللہ عنہم کو مطعون کرنا مقصود ہے تو ان کی وضع کردہ روایات سے تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا دامن بھی نہیں بچا۔ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ پر تو انہوں نے صرف یہی الزام عائد کیا ہے کہ وہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو ''ابوتراب'' کہتے تھے اور یہ سب وشتم تھا۔ لیکن روایات میں یہ بھی آتا ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے لشکری اور حامی سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو برا بھلا کہتے۔ آپ نے ان لوگوں کو اس فعل قبیح سے باز کرنے کے لیے ایک گشتی مراسلہ (Circular) تمام شہروں میں ارسال فرمایا جس سے لوگوں کو سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے مقام سے آشنا فرمایا اور ان کی دینی منقبت اور علو مرتبت کو واضح الفاظ میں بیان فرمایا۔ اس گشتی مراسلہ کے الفاظ یہ ہیں:

((وكان بداء امرنا التقينا و القوم من اهل الشام والظاهر ان ربنا واحد ونبينا واحد و دعوتنا فى الاسلام واحدة و لا نستزيدهم فى الايمان بالله والتصديق برسوله ولا يستزيدوننا الامر واحد الا ما اختلفنا فيه من دم عثمان و نحن منه براءٌ.)) (نهج البلاغة جلد ۲ صفحه ۱۱۸)

''اور ابتداء ہمارے واقعات کی اس طرح ہوئی کہ ہم میں اور اہل شام میں جنگ ہوئی اور ظاہر ہے کہ ہمارا اور ان کا رب ایک، ہمارا اور ان کا نبی ایک، اور ہماری اور ان کی اسلام کے بارہ میں دعوت بھی ایک، نہ ہم ایمان باللہ اور تصدیق بالرسول میں ان سے زیادہ ہیں اور نہ وہ ان باتوں میں ہم سے زیادہ ہیں۔ پس ہمارا اور ان کا معاملہ ایک ہے۔ اختلاف صرف شہادت عثمان (رضی اللہ عنہ) کے بارہ میں ہے اور ہم اس سے بری الذمہ ہیں۔''

روایات میں یہ بھی آتا ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے لشکر کے آدمی سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ، سیدنا

عمرو ابن العاصؓ، اور ان کے دوسرے ساتھیوں پر سب وشتم اور لعن طعن کرتے تھے بلکہ نمازوں میں بھی ان پر لعنتیں بھیجتے تھے۔ چنانچہ لکھا ہے کہ تحکیم کے فیصلے کے بعد سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما اور شریح بن ہانی سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے پاس آ گئے۔ اب ان کا دستور یہ ہو گیا تھا کہ نماز فجر میں یہ معاویہ رضی اللہ عنہ، عمرو ابن العاص، ابوالاعور السلمی، حبیب بن مسلمہ فہری، عبدالرحمٰن بن خالد بن ولید، ضحاک بن قیس اور ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہم اجمعین پر نام لے کر لعنتیں بھیجتے۔

(طبری جلد ٦ صفحہ ٤٠۔ ابن اثیر جلد ٣ صفحہ ١٦٨۔ البدایہ النہایہ جلد ٧ صفحہ ٢٨٣۔ ابن خلدون، جلد ٢، ص ١١٧)

طبری کی ایک اور روایت میں آتا ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے سیدنا معاویہ اور سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما کو الفاجر ابن الفاجر اور الفاجر ابن الکافر کہا۔ (طبری جلد ٦ صفحہ ٥٨)

ابو حنیفہ دینوری نے لکھا ہے کہ ایک مرتبہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو یہ اطلاع ملی کہ حجر بن عدی رحمہ اللہ اور عمرو بن حمق سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو سب وشتم کرتے اور دوسروں کو سب وشتم کرنے کی ترغیب دیتے ہیں اور اہل شام پر لعنتیں بھیجتے ہیں۔ آپ نے ان دونوں کو کہلا بھیجا کہ وہ ایسی باتوں سے فوراً اپنی زبان کو روکیں۔ دونوں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: امیر المومنین! کیا ہم حق پر اور اہل شام باطل پر نہیں ہیں؟ آپ نے جواب دیا: رب کعبہ کی قسم! درست ہے۔ انہوں نے کہا پھر آپ ہمیں انہیں گالیاں دینے اور ان پر لعن طعن کرنے سے کیوں روکتے ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ مجھے یہ ناپسند ہے کہ تم گالیاں دینے والے اور لعن طعن کرنے والے بن جاؤ۔ بلکہ ایسا کہا کرو کہ اے اللہ! ان کے اور ہمارے درمیان خونریزی کو بند فرما اور ہمارے درمیان صلح وآشتی اور الفت ومحبت پیدا فرما اور ان کو گمراہی سے نکال کر ہدایت کے راستہ پر ڈال حتیٰ کہ یہ حق کو پہچان لیں اور گمراہی کی گہرائیوں سے نکل جائیں۔ (اخبار الطوال صفحہ ١٦٥)

علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ نے نقل فرمایا ہے کہ صفین کے شرکاء میں سے ایک شخص نے کہا:

((اللهم العن اهل الشام .))

''اے اللہ! اہل شام پر لعنت فرما۔''

سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے جب یہ سنا تو فرمایا:

((لا تسب اهل الشام فان بها الابدال فان بها الابدال فان بها الابدال .)) (البداية والنهاية جلد ۸ صفحه ۲۰)

''اہل شام کو سب وشتم مت کرو۔ کیوں کہ وہاں ابدال رہتے ہیں، وہاں ابدال رہتے ہیں، وہاں ابدال رہتے ہیں۔''

ابن جریر نقل کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے صفین میں ایک خطبہ کے دوران میں فرمایا:

((فان معاوية وعمرو ابن العاص و ابن ابی معيط و حبيب بن مسلمه و ابن ابی سرح و الضحاك بن قيس ليسوا باصحاب دين ولا قرآن وانا اعرف بهم منكم قد صحبتهم اطفالا و صحبتهم رجالا فكانوا شر اطفال و شر رجال .))

(مروج الذهب جلد ۲ صفحه ۲۸ ۔ ابن اثیر جلد ۳ صفحه ۱٦۱ ۔ ابن ابی الحدید جلد ۲ صفحه ۲۱٦ ۔ طبری جلد ٤ صفحه ۲٤ ۔ البداية والنهاية جلد ۷ صفحه ۲۷۲)

''یہ معاویہ، عمرو بن العاص، ابن ابی معیط، حبیب بن مسلمہ، ابن ابی سرح، ضحاک بن قیس رضی اللہ عنہم اجمعین دین اور قرآن سے تعلق رکھنے والے نہیں ہیں۔ میں انہیں تم سے زیادہ جانتا ہوں۔ میں بچپن میں بھی ان کے ساتھ رہا۔ اور جب یہ جوان ہوئے اس وقت بھی ان کے ساتھ رہا۔ یہ بچے تھے تو بدترین تھے اور مرد تھے تو بدترین تھے۔''

طبری ہی نے ایک اور روایت نقل کی ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ایک وفد سے فرمایا:

''معاویہ وہ ہیں جن کے لیے حق تعالیٰ نے دین میں کوئی فضیلت نہیں رکھی ہے اور نہ اسلام میں ان کا کوئی قابل ستائش کارنامہ ہے۔ وہ خود بھی طلقاء میں سے ہیں اور ان کے والد (ابوسفیان رضی اللہ عنہ) بھی طلقاء میں سے تھے۔ احزاب میں سے ہیں (جو جنگ خندق میں مدینہ طیبہ پر حملہ کرنے آئے تھے) یہ اور ان کے

والد اللہ اور اس کے رسول کے ہمیشہ دشمن رہے، یہاں تک کہ اسلام کو بادل نخواستہ قبول کیا۔" (طبری جلد ٤ صفحہ ٤)

سیدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے کوفہ کے گورنر تھے۔ کوفہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا دارالخلافہ رہ چکا تھا اور ان کے حامیوں کی تعداد یہاں کافی تھی۔ علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ:

((یسبون معاویة ویتبرؤن منه .)) (البدایة والنهایة جلد ٨ صفحه ٥٠)

"یہ لوگ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ پر سب وشتم کرتے تھے اور ان سے اپنی براءت کا اظہار کرتے تھے۔"

ایک اور روایت میں آتا ہے کہ

"جب سیدنا علی رضی اللہ عنہ کوفہ تشریف لائے تو ان کے حامی اور ساتھی سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی بدگوئی کرنے لگے۔ بنوارقم نے کہا کہ:

((لانقیم ببلا یشتم فیه عثمان .))

"ہم ایسے شہر میں نہیں رہ سکتے جہاں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو گالی گلوچ دی جاتی ہو۔"

چنانچہ لکھا ہے کہ:

((فخرجوا الی الجزیرة فنزلوا الرها وشهدوا مع معاویة الصفین .)) (المحبر صفحه ٢٩٥)

"وہ جزیرہ کی طرف چلے گئے اور رہا کے مقام پر مقیم ہو گئے اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ جنگ صفین میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے مقابل صف آرا ہوئے۔"

یہی وجہ تھی کہ جنگ صفین کے موقع پر بھی سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے سپاہی سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اور اہل شام کو سب وشتم کرتے تھے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو جب اس بات کا علم ہوا تو آپ نے اپنے ساتھیوں اور لشکریوں کو مخاطب کر کے فرمایا:

((انی اکره لکم ان تکونوا سبابین .)) (نهج البلاغة صفحه ٣٩٨)

"میں اس بات کو ناپسند کرتا ہوں کہ تم سب وشتم کرنے والے بنو۔"

ان روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ سب وشتم سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے شروع نہیں کی گئی تھی، بلکہ اس کی ابتداء سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کی طرف سے ہوئی تھی اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کی طرف سے سب وشتم کی جو روایات نقل کی جاتی ہیں وہ سب کچھ جوابی کارروائی کے طور پر تھا۔ اور مورخانہ نقطہ نظر سے بھی سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے ''تلاعن'' اور ''سب وشتم'' کی جو روایات مروی ہیں وہ ان روایات سے زیادہ قوی ہیں جو سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ نہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور نہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کسی پر لعن طعن اور سب وشتم کرتے تھے۔ ہاں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے لشکر کے وہ لوگ جو سبائی پارٹی سے تعلق رکھتے تھے اور جن کا مقصد زندگی ہی صحابہ رضی اللہ عنہم کی مخالفت کرنا تھا، وہ ضرور اس فعل قبیح کے مرتکب ہوتے تھے، لیکن سیدنا علی رضی اللہ عنہ ان کو بار بار سمجھاتے اور اس فعل سے باز رکھتے جیسا کہ روایات میں آتا ہے، لیکن یہ دونوں جلیل القدر صحابہ اس ''تلاعن'' اور ''سب وشتم'' سے بالکل بری تھے، اور ان کی طرف اس فعل کی نسبت ان کی توہین ہے، اور اس بارہ میں جو روایات مروی ہیں وہ کذب و افترا کا پلندہ ہیں۔ چنانچہ قاضی ابوبکر ابن العربی رحمۃ اللہ علیہ ان جیسی روایات کے بارہ میں لکھتے ہیں:

((هذا كله كذب صراح، ماجرىٰ منه حرف قط، وانما هو شيء اخبر عنه المبتدعة، ووضعته التاريخة للملوك فتوارثه اهل المجانة والجهارة بمعاصى الله والبدع.))

(العواصم من القواصم صفحہ ۱۷۷)

''یہ سب صریح کذب ہے ان میں سے ایک حرف بھی وقوع میں نہیں آیا۔ ان واقعات کو صرف اہل بدعت نے نقل کیا ہے اور ان لوگوں نے ان کو وضع کیا ہے جو بادشاہوں کی تاریخیں لکھتے ہیں اور مجنون اور اس قسم کے لوگ جو کھلے بندوں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتے اور بدعت کا ارتکاب کرتے ہیں، اس قسم کی روایات کو نسلاً بعد نسل روایت کرتے چلے آرہے ہیں۔''

علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے:

((ان هذه الآثار المروية فی مساویهم منها ما هو كذب و منها ما قد زيد فيه و نقص و غير وجهه.))

"(اہل سنت کا عقیدہ یہ ہے) کہ جن روایات سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی برائیاں ظاہر ہوتی ہیں ان میں سے کچھ تو سراپا کذب ہیں اور کچھ ایسی ہیں کہ ان میں کمی اور زیادتی (دشمنان صحابہ نے) کر دی ہے۔"

یہ روایات تو سراپا کذب اور موضوع ہیں اور لوط بن یحیٰی، ہشام اور مجالد بن سعید وغیرہم راویوں کی ٹکسال کی وضع کردہ ہیں کیونکہ ان لوگوں نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ، سیّدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ، یزید، سیدنا مروان رضی اللہ عنہ اور دیگر بنو امیہ کے اکابر کے متعلق حدیث و تاریخ کی بے شمار روایات وضع کی ہوئی ہیں۔ اسی وجہ سے محدثین لکھتے ہیں کہ:

((ومن ذالك الاحاديث فی ذم معاوية و ذم عمرو بن العاص و ذم بنی امية و مدح المنصور والسفاح و كذا ذم يزيد والوليد و مروان بن الحكم.)) (موضوعات کبیر صفحہ ١٦٩)

"ان موضوعات میں سے وہ احادیث (بھی موضوع ہیں) جو معاویہ رضی اللہ عنہ، عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ، اور بنو امیہ کی مذمت اور منصور اور سفاح کی مدح میں ہیں اور اسی طرح یزید، ولید اور مروان کی مذمت میں جو احادیث مروی ہیں وہ بھی موضوع ہیں۔"

لیکن اگر ان روایات کو جن میں سب وشتم کی نسبت سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف کی جاتی ہے صحیح بھی مان لیا جائے تب بھی ان کی تاویل کرنا ہو گی اس وجہ سے کہ محدثین نے لکھا ہے:

((قال العلماء الاحاديث الواردة التی فی ظاهرها دخل علی صحابی يجب تاويلها، قالوا ولا يقع فی روايات الثقات الاما يمكن تاويله.)) (نووی شرح مسلم جلد ٢ صفحہ ٢٧٨)

"علماء کا قول ہے کہ جن احادیث میں بظاہر کسی صحابی پر حرف آتا ہو، ان کی تاویل واجب ہے اور علماء کہتے ہیں کہ صحیح روایات میں کوئی ایسی بات موجود نہیں

جس کی تاویل نہ ہو سکے۔"

علمائے اہل سنت نے اس بات پر خاص زور دیا ہے کہ کوئی شخص صحابہ رضی اللہ عنہم کے بارہ ں کسی روایت کو کسی کتاب میں دیکھ یا سن لینے سے اپنے دل میں ان کے خلاف غلط قسم کے یالات پیدا نہ کرے کیونکہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی جماعت ایک ایسی جماعت ہے جس کی تربیت ناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود فرمائی اور وہ حضرات انبیاء علیہم السلام کے بعد ساری دنیا سے نضل ہیں۔ دوسرے ان کی شان میں جو آیات قرآنی وارد ہیں وہ قطعی ہیں اور جو احادیث یحیحہ وارد ہیں وہ اگرچہ ظنی ہیں لیکن ان کی اسانید نہایت قوی ہیں۔ چنانچہ علامہ ابن کثیرؒ سحابہ رضی اللہ عنہم کے بارہ میں بعض جہلاء کے کذب وافترا کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

((فکذب و بُهت و افتراء عظيم يلزم منه خطاء كبير من تخوين الصحابة...... و كل مومن بالله ورسوله يتحقق ان دين الاسلام هو الحق يعلم بطلان هذا الافتراء لان الصحابة كانوا خير الخلق بعد الانبياء و هم خير القرون هذه الامة، التى هى اشرف الامم بنص القرآن واجماع السلف والخلف فى الدنيا والآخرة ولله الحمد.)) (البداية والنهاية جلد٧ صفحه ٢٢٤)

"یہ صریح جھوٹ، بہتان اور افترائے عظیم ہے اس سے ایک بہت بڑی خطا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی خیانت کی لازم آتی ہے...... اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھنے والا ہر شخص حقانیت اسلام کا قائل ہے اور وہ اس افتراء کے باطل ہونے سے بخوبی آشنا ہے کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین انبیاء علیہم السلام کے بعد ساری مخلوق سے افضل و اعلیٰ ہیں اور وہ اس امت کے خیر القرون ہیں جو قرآنی نص اور سلف و خلف کے اجماع سے دنیا و آخرت میں تمام امتوں سے اشرف اور بزرگ ہیں۔ والحمد للہ۔"

شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے بارہ میں اپنے جذبات کا اظہار ان الفاظ میں فرماتے ہیں:

''فلاسفہ کے یہ اقوال تاریخ وسیرت وغیرہ کی مرسل، مقطوع روایات میں سے ہیں جن میں صحیح بھی ہیں اور ضعیف بھی۔ جب ایسی چیز ہے تو صحابہ رضی اللہ عنہم کے محاسن وفضائل جو کتاب وسنت اور تواتر سے ثابت ہیں، ان کا رد ایسی روایات سے قطعاً جائز نہیں جن میں سے بعض منقطع ہیں، بعض محرف ہیں اور بعض ایسی ہیں جن سے معلومات قطعیہ پر جرح وقدح جائز نہیں کیونکہ شک یقین کو زائل نہیں کرسکتا اور ہم یقین کے ساتھ اس حقیقت پر ایمان رکھتے ہیں جو کتاب و سنت اور اجماع سلف سے ثابت ہے اور دلائل عقلیہ بھی ان منقولات متواترہ کی تصدیق کرتے ہیں۔

((ان الصحابة رضی اللہ عنہم افضل الخلق بعد الانبياء فلا يقدح فی هذا امور مشكوك فيها فكيف اذا علم بطلانها .))

(منهاج السنة جلد ۳ صفحه ۲۰۹)

''اور حقیقت یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین انبیاء علیہم السلام کے بعد تمام مخلوق سے افضل ہیں۔ اس لیے ان کے بارہ میں مشکوک اور محرف باتوں سے جرح قدح جائز نہیں چہ جائیکہ باطل روایات سے۔''

اس کے متعلق ایک مثال ذہن میں رکھیے۔ صحیح مسلم (جس کا درجہ صحیح بخاری، جو اصح الکتاب بعد کتاب اللہ ہے، کے بعد دوسرا ہے) میں یہ واقعہ مرقوم ہے کہ ایک مرتبہ سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کا اپنے بھتیجے سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے کسی بات پر کچھ تنازع ہوگیا۔ آپ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو لے کر امیر المومنین سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے پاس تشریف لائے اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے متعلق سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو مخاطب کر کے کہا:

((اقض بينی و بين هذا الكاذب الآثم الغادر الخائن .))

(صحيح مسلم، جلد ۲ صفحه ۹۰)

''میرے اور اس جھوٹے، مجرم، دھوکہ باز اور خیانت کرنے والے کے درمیان فیصلہ کیجیے۔''

اب جو لوگ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ پر سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو سب وشتم کرنے کا الزام دیتے ہیں

ن کو چاہیے کہ وہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ پر الزام دینے سے قبل سیدنا عباس رضی اللہ عنہ پر الزام دیں جنہوں نے ایک ہی سانس میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو چار غیر شایانِ شان القاب دیے یعنی (۱) الکاذب (۲) الآثم (۳) الغادر (۴) الخائن ۔ یہ سب وشتم امیر المومنین سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ پر کیا۔ اس کے مقابلہ میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے تو صرف ''ابوتراب'' کہا تھا جس کو ''گالی'' کا نام دے دیا گیا۔ اب اگر سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ ملزم ہیں تو سیدنا عباس رضی اللہ عنہ ان سے زیادہ ملزم ہیں۔ لیکن ہماری دیانت دارانہ رائے یہ ہے کہ سیدنا عباس رضی اللہ عنہ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے متعلق ایسی زبان ہرگز استعمال نہیں کی اور نہ ایسی زبان انہیں زیب دیتی تھی۔ سیدنا عباس رضی اللہ عنہ نہایت شستہ مزاج اور پاکیزہ زبان انسان تھے۔ وہ ایسی زبان ہرگز استعمال نہیں کر سکتے تھے۔ علاوہ ازیں اگرچہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ بھتیجا ہونے کی حیثیت سے ان کے لیے بمنزلہ بیٹے کے تھے لیکن وہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے بلند اور ارفع مقام سے بخوبی آشنا تھے۔ لہٰذا سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی اعلیٰ مرتبت کا تقاضا بھی یہ تھا کہ سیدنا عباس رضی اللہ عنہ ایسی زبان استعمال نہ کریں۔ لہٰذا اگرچہ یہ حدیث صحیح مسلم کی ہے لیکن ہم اس کی تاویل کریں گے اور اگر تاویل ممکن نہ ہوگی تو اس روایت کو محرف یا موضوع مانیں گے۔ کیونکہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی شان ایسی چیزوں سے بہت بلند ہے جن کو اس روایت میں بیان کیا گیا ہے۔ چنانچہ ہمارے اس خیال کی تائید میں علامہ نووی رحمہ اللہ اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں:

> ''قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ مازری کا قول ہے کہ اس روایت میں جو الفاظ وارد ہیں، صاف ظاہر ہے کہ وہ سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کی شان کے شایان نہیں اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ بھی اس بات سے پاک اور مبرا ہیں کہ ان میں ان اوصاف میں سے بعض ہی ہوں چہ جائیکہ وہ سارے اوصاف موجود ہوں جو اس روایت میں بیان ہوئے ہیں۔ گو ہم صرف نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے انبیاء علیہم السلام کی عصمت ہی کے قائل ہیں، لیکن ہمیں اس بات کا بھی حکم دیا گیا ہے کہ ہم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے ساتھ حسن ظن رکھیں اور تمام اخلاق رذیلہ کی ان سے نفی کریں لہٰذا جب اس حدیث کی تاویل کے سارے راستے مسدود ہو جائیں گے

تو پھر ہم اس کے راویوں کو کاذب قرار دیں گے۔ یہ بھی فرمایا کہ اس وجہ سے بعض محدثین نے اپنے نسخہ سے یہ الفاظ نکال دیے۔"

(نووی شرح مسلم جلد۲ صفحہ ۹۰)

یہ تو ایک مثال پیش کی ہے وگرنہ آپ حدیث کی کتابوں کی ان سب روایات کے متعلق محدثین کی یہی رائے پائیں گے کہ اوّل تو انہوں نے ایسی حدیثوں کی تاویل کی لیکن جب کوئی تاویل نہ ہو سکی تو پھر انہوں نے ان احادیث کے راویوں کو کذاب کہا اور اس حدیث کو موضوع یا محرف قرار دیا۔ جب حدیث کی یہ حالت ہے تو تاریخ جس میں اکثر روایات تو بلا سند ہیں، اس کے بارہ میں تو اور احتیاط کی ضرورت ہے۔

یہ تو عام صحابہ رضی اللہ عنہم کے متعلق ہے لیکن سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق تو ایسی باتوں کے بارے میں اور زیادہ احتیاط کی ضرورت ہے۔ کیونکہ تاریخ کے اوراق اس بات کی شہادت دیتے ہیں کہ ان کے متعلق تو ان کے زمانہ ہی میں سبائیوں نے غلط پروپیگنڈہ شروع کر دیا تھا۔ چنانچہ ایک مرتبہ آپ سے پوچھا گیا کہ آپ پر بڑھاپے کے آثار بہت جلد نمایاں ہو گئے ہیں۔ آپ نے اس کے جواب میں فرمایا:

((کیف لا ولا ازال اری رجلا من العرب قائما علی راسی یلقح لی کلاماً یلزمنی جوابہ، فان اصبت لم احمد وان اخطأت سارت بھا البرد .)) (البدایۃ النھایۃ جلد ۸ صفحہ ۱۴۰)

"کیوں نہ ہو؟ ہر وقت کوئی نہ کوئی عربی شخص میرے سر پر کھڑا رہتا ہے جو ایسی باتیں گھڑتا رہتا ہے جس کا جواب دینا مجھ پر لازم ہو جاتا ہے۔ اگر میں کوئی صحیح کام کروں تو میری تعریف نہیں کی جاتی اور اگر مجھ سے کوئی غلطی ہو جائے تو اسے اونٹنیاں ساری دنیا میں لے اڑتی ہیں۔"

لہٰذا سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارہ میں ہر وہ روایت جس میں ان کی تنقیص کی ہو گی یا ان کی طرف کوئی ایسا فعل منسوب کیا ہو گا جو ان کے شایانِ شان نہ ہو تو اوّل تو اس کے راوی کذاب ہوں گے اور وہ روایت موضوع ہو گی اور اگر وہ روایت ثقہ راویوں سے مروی ہو گی تو

اس کی ایسی تاویل کی جائے گی جس سے ان کی ذات پر کوئی حرف نہ آئے۔

اس ساری بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ:

۱: سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو سب وشتم کرنا اور اپنے گورنروں کو ایسا کرنے کا حکم دینا سراسر غلط ہے اور اس بارہ میں جو روایات مروی ہے ان کے راوی کذاب اور دشمنان صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے ہیں اور انہوں نے ایک خاص سازش کے تحت ایسی روایات کو وضع کیا ہے۔

۲: ان روایات میں سے اگر کوئی روایت ثقہ راویوں سے مروی ہے تو اس میں ''سب'' سے مراد صرف یہ ہے کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے انہیں کسی پرائیویٹ مجلس میں ''ابوتراب'' کے لقب سے پکارا جس کو ''گالی'' سمجھ لیا گیا۔ یا اگر کبھی اپنی رائے کے اختلاف کا اظہار کیا تو اس کو ''سب وشتم'' کا عنوان دے دیا گیا۔

۳: لیکن اگر کوئی شخص ان روایات کو بھی صحیح مانتا ہے اور ان کی تاویل بھی نہیں کرتا تو پھر اس کو یہ بھی ماننا پڑے گا کہ سب وشتم کی یہ رسم سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے شروع نہیں کی تھی بلکہ اس کی ابتداء سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں نے کی جیسا کہ گزشتہ صفحات میں مختلف روایات سے واضح کیا گیا ہے۔ اور پھر صحیح مسلم کی اس روایت کو بھی صحیح ماننا پڑے گا جس میں سیدنا عباس رضی اللہ عنہ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو چار نازیبا کلمات سے نوازا جو سب وشتم کے نہایت مکروہ الفاظ ہیں۔



شہادت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما

بعض لوگ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو باطل پر ثابت کرنے کے لیے ایک حدیث کا سہارا ڈھونڈتے ہیں جس کو امام بخاریؒ نے اپنی صحیح میں نقل کیا ہے:

((عن عكرمة ان عباس قال له و لعلى بن عبدالله ائيتا ابا سعيد فاسمعا من حديثه فاتيناه و هو و اخوه فى حائط لهما ليسقيانه ، فلما رأنا جاء فاجتبى و جلس فقال لنا ننقل لبنة لبنة وكان عمار ينقل لبنتين لبنتين فمر به النبى ﷺ ومسح عن رأسه الغبار فقال ويح عمار تقتله الفئة الباغية عماريدعوهم الى الله و يدعونهم الى النار.)) (صحيح بخارى جلد ١ ص ٦٤، ٣٩٤)

"عکرمہ سے روایت ہے کہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ان سے اور اپنے فرزند سیدنا علی بن عبداللہ سے فرمایا: تم دونوں سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کے پاس جاؤ اور ان کی باتیں سنو۔ ہم دونوں ان کے پاس گئے۔ اس وقت وہ اور ان کے بھائی اپنے باغ کو پانی دے رہے تھے۔ ہمیں دیکھ کر وہ تشریف لے آئے اور ٹانگوں کے گرد کپڑا لپیٹ کر بیٹھ گئے۔ پھر گفتگو فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا (مسجد نبوی کے لیے) ہم ایک ایک اینٹ اٹھا رہے تھے اور سیدنا عمار دو دو اینٹیں اٹھاتے تھے۔ اتنے میں جناب رسول اللہ ﷺ کا ادھر سے گزر ہوا۔ آپ ﷺ نے ان کے سر سے مٹی جھاڑی اور فرمایا! عمار کے کیا کہنے! اس کو باغیوں کی ایک ٹولی قتل کرے گی۔ عمار تو انہیں اللہ کی طرف بلا رہا ہوگا اور وہ اسے آگ کی طرف دعوت دیتی ہوگی۔"

مسند احمد میں بھی یہ حدیث کئی مقامات پر نقل کی گئی ہے۔ ملاحظہ ہو:

مسند احمد جلد ۹ حدیث نمبر ٦٤٩٩۔ ٦٥٠٠، جلد ١٠ حدیث نمبر ٦٥٣٨)

اس حدیث کو بیان کرنے کے بعد سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارہ میں یہ کہا جاتا ہے کہ وہ "فـئة بـاغية" اور اہل باطل میں سے تھے۔ حالانکہ احادیث و تاریخ سے ان کا یہ دعویٰ غلط ثابت ہوتا ہے، کیونکہ نہ تو سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے سیدنا عمار رضی اللہ عنہ کو قتل کیا تھا اور نہ وہ باغی گروہ میں سے تھے۔ یہ سب نتائج بعد کے ذہنوں کی پیداوار ہیں اور حقیقت سے ان کا کوئی تعلق نہیں۔

مستدرك حاكم جلد ۳ صفحه ۳۸۷، تطهير الجنان صفحه ۳۵

یہ حدیث نہ تو روایتاً صحیح ہے اور نہ درایتاً ہی جس کی کئی وجوہات ہیں:

اوّلاً: اگر یہ روایت صحیح ہوتی تو وہ صحابہ رضی اللہ عنہم جو اس وقت غیر جانبدار تھے یا سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ صفین میں شامل تھے، فوراً سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ مل جاتے۔ کیونکہ صحابہ رسول کی جماعت ایسی جماعت نہیں تھی جس طرح کہ آج کل کی جماعتیں ہوتی ہیں جن میں دھڑے بندیاں اور تعصب کی بڑی بڑی خلیجیں حائل ہوتی ہیں اور ان میں سے اگر ایک جماعت خواہ کیسی ہی حق کی بات کہے دوسری جماعت اپنی جانبدارانہ پالیسی سے سرمو انحراف نہیں کرتی۔ بلکہ صحابہ کی جماعت ایک ایسی پاکیزہ اور حق پرست جماعت تھی جو ہر وقت حق کی متلاشی رہتی اور جونہی کسی معاملہ میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ان کے کانوں میں پہنچتا وہ فوراً اس کو قبول کرتی خواہ دنیوی طور پر انہیں کتنا ہی نقصان کیوں نہ اٹھانا پڑتا۔ حدیث میں اس کی بے شمار مثالیں ملتی ہیں، لیکن ایک چھوٹی سی مثال سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی وہ روایت ہے جس میں وہ فرماتے ہیں کہ جب قرآن حکیم کی یہ آیت کریمہ نازل ہوئی:

﴿مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَیُضٰعِفَهٗ لَهٗ وَلَهٗۤ اَجْرٌ كَرِیْمٌ﴾ (الحدید: ۱۱)

"کون ہے جو اللہ کو قرض دے اچھا قرض، کیا اللہ اسے کئی گنا بڑھا کر واپس دے اور اس کے لیے بہترین اجر ہے۔"

تو سیدنا ابو دحداح رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! کیا حق تعالیٰ ہم سے قرض چاہتے ہیں؟ آپ نے ارشاد فرمایا کہ ہاں، اے ابو دحداح! انہوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! ذرا اپنا ہاتھ دکھائیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ہاتھ ان کی طرف بڑھا دیا، انہوں نے اپنے ہاتھ میں

جناب رسول اللہ ﷺ کا ہاتھ لے کر کہا کہ ”میں نے آپ کو اپنا باغ قرض دے دیا۔“ سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس باغ میں چھ سو درخت تھے۔ اسی میں ان کا گھر بھی تھا اور وہیں ان کے بچے رہتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ سے یہ بات کر کے وہ سیدھے گھر پہنچے اور بیوی کو پکار کر کہا۔ ”دحداح کی ماں! نکل آؤ، میں نے یہ باغ اپنے رب کو قرض دے دیا ہے۔“ وہ بولیں: ”آپ نے نفع اور فائدے کا سودا کیا ہے، دحداح کے ابا!“ اور اسی وقت اپنا سامان اور بچے لے کر باغ سے نکل گئیں۔ (ابن ابی حاتم صفحہ ۲۲۶)

جو لوگ اسلام کی ایک ایک بات کے لیے اپنا سب کچھ قربان کرنے سے دریغ نہیں کرتے تھے یہ بھلا کیسے ممکن تھا کہ وہ اپنی آنکھوں سے سیدنا عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما کو سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے لشکر میں شامل دیکھیں اور پھر انہیں صفین کی جنگ میں شہید ہوتے بھی دیکھیں لیکن اس کے باوجود وہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا ساتھ چھوڑ کر سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا ساتھ نہ دیں اور ان پر حق ظاہر نہ ہوا اور وہ برابر غیر جانبداری کی زندگی بسر کریں۔ کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی ایک کثیر تعداد سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھی اور کئی جلیل القدر صحابہ غیر جانبداری کی زندگی گزار رہے تھے۔ چنانچہ علامہ نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی آپس کی جنگوں کا سبب یہ تھا کہ معاملات ان پر مشتبہ تھے اور ان کی اشتباہت کی وجہ سے ان کا اجتہاد بھی مختلف تھا۔ لہٰذا ان کی تین قسمیں ہو گئیں:

پہلی قسم: وہ صحابہ رضی اللہ عنہم تھے جن کو اپنے اجتہاد کی وجہ سے یہ علم ہوا کہ حق اس طرف ہے اور اس کا مخالف باغی ہے۔ لہٰذا ان پر حق والی جانب کی نصرت و امداد ضروری ہے اور اس کے باغی سے قتال واجب۔

دوسری قسم: اس کے برعکس تھی۔

تیسری قسم: ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تھی جن پر حق مشتبہ تھا اور وہ اس بارہ میں متحیر تھے کہ کیا کیا جائے اور ان پر دونوں طرفوں میں سے کسی طرف کی ترجیح ظاہر نہیں ہوئی تھی لہٰذا وہ دونوں فریقوں سے الگ اور علیحدہ رہے اور ان کا دونوں سے الگ رہنا ان کے لیے ضروری تھا کیونکہ ان کے لیے کسی مسلمان کے قتال کا اقدام جائز نہیں تھا جب تک کہ

ان پر اس کا مستحق ہونا ظاہر نہ ہو جائے۔ اگر ان پر یہ ظاہر ہو جاتا کہ حق اس طرف ہے تو ان کے لیے اس کے باغیوں کے خلاف قتال میں نصرت و امداد سے اعراض برتنا جائز نہ تھا۔ پس وہ سب معذور ہیں۔ رضی اللہ عنہم (نووی جلد ۲ صفحہ ۲۷۲)

اسی شے کو علامہ نووی رحمہ اللہ نے ایک اور مقام پر ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے:

((كانت القضايا مشتبهة حتى ان الجماعة من الصحابة تحيروا فيها فاعتزلوا الطائفتين ولم يقاتلوا ولو تيقنوا الصواب لم يتاخروا عن مساعدته.))

(نووی شرح صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۳۹۰)

''حق ان پر مشتبہ تھا حتیٰ کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت اس معاملہ میں حیران تھی، لہٰذا وہ دونوں گروہوں (سیدنا علی اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہما) سے الگ رہے اور وہ اس قتال میں شریک نہ ہوئے۔ اگر وہ (سیدنا علی رضی اللہ عنہ ہی کی طرف) حق وصواب یقین کرتے تو ان کی نصرت اور امداد سے ہرگز پیچھے نہ رہتے۔''

نہ صرف وہ لوگ جو ان دونوں فریقوں سے الگ تھے، اس قسم کے خیال کے حامل تھے بلکہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں کی ایک اچھی خاصی تعداد کا یہ خیال تھا کہ اس معاملہ میں راہ صواب واضح اور صاف نہیں ہے۔ چنانچہ تاریخ کی کتابوں میں ان کا یہ قول نہایت جلی حروف میں مرقوم ہے:

''ہمارے اور ہمارے بھائیوں کے مابین جو معاملہ درپیش ہے اس میں جانب ترجیح واضح نہیں بلکہ مشتبہ ہے۔ خدا کی قسم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس طریقہ کو اختیار فرماتے تھے اس کی صداقت اور اس کے حق ہونے کا انہیں علم ہوتا تھا، یہاں تک کہ یہ معاملہ پیش آ گیا۔ اس میں ان کی قوت فیصلہ جواب دے گئی اور وہ نہیں جانتے تھے کہ اس معاملہ میں انہیں پیش قدمی کرنی چاہیے یا پیچھے رہنا چاہیے۔''

وہ غیر صحابی جو سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے لشکر میں شامل ہو کر فریق مخالف سے لڑ رہے تھے ان پر

بھی راہ حق مشتبہ اور غیر واضح تھی۔ وہ بالکل نہیں جانتے تھے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ حق پر ہیں یا سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ ؟ وہ ایک کشمکش میں تھے اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا ساتھ دینے کے باوجود جنگ میں نہایت بددل تھے۔ چنانچہ جنگ کے دوران میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے لشکر کا ایک آدمی جس کے ہاتھ میں ایک قبیلے کا علم بھی تھا، وہ یہ کہتا تھا:

''اے اللہ! تو نے ہمیں جہالت اور ضلالت سے نکال کر ہدایت کی صراط مستقیم نصیب فرمائی، لیکن آج ہم پھر ابتلاء اور آزمائش میں ڈال دیے گئے ہیں اور ہمیں پتہ نہیں چلتا کہ حق کیا ہے، ہم ریب اور شک میں مبتلا ہیں۔''

(کامل ابن اثیر جلد ۳ صفحہ ۲۴۶)

معلوم ہوا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر حق ظاہر نہیں تھا۔ اگر یہ حدیث صحیح ہوتی تو سیدنا عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما کو میدان جنگ میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے لشکر میں دیکھ کر ہی صحابہ رضی اللہ عنہم ان کے ساتھ تعاون کرتے اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ یکہ وتنہا رہ جاتے بلکہ خود سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ بھی اپنے موقف سے دستبردار ہو کر سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے لشکر میں شامل ہو جاتے۔ سیدنا زبیر، سیدنا طلحہ، سیدنا سعد بن ابی وقاص، سیدنا عبداللہ بن عمر، سیدنا ابوموسیٰ اشعری، سیدنا عمرو بن العاص، سیدنا اسامہ بن زید، سیدنا عمران بن حصین، سیدنا ابوبکرہ، سیدنا عبداللہ بن مسعود، سیدنا ابوالدرداء، سیدنا ابوامامہ باہلی، سیدنا ابومسعود رضی اللہ عنہم وغیرہم جلیل القدر صحابہ کبھی سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے تعاون کرنے سے پیچھے نہ رہتے۔

ثانیاً: قتل عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد جمل اور صفین کی جنگوں کے موقع پر متعدد مرتبہ جانبین کے نمائندے صلح کے لیے آپس میں ملے، لیکن کسی نے بھی فریق مخالف کو یہ بات بطور دلیل اور حجت کے پیش نہ کی کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ راہ حق پر ہیں اور ان کا موقف بالکل صحیح ہے کیونکہ سیدنا عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما ان کے لشکر میں شامل ہیں اور ہو سکتا ہے کہ وہ اس جنگ میں شہید ہو جائیں۔ تاریخ کی کتابیں ایسی شہادت پیش کرنے سے قاصر ہیں۔

ثالثاً: اگر واقعی یہ حدیث صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں مشہور و معروف تھی اور سیدنا عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما کا قتل اس بات کی بین اور واضح دلیل تھا کہ جس گروہ میں وہ شامل ہو کر جام شہادت

نوش فرمائیں گے وہ گروہ حق پر ہوگا اور دوسرا باغی، تو اس نص صریح کے ہوتے ہوئے سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے جنگ بندی قبول کر کے قرآن حکیم کا خلاف کیوں کیا؟ کیونکہ قرآن حکیم نے واضح الفاظ میں بیان فرمایا ہے:

﴿وَاِنْ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَیْنَهُمَاج فَاِنْ بَغَتْ اِحْدٰهُمَا عَلَی الْاُخْرٰی فَقَاتِلُوا الَّتِیْ تَبْغِیْ حَتّٰی تَفِیْٓءَ اِلٰٓی اَمْرِ اللّٰهِج فَاِنْ فَآءَتْ فَاَصْلِحُوْا بَیْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَاَقْسِطُوْاط اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْمُقْسِطِیْنَ﴾ (حجرات: ۹)

''اگر مومنوں میں سے دو گروہ جنگ کریں تو ان میں صلح کرا دو۔ پس اگر ایک دوسرے پر زیادتی کرتا ہے یعنی ایک دوسرے پر چڑھا چلا جاتا ہے تو تم سب لڑو اس گروہ سے جو چڑھا چلا جاتا ہے یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف رجوع کرے۔ پھر اگر وہ پھر آیا تو ملاپ کرا دو ان دونوں میں برابر، اور انصاف کرو۔ یقیناً اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔''

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا جنگ بندی پر رضا مند ہو جانا اس بات کی واضح دلیل ہے کہ وہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو باطل پر نہیں سمجھتے تھے۔ اگر وہ ان کو باغی اور باطل پر سمجھتے تو وہ کبھی جنگ بندی کو قبول نہ فرماتے۔

تاریخ کی کتابوں میں بعض موضوع روایات میں آتا ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے جنگ بندی کی مخالفت کی تھی اور اپنے ساتھیوں کو سختی سے روکا تھا کہ وہ جنگ بند نہ کریں۔ لیکن دیکھنا یہ ہے کہ وہ مخالفت اس آیت کریمہ کے تحت کی تھی یا اس کی وجہ کچھ اور تھی؟ اور کیا اس وقت جب سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے لشکر نے قرآن حکیم کو نیزوں پر اٹھایا تھا تو کیا انہوں نے اس بات کا اعلان کیا تھا کہ ہم نے اپنی بغاوت سے رجوع کر لیا ہے، لہٰذا تم اب ہمارے ساتھ صلح کر لو۔

طبری، مسعودی اور دوسرے کئی ایک مورخین نے لکھا ہے کہ جب قریباً پانچ سو قرآن نیزوں پر اٹھائے گئے تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اس شے کو مکاری اور عیاری پر محمول کیا اور آپ نے اپنے لشکر سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ ''قتال جاری رکھو۔ یہ معاویہ بن ابی سفیان، یہ عمرو بن

العاص، یہ ابن ابی معیط، یہ حبیب بن مسلمہ، یہ ابن ابی سرح، اور یہ ضحاک بن قیس ان کا دین اور قرآن سے کوئی تعلق نہیں۔ میں انہیں تم سب سے زیادہ جانتا ہوں۔ میں نے بچپن اور جوانی انہیں میں گزاری اور یہ بدترین بچے اور بدترین جوان ہیں۔ وائے ہے تم پر! بخدا انہوں نے (صدق دل سے) اس کو نہیں اٹھایا۔ یہ لوگ قرآن کو پڑھتے تو ہیں لیکن ان کا عمل اس کے مطابق نہیں اور اب جو انہوں نے قرآن کو اپنے نیزوں پر ثالثی کے لیے اٹھایا ہے، یہ محض دھوکہ دہی، مکاری اور عیاری کے لیے ہے۔'' (مروج الذهب جلد ۲ صفحه ۲۸۔ ابن اثیر جلد ۲ صفحه ۱۶۱۔ ابن ابی الحدید جلد ۲ صفحه ۲۱۶۔ البداية والنهاية جلد ۸ صفحه ۲۷۲۔)

اس روایت اور ان جیسی دوسری موضوع روایات میں جن میں یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ جنگ بندی پر بالکل راضی نہیں تھے، کہیں یہ نہیں بتایا گیا کہ اب تو ان لوگوں کا باغی ہونا ظاہر و باہر ہے لہٰذا جنگ بندی اس وقت تک نہیں ہو گی جب تک کہ یہ اپنے موقف سے بالکلیہ رجوع نہ کر لیں۔ پھر آپ کا تحکیم کو مان لینا بھی یہ ظاہر کرتا ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ اپنے کو یقینی طور پر حق پر نہیں سمجھتے تھے۔ اگر وہ اپنے کو یقینی طور پر حق پر سمجھتے تو اس ثالثی کو کبھی قبول نہ کرتے کیونکہ ثالثی صرف اور صرف اسی وقت قبول کی جاتی ہے جب آپس میں دو دست و گریبان جماعتوں کے پاس ایسے دلائل موجود ہوں جن سے قطعی اور یقینی طور پر یہ ثابت نہ ہوتا ہو کہ حق پر کون ہے اور ناحق پر کون اور دونوں گروہ اپنے اپنے دلائل کی رو سے اپنے آپ کو حق اور صواب پر سمجھتے ہوں۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا ثالثوں کو قبول کر لینا ہی اس بات کا قطعی ثبوت ہے کہ خود سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور دوسرے سب صحابہ رضی اللہ عنہم اس معاملہ میں حیران و سرگردان تھے کہ کس کو حق پر سمجھا جائے اور انہوں نے اپنے اپنے دلائل کی رو سے جس گروہ کو حق پر سمجھا اس کا ساتھ دیا اور جو صحابہ رضی اللہ عنہم دونوں طرف کے قوی دلائل کی رو سے ترجیح کی کسی جانب کا فیصلہ نہ کر سکے وہ بالکل غیر جانبدار رہے اور اپنے کو جنگ و قتال کی دھول سے ملوث نہ ہونے دیا اور مختلف علاقوں میں کئی سال تک اپنی غیر جانبدارانہ زندگی کے دن گزارتے رہے، یہاں تک کہ ۴۱ھ میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ مسند خلافت پر متمکن ہوئے اور ساری امت نے ان کے ہاتھ پر بیعت کی تو ان صحابہ رضی اللہ عنہم نے بھی ان کی بیعت فرما لی اور وہ سال ''عام الجماعۃ'' کے نام

سے موسوم ہوا۔

رابعاً: سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کا سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں خلافت سے دستبردار ہو جانا ہمارے دعویٰ کی مزید تائید کرتا ہے، کیونکہ اگر سیدنا عمار رضی اللہ عنہ کی شہادت نے حق و باطل کو واضح کر دیا تھا تو صاف ظاہر تھا کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اپنے موقف کے لحاظ سے باطل پر تھے اور سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کا باطل کے حق میں دست بردار ہونا خود باطل ہے۔ پھر اس بارہ میں کسی شخص نے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کو یہ نہ کہا کہ سیدنا عمار رضی اللہ عنہ کی شہادت سے چونکہ حق واضح ہو گیا تھا کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ باطل پر ہیں لہٰذا آپ کو ان کے حق میں خلافت جیسے پاکیزہ منصب سے دستبردار نہیں ہونا چاہیے۔ تاریخ کے اوراق اس بات کی مکمل شہادت دیتے ہیں کہ کسی شخص نے سیدنا عمار رضی اللہ عنہ کی شہادت کو بطور دلیل پیش نہیں کیا۔ تاریخ میں یہ تو آتا ہے کہ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ اور چند اور لوگوں نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں دست برداری پر سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی مخالفت کی لیکن اس مخالفت کے اسباب اور تھے۔ شہادت عمار رضی اللہ عنہ کا سبب اور وجہ ان میں سے کسی نے پیش نہیں کی تھی۔

(ملاحظہ ہو طبری، ابن اثیر، اخبار الطوال، تاریخ الخلفاء، ابن ابی الحدید وغیرہ)

لطف کی بات یہ ہے کہ یہ روایت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جن اصحاب سے مروی ہے ان میں چار حضرات (سیدنا عثمان، سیدنا حذیفہ، سیدنا عبداللہ بن مسعود، اور سیدنا ابورافع رضی اللہ عنہم) تو جنگ صفین سے قبل ہی انتقال فرما چکے تھے۔ چار حضرات سیدنا ابوہریرہ، سیدنا ابوسعید خدری، سیدنا ابوایوب انصاری اور سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہم جنگ صفین کے موقع پر زندہ تو تھے لیکن غیر جانبدار رہے۔ اگر یہ حدیث صحیح ہوتی تو وہ کبھی غیر جانبدار نہ رہتے بلکہ ضرور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا ساتھ دیتے کیونکہ یہ محال اور ناممکن ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حق و باطل کی جنگ میں حق کا ساتھ نہ دیں بلکہ غیر جانبدار رہیں۔ باقی پانچ حضرات میں سے تین سیدنا خزیمہ بن ثابت، سیدنا ابوقتادہ اور سیدنا ابوالیسر رضی اللہ عنہم جنگ صفین کے موقع پر یقیناً سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے اور باقی دو حضرات عمرو بن العاص اور عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے۔ وہ تین صحابہ رضی اللہ عنہم جنہوں نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا ساتھ دیا تھا، کسی صحیح حدیث

میں نہیں آتا کہ انہوں نے اس حدیث کو مدار بنا کر آپ کا ساتھ دیا ہو، یا انہوں نے شہادت عمار رضی اللہ عنہ کے بعد اس حدیث کو مدار استدلال بنا کر دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم میں پرچار کیا ہو کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ حدیث شہادت عمار رضی اللہ عنہ کی رو سے چونکہ حق پر ہیں لہٰذا تم ان کا ساتھ دو، یا انہوں نے اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ یا ان کے گروہ کو ''الفئۃ الباغیۃ'' (باغی گروہ) کہا ہو۔ [1]

اگر اس حدیث کو سند اور متن یا روایت اور درایت دونوں کے لحاظ سے صحیح بھی مان لیا جائے پھر بھی اس حدیث کا معنی وہ نہیں ہے جو مخالفین صحابہ بیان کرتے ہیں کیونکہ اگر اس کا یہ معنی بیان کیا جائے تو نہ صرف سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ پر اس حدیث کی زد پڑتی ہے بلکہ سیدنا علی، سیدنا حسن، سیدنا حسین، سیدنا عقیل، سیدنا عبداللہ بن عباس، سیدنا سعد بن ابی وقاص، سیدنا عبداللہ بن عمر وغیرہم جلیل القدر صحابہ رضی اللہ عنہم کے دامن بھی داغدار ہوتے ہیں۔

لہٰذا اس حدیث کو صحیح تسلیم کرتے ہوئے ہمیں ''الفئۃ الباغیۃ'' (باغی گروہ) کا تشخص کرنا پڑے گا کہ وہ کون سا گروہ تھا۔ اور تاریخ کے صفحات اس بات کی شہادت دیتے ہیں کہ وہ باغی گروہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا گروہ نہ تھا بلکہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی فوج میں شامل شدہ وہ خاص افراد تھے جنہوں نے پہلے

۱۔ سلطنت اسلامیہ میں ایک خاص یہودی اور ایرانی سازش کے تحت خلیفۃ المسلمین کے خلاف غلط پروپیگنڈہ کیا۔

۲۔ پھر دن دہاڑے امیر المومنین رضی اللہ عنہ کو مدینہ طیبہ میں شہید کیا۔

---

[1] حدیث صحیح سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ دونوں حضرات حق پر تھے۔ چنانچہ حدیث میں ہے کہ

((لا تقوم الساعة حتى تقتل فئتان عظيمتان يقتل بينهما مقتلة عظيمة و دعواهما واحدة))

''قیامت قائم نہ ہوگی جب تک دو بڑی جماعتوں میں لڑائی نہ ہو، ان کے مابین سخت جنگ وقتال ہوگا اور ان دونوں جماعتوں کا ''دعویٰ'' ایک ہوگا۔'' (بخاری جلد ۲ صفحہ ۱۰۲۵، صفحہ ۱۰۵۴)

حق و باطل کا مدار دعویٰ اور دعوت پر ہوتا۔ اگر ان دونوں جماعتوں کا دعویٰ ایک تھا تو پھر ہمارا ذہن یہ بات سمجھنے سے قاصر ہے کہ ان میں ایک جماعت حق پر ہو اور دوسری صریحاً باطل پر۔

۳۔ پھر جلد ہی غیر اسلامی طریقے سے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کر لی اور اپنی پناہ کی ایک راہ ڈھونڈی۔ حالانکہ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو ایسی بیعت سے روکا تھا۔ ❶

۴۔ پھر ان کو سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ، سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ اور سیدہ عائشہ ام المومنین سلام اللہ علیہا کے مقابلہ میں لے آئے۔

۵۔ پھر جب سیدنا قعقاع بن عمرو رضی اللہ عنہ کی وجہ سے دونوں گروہ صلح پر تیار ہو گئے تو انہوں نے صبح ہونے سے قبل ہی اندھیرے منہ دونوں لشکروں پر حملہ کر دیا جو جنگ جمل کی صورت میں نمودار ہوا۔

۶۔ پھر انہوں نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے مدینۃ الرسول ایسا چھڑوایا کہ پھر اب تک وہ اسلامی

---

❶ تاریخ میں مرقوم ہے کہ شہادت عثمان کے تیسرے روز سبائی سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور کہا کہ ہاتھ بڑھائیے، ہم آپ کی بیعت کرتے ہیں حالانکہ آپ اس وقت مدینہ طیبہ کے ایک بازار میں تھے۔ آپ نے فرمایا ''جلدی نہ کرو، عمر الفاروق رضی اللہ عنہ بڑے مبارک آدمی تھے انہوں نے مشورہ کی وصیت فرمائی تھی لہٰذا تم بھی لوگوں کو مہلت دو، وہ مشورہ کریں کہ کس کو خلیفہ بنایا جائے۔'' یہ بات سن کر وہ واپس چلے گئے، پھر سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے پاس آئے۔ اس وقت مالک الاشتر بھی ان کے ساتھ تھا۔ اس نے آتے ہی آپ کا ہاتھ پکڑا اور بیعت کر لی۔ اس کے بعد اس کے سارے ساتھیوں نے بیعت کر لی۔ (طبری جلد ۳، صفحہ ٤٥٥)

روایات میں یہ بھی آتا ہے کہ مالک الاشتر (جو سبائیوں کا سرغنہ تھا) اور اس کے ساتھیوں نے آپ کی بیعت کرنا چاہی تو سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو بڑی سختی سے منع کیا اور کہا کہ آپ ان بلوائیوں کے ساتھ کوئی تعلق نہ رکھیں کیونکہ

((فانك واللہ ان انھضت مع ھؤلاء الیوم لیحملنك الناس دم عثمان غدا .))

''بخدا! اگر آج آپ ان (باغیوں) کے ساتھ (خلافت کے لیے) اٹھ کھڑے ہوئے تو کل لوگ آپ پر قتل عثمان کا الزام لگا دیں گے۔''

لیکن سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی یہ بات ماننے سے انکار کر دیا۔ (طبری جلد ۳ صفحہ ٤٦١، ابن اثیر جلد ۳ صفحہ ١٠١)

بعض روایات میں سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہما کا منع کرنا بھی آتا ہے، لیکن آپ نے ان کی بات بھی نہ مانی اور جلدی میں باغیوں سے اپنی خلافت کی بیعت لے لی، جس کا آپ کو ساری عمر افسوس رہا۔

ملاحظہ ہوا البدایة والنھایة جلد ۷ صفحہ ۱۹۳، صفحہ ۲۳٤.

دارالخلافہ نہ بن سکا۔ ❶

۷۔ پھر سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے بنو امیہ کے تمام گورنروں کو بغیر چارج شیٹ کے یک قلم معزول کروا دیا تا کہ ان کو مملکت کے ہر صوبہ میں اسلام دشمن کارروائیوں کی کھلی چھٹی مل جائے اور کوئی ان کے راستہ میں خلل انداز نہ ہو۔ ❷

۸۔ پھر سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے مقابلہ میں صفین کے میدان میں لے آئے

---

❶ سیدنا علی رضی اللہ عنہ جب مدینہ طیبہ کو اس سبائیوں کی مجبوری کی وجہ سے چھوڑنے لگے تو سیدنا عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے آپ کی اس بارہ میں سخت مخالفت کی اور آپ کے گھوڑے کی لگام پکڑ کر فرمایا:

((یا امیر المومنین لا یخرج منها فواللہ لئن خرجت منها لا ترجع الیها و لا یعود الیها سلطان المسلمین ابداً))

''اے امیر المومنین! آپ مدینہ سے ہرگز نہ نکلیں۔ بخدا! اگر آپ مدینہ کو چھوڑ گئے تو پھر نہ تو آپ کبھی اس کی طرف لوٹیں گے اور نہ مسلمانوں کی حکومت ہی پھر کبھی مدینہ میں آئے گی۔''

اس پر سبائیوں نے سیدنا عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کو سب و شتم کیا، لیکن سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ان کو چھوڑ دو یہ اصحاب رسول میں سے بہت اچھے آدمی ہیں۔ (البدایة والنهایة جلد ۷ صفحہ ۲۳۳۔ طبری جلد ۳ صفحہ ۴۷۴۔ ابن اثیر جلد ۳)

❷ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے مسند خلافت پر متمکن ہوتے ہی سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے مقرر کردہ قریباً تمام گورنروں کو معزول کر کے زیادہ تر اپنے خاندان کے اور کچھ سبائیوں میں سے گورنر مقرر فرما دیے۔ یمن پر عبیداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما، مدینہ طیبہ پر ثمامہ بن عباس رضی اللہ عنہما، مکہ اور طائف پر قثم بن عباس رضی اللہ عنہما، عراق پر عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما، خراسان پر اپنے بھانجے اور داماد جعدہ بن ہبیرہ، مصر پر اپنے سوتیلے بیٹے محمد بن ابی بکر رضی اللہ عنہما اور فوج کا سپریم کمانڈر اور چیف آف سٹاف اپنے حقیقی فرزند ارجمند محمد بن حنفیہ رحمہ اللہ کو مقرر فرمایا۔ یہ سب نوجوان تھے اور ناتجربہ کار بھی۔

ملاحظہ ہو البدایة والنهایة جلد ۷ صفحہ ۲۲۷۔ ابن اثیر جلد ۳، صفحہ ۱۷۷۔ اخبار الطوال صفحہ ۱۵۳۔ منهاج السنة جلد ۳ صفحہ ۱۷۳، ۱۷۵، صفحہ ۱۸۷، ۱۸۹)

عثمانی گورنروں کی تبدیلی اور اپنے قریبی لوگوں کو گورنر بنانے کی تجویز انہی ذہنوں کی پیداوار تھی اور اس سے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی حکومت کا اندرونی نظم و نسق بہت جلد ہی خراب ہو گیا جو سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کے زوال پذیر ہونے کا ایک خاص سبب بنا۔ پھر مالک الاشتر جو سبائی سرغنہ تھا، کو بھی مصر کا گورنر بنا دیا گیا اور تاریخ کے اوراق گواہ ہیں کہ اس نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے مقابلہ پر لا کر صفین کے میدان میں کھڑا کر دیا جس میں کافی لوگوں کی قیمتی جانیں ضائع ہوئیں جن میں ایک سیدنا عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما بھی تھے۔ گویا کہ ان سب پاکیزہ حضرات کو میدان جنگ میں لانے والے یہی سبائی، پھر ان کو شہید کرنے والے بھی یہی ناہنجار تھے۔

اور نہ صرف سیدنا عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما بلکہ دوسرے کئی ایک مسلمانوں کے خون سے اپنے ہاتھ رنگے۔ بعد ازیں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو شہید کیا اور کوفہ میں سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کو بلا کر میدان کربلا میں شہید کیا۔ یہ لوگ نہ صرف سیدنا عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما کے قاتل تھے، بلکہ سیدنا عثمان، سیدنا طلحہ، سیدنا زبیر، سیدنا علی اور آخر میں سیدنا حسین رضی اللہ عنہم بھی انہی دشمنان اسلام کے ہاتھوں قتل ہوئے۔ چنانچہ علامہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ ایک مقام پر فرماتے ہیں:

((الـذيـن قـامـوا عـلى عثمان و انكروا عليه اشياء اعتذر عن فعلها ثم كانوا مع على ثم خرجوا بعد ذالك على عليّ .))

(فتح الباری جلد ۱۳ صفحہ ۴۳۲)

''یہ (سبائی) وہ لوگ ہیں جو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے تھے اور ان کے ذمہ وہ وہ گناہ تھوپ دیے جن کا آپ کو علم بھی نہیں تھا (پھر ان کی شہادت کے بعد) سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ مل گئے۔ آخر کار ان سے بھی خروج کیا۔''

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے ان الفاظ میں اس دین دشمن عناصر کو عریاں کیا ہے فرماتے ہیں:

''انہوں نے غلط سلط اور جھوٹی روایتیں گھڑیں اور فاسد خیالات ایجاد کیے تا کہ ان سے دین اسلام میں فتنہ و فساد برپا کریں اور جن کی عقل ماری گئی ہے ان کو صراط مستقیم سے بھٹکائیں۔ انہوں نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل میں بھرپور کوشش اور سعی کی اور یہ سب سے پہلا فتنہ تھا۔ پھر یہ لوگ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے پاس جمع ہو گئے، اس وجہ سے نہیں کہ انہیں سیدنا علی رضی اللہ عنہ یا ان کے اہل بیت سے کوئی محبت تھی بلکہ اس لیے کہ وہ مسلمانوں کے درمیان فتنہ کی شاہراہ کھولیں۔ پھر انہی لوگوں نے آپ کے ساتھ مل کر جدوجہد کی (اور جمل اور صفین کی جنگیں بھی لڑیں) پھر اس کے بعد انہی میں سے کچھ لوگوں نے آپ کی تکفیر کی اور آپ سے

جنگ و جدل کیا جیسا کہ خوارج نے کیا اور ان کی تلوار سب سے پہلی تلوار تھی جو مسلمانوں کی جماعت پر بے نیام ہوئی۔ اور ان ہی میں سے کچھ لوگوں نے خلفائے ثلاثہ (سیدنا ابوبکر، سیدنا عمر اور سیدنا عثمان، رضی اللہ عنہم پر زبان طعن دراز کی جیسا کہ روافض نے کیا۔" (منهاج السنة جلد ۳ صفحه ۲۴۳)

تاریخ کی روایات اس بات کی شہادت دیتی ہیں کہ سبائیوں کی اچھی خاصی تعداد آپ کے لشکر میں موجود تھی اور یہ وہی لوگ تھے جنھوں نے پہلے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے خون سے اپنے ہاتھوں کو رنگا اور بعد میں جنگ جمل میں سیدنا زبیر اور سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہما جیسے جلیل القدر صحابہ کو شہید کیا۔ چنانچہ علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ جنگ صفین میں جب دونوں فوجیں آمنے سامنے تھیں تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے سیدنا جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ کو قاصد بنا کر سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا تاکہ فریقین کے درمیان صلح کی کوئی صورت پیدا ہو سکے۔ سیدنا جریر رضی اللہ عنہ کے قاصد بنائے جانے پر مالک الاشتر نے جو سبائی گروہ کا سرغنہ تھا اعتراض کیا اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے کہا:

((لاتفعل فان مع معاوية .))

"ان کو نہ بھیجیں کیونکہ ان کی ہمدردیاں معاویہ (رضی اللہ عنہ) کے ساتھ ہیں۔"

لیکن سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اشتر کی بات نہ مانتے ہوئے سیدنا جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ کو خط دے کر سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس بھیج دیا۔ جس میں لکھا تھا کہ چونکہ مہاجرین وانصار نے میری بیعت کر لی ہے لہٰذا تم بھی میری بیعت کرو۔ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنی عادت کے مطابق رؤسائے شام اور سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو مشورہ کے لیے بلایا اور ان کو وہ خط سنا کر مشورہ طلب کیا۔ ان سب نے جو جواب دیا علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ ہی نے اس کو ان الفاظ میں نقل کیا ہے:

((فابوا ان يبايعوا حتى يقتل قتلة عثمان او ان يسلم اليهم قتلة عثمان .))

"انہوں نے اس وقت تک بیعت کرنے سے انکار کر دیا جب تک کہ قاتلان

عثمان کو (قصاص میں) قتل نہ کیا جائے یا ان کو ان کے سپرد کر دیا جائے (تا کہ اگر سیدنا علی رضی اللہ عنہ قاتلان عثمان کو قصاص میں قتل نہیں کر سکتے تو وہ خود قتل کریں)۔"

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے سیدنا جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ کو چند روز اور اپنے ہاں روکے رکھا تا کہ وہ لوگوں کے جذبات سے بخوبی آشنا ہو جائیں۔ چنانچہ سیدنا جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ لوگ امیر المومنین سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی خون میں لتھڑی ہوئی قمیص اور سیدہ نائلہ رضی اللہ عنہا کی کٹی ہوئی انگلیاں دیکھ دیکھ کر روتے ہیں اور انہوں نے قسمیں کھائی ہیں کہ جب تک وہ قاتلان عثمان سے قصاص نہیں لے لیں گے اس وقت تک نہ تو اپنی بیویوں کے پاس جائیں گے اور نہ وہ بستر ہی پر سوئیں گے۔

سیدنا جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ نے شام میں جو کچھ دیکھا اس کی پوری رپورٹ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو پیش کر دی اور کہا کہ شام کے سب لوگ قاتلان عثمان سے قصاص کے بارہ میں معاویہ (رضی اللہ عنہ) کے ساتھ ہیں اور وہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی مظلومانہ شہادت پر روتے ہیں اور کہتے ہیں کہ (سیدنا) علی (رضی اللہ عنہ) کا ان کی شہادت میں ہاتھ ہے اور انہوں نے ان کے قاتلوں کو پناہ دے رکھی ہے۔

سیدنا جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کے منہ سے یہ واقعات سن کر مالک الاشتر لال پیلا ہو گیا اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے کہا کہ کیا میں نے آپ سے یہ نہیں کہا تھا کہ آپ اس کو قاصد بنا کر نہ بھیجیں۔ اگر آپ مجھ کو قاصد بنا کر بھیجتے تو میں اس سے بہتر بات چیت کر کے آتا جو اچھے نتائج کی حامل ہوتی۔ لیکن سیدنا جریر رضی اللہ عنہ نے کہا: "بڑے میاں! اگر آپ وہاں چلے جاتے تو وہ لوگ آپ کو زندہ واپس نہ بھیجتے کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ تم قاتلان عثمان میں سے ہو۔" اس پر مالک الاشتر نے کچھ الٹا سا جواب دیا جس پر سیدنا جریر رضی اللہ عنہ غضب ناک ہو کر چلے گئے اور قرقیسا میں اقامت پذیر ہو گئے اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو اپنی اس بات چیت سے متعلق مطلع کر دیا۔ (البدایۃ والنہایۃ جلد ۷ صفحہ ۲۵۳۔ ابن الاثیر جلد ۳ صفحہ ۱۴۱۔ ۱۴۲)

اس روایت سے یہ پتہ چلتا ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے لشکر میں ایک ایسا عنصر شامل تھا جس کا قاتلانِ عثمان سے تعلق تھا یا وہ خود قاتلانِ عثمان تھے اور وہ ہر معاملہ میں اپنی سر توڑ

کوشش کرتے تھے کہ دونوں فریقوں میں کہیں صلح نہ ہو جائے کیونکہ صلح کی صورت میں ان کی خیر نہیں تھی۔

اس روایت سے زیادہ واضح ایک اور روایت ابن کثیر رحمہ اللہ ہی نے نقل کی ہے کہ جنگ صفین کے موقع پر اصحاب رسول کی یہ خواہش تھی کہ کسی نہ کسی طرح مسلمانوں کا یہ باہمی جنگ و قتال ختم ہو جائے۔ چنانچہ دو درد دل رکھنے والے صحابہ سیدنا ابو درداء اور سیدنا ابو امامہ الباہلی رضی اللہ عنہما نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے مل کر کہا۔

> ''معاویہ! آپ سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے کس بنا پر لڑتے ہیں؟ خدا کی قسم وہ آپ سے زیادہ قدیم الاسلام اور اقرب الی الرسول ہیں اور خلافت کے بھی آپ سے زیادہ مستحق ہیں۔ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ میں تو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے قصاص کے لیے لڑ رہا ہوں اور انہوں نے قاتلان عثمان کو اپنے ہاں پناہ دے رکھی ہے۔ آپ دونوں حضرات سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے پاس جائیں اور ان سے کہیں کہ وہ قاتلان عثمان سے قصاص لیں۔''
>
> ((ثم انا اوّل من بایعه من اهل الشام))
>
> ''پھر اہل شام میں سے میں سب سے پہلا شخص ہوں گا جو آپ کی بیعت کروں گا۔''

وہ دونوں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی یہ بات سنائی۔ علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ:

> ((فخرج خلق کثیر فقالوا کلنا قتلة عثمان .))
>
> ''ان کے لشکر سے بہت سے لوگ باہر نکل آئے اور کہنے لگے کہ ہم سب قاتلان عثمان ہیں۔''

جس کا جی چاہے وہ ہم سے جنگ کرے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے ان دونوں حضرات سے فرمایا:

> ((هؤلاء الذين تریان .))

"یہ ہیں وہ لوگ جن کو تم دیکھ رہے ہو۔"

اس پر یہ دونوں حضرات ناامید اور مایوس ہو گئے اور انہوں نے اس جنگ میں کوئی حصہ نہ لیا بلکہ غیر جانبدار رہے۔(البداية والنهاية جلد ۷ صفحه ۲۵۹)

اس روایت سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے لشکر میں ایک اچھی خاصی تعداد ان لوگوں کی تھی جو قاتلانِ عثمان تھے۔ کیونکہ وہ ایک نہایت گہری سازش کے تحت دائرہ اسلام میں داخل ہوئے تھے اور دوست کے روپ میں دشمن کا پارٹ ادا کر رہے تھے۔ (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو ہماری کتاب "سیرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ")

ابو حنیفہ دینوری نے بھی اس سلسلہ میں ایک روایت نقل کی ہے کہ ایک عابد و شب زندہ دار بزرگ سیدنا ابو مسلم خولانی رحمہ اللہ چند مسلمانوں کی معیت میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور کہا کہ:

> "ہمیں معلوم ہوا ہے کہ آپ سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے برسر پیکار ہونا چاہتے ہیں۔ آپ کو ان سے برابری کی کیسے جرأت ہوئی؟ حالانکہ آپ اسلام لانے میں ان سے بعد کے لوگوں میں سے ہیں۔"

آپ نے جواب دیا کہ

> "میں فضیلت میں ان کی برابری کا ہرگز دعوے دار نہیں ہوں۔ آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ خلیفۃ المسلمین سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ مظلوم شہید کر دیے گئے۔ ہم صرف یہ چاہتے ہیں کہ قاتلان عثمان سے قصاص لیا جائے اور اگر سیدنا علی رضی اللہ عنہ قصاص لینے پر قدرت نہیں رکھتے تو قاتلوں کو ہمارے حوالہ کر دیں۔ ہم ان سے قصاص لے لیں گے اور پھر ان کی خلافت کو تسلیم کر لیں گے۔"

ابو مسلم الخولانی رحمہ اللہ کے دل میں ایک تڑپ تھی اور امت کے لیے ایک درد تھا۔ وہ اس معاملہ کو خون ریزی کے بغیر نپٹانا چاہتے تھے، لہٰذا انہوں نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے کہا کہ آپ یہ سب مطالبات مجھے لکھ دیں۔ میں خود سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے پاس جاتا ہوں اور ان سے زبانی گفتگو کر کے آپ کے یہ مطالبات منوانے کی کوشش کرتا ہوں۔ ابو مسلم الخولانی رحمہ اللہ کے کہنے

پر آپ نے ان مطالبات کو اس طرح الفاظ کا جامہ پہنایا اور ایک خط کی شکل میں ابو مسلم الخولانی رحمہ اللہ کے ہاتھ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو روانہ کیا۔ آپ نے لکھا:

''اما بعد! سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ امیر المومنین مدینہ طیبہ میں آپ کی موجودگی میں شہید کیے گئے۔ آپ ان کے گھر کا شور وغل اور آہ و بکا سنتے رہے لیکن اپنے قول و عمل سے اس کا کوئی مداوا نہ کیا۔ میں بقسم کہتا ہوں کہ آپ اگر اخلاص اور سچائی سے ان کی مدافعت کرتے اور دشمنوں کو ان کے قتل سے روکتے تو آج نہ تو ہمیں آپ کے خلاف کوئی شکایت ہوتی اور نہ آپ کی مخالفت کی جاتی۔

دوسرا الزام آپ پر یہ ہے کہ آپ نے قاتلانِ عثمان کو اپنے ہاں پناہ دی ہوئی ہے اور آج وہ آپ کے دست و بازو اور مشیر کار ہیں۔ ہمارے کانوں تک یہ بات بھی پہنچی ہے کہ آپ قتل عثمان سے براءت کا اظہار کرتے ہیں۔ اگر یہ سچ ہے اور آپ اپنے اس دعویٰ میں سچے ہیں تو قاتلانِ عثمان کو ہمارے حوالہ کر دیں (اگر آپ خود قصاص پر قدرت نہیں رکھتے)۔ اور اے علی! آپ یقین رکھیے ہم سب سے پہلے آپ کی بیعت کے لیے تیار ہیں۔ لیکن اگر آپ ایسا نہیں کرتے تو پھر ہمارے پاس اس کا جواب صرف تلوار ہے۔ قسم ہے خدائے بزرگ و برتر کی! ہم بحر و بر سے قاتلانِ عثمان کو تلاش کر کے ان سے انتقام لیں گے یا پھر خود اپنی جان جان آفریں کے سپرد کر دیں گے۔''

ابو مسلم الخولانی رحمہ اللہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا یہ خط لے کر سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پہنچے، خط پیش کیا اور خط کے ساتھ زبانی بھی سارے حالات بیان کر دیے اور پورا پورا یقین دلایا کہ یہ منصب ہم کسی دوسرے کے لیے ہرگز پسند نہیں کرتے۔ آپ اس کے سب سے زیادہ مستحق ہیں کہ قاتلان عثمان سے قصاص لیں کیونکہ وہ مظلوم شہید کیے گئے ہیں۔ لیکن اگر آپ ان سے قصاص لینے کی قدرت نہیں رکھتے تو آپ انہیں ہمارے حوالے کر دیں اس طرح سے سب لوگ آپ کے ہاتھ پر خلافت کی بیعت کر لیں گے اور آپ کے مخالفین کے ساتھ ہم خود آپ کے دست و بازو اور اعوان و انصار بن کر لڑیں گے۔''

آپ نے ابو مسلم الخولانی رحمہ اللہ کی یہ سب باتیں نہایت غور سے سنیں۔ آپ نے اس روز تو ابو مسلم رحمہ اللہ کو کوئی جواب نہ دیا اور فرمایا کہ کل اس کا جواب دیں گے۔ دوسرے روز ابو مسلم رحمہ اللہ جامع مسجد کوفہ میں جب آپ سے ملنے کے لیے گئے تو دیکھا کہ وہاں دس ہزار مسلم آدمی یہ نعرے لگا رہے ہیں:

((كلنا قتلة عثمان .))

''ہم سب قاتلانِ عثمان ہیں۔''

یہ دیکھ کر ابو مسلم رحمہ اللہ نے کہا: معلوم ہوتا ہے کہ ان کو میرے آنے کی وجہ معلوم ہو گئی ہے اور انہوں نے اپنے تحفظ اور بچاؤ کے لیے یہ تدبیر سوچی ہے۔ بعد ازیں سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے زبانی ابو مسلم رحمہ اللہ سے کہا کہ قاتلوں کو آپ لوگوں کے حوالے کرنا میرے امکان سے باہر ہے لہٰذا میں مجبور ہوں۔ (اخبار الطوال صفحہ ۱۷۳۔ ۱۷٤ ملخصاً)

اس روایت سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے لشکر میں ایک اچھی خاصی تعداد سبائیوں اور قاتلان عثمان کی تھی جنہوں نے ان کے گرد گھیرا ڈالا ہوا تھا اور ان کو اپنی مرضی اور خواہش کے مطابق چلاتے تھے۔ چنانچہ ایک شیعی محقق ملا عبدالرزاق لاہجی نے صاف الفاظ میں لکھا ہے کہ:

خلافت او بعد از ثلاثہ خلافتے نہ بود کہ دراں خلافت عمل بہ مقتضائے علم او خواہد کرد. (گوھر مراد صفحہ ۱۲۵)

''اصحاب ثلاثہ کی خلافت کے بعد ان کی خلافت ایسی خلافت نہ تھی جس میں وہ اپنی مرضی کے مطابق عمل درآمد کر سکتے۔''

یہاں تک بات بڑھ گئی تھی کہ جب کبھی آپ ان کی مرضی کے خلاف رائے دیتے تو یہ دشمنان اسلام آپ کو دھمکیاں دینی شروع کر دیتے۔ چنانچہ جب سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے مملکت اسلامیہ میں اپنے عزیز و اقارب کو گورنر مقرر فرمایا تو ان سبائیوں نے اس چیز کو اپنے لیے خطرہ کا باعث سمجھا اور مالک الاشتر جو اس گروہ کا سردار تھا، سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے غضب ناک ہو کر کہنے لگا:

((علیٰ ما قتلنا الشیخ اذن .)) (طبری جلد ۵ صفحہ ۱۹۴)

''پھر ہم نے اس بڑے میاں (سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ) کو کیوں قتل کیا تھا؟''

پھر ہر مشکل وقت میں ان لوگوں نے آپ کا ساتھ چھوڑ دیا اور جب سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو ان کی ضرورت پڑتی یہ کوئی نہ کوئی عذر لنگ تراش کر پہلوتہی کر جاتے۔ چنانچہ خوارج کی جنگ کے فوراً بعد آپ کی فوج کے ایک سردار اشعث بن قیس کندی نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے یہ کہنا شروع کر دیا کہ:

''ہمارے ترکش خالی ہو گئے ہیں، ہماری تلواریں کند ہو گئی ہیں اور ہمارے نیزوں کی انیاں خراب ہو گئی ہیں، لہٰذا آپ ہمیں اب گھر جانے دیجیے۔''

(ابن اثیر جلد ۳ صفحہ ۱۷۶۔ اخبار الطوال صفحہ ۲۱۱)

یعنی امیر المومنین کو فوج کی مدد کی ضرورت ہے اور فوج بہانے تراش کر رخصت پر جانا چاہتی ہے۔ اس سے زیادہ اور بے وفائی کیا ہو گی؟ ان لوگوں کی اسی طرح کی بے وفائیوں اور فتنہ انگیزیوں سے تنگ آ کر آپ نے ایک دفعہ منبر پر حلفیہ بیان فرمایا:

''بخدا سوگند! مجھے منظور ہے کہ حق تعالیٰ تم میں سے مجھے اٹھا لے۔ پھر فرمایا خداوندا! تو جانتا ہے کہ میں ان سے تنگ آ گیا ہوں اور یہ مجھ سے تنگ آ گئے ہیں۔ میں ان سے ملول ہوں۔ خداوندا! مجھے ان سے راحت عطا فرما اور ان کو اس شخص کے ہاتھ مبتلا کر کہ یہ بعد اس کے مجھے یاد کریں۔'' [1]

(جلاء العیون از ملا باقر مجلسی باب ۳ فصل ۲ صفحہ ۲۳۹)

ایک اور موقع پر ان لوگوں کے بارہ میں اپنی شکایت کا اظہار ان الفاظ میں فرمایا:

''اگر موسم گرما میں تم کو کہتا ہوں کہ جنگ کے لیے نکلو تو کہہ اٹھتے ہو کہ بڑی سخت

---

[1] تاریخ روضۃ الصفا کے مؤلف لکھتے ہیں کہ امیر المومنین کی یہ دعا آخر قبول ہو کر رہی اور اسی رات حجاج بن یوسف ثقفی پیدا ہوا۔

((وازوبہ کوفیاں رسید آنچہ رسید .))

''اور اس سے کوفیوں کو جو سزا ملی وہ ملی۔''

تاریخ میں حجاج کے ذمہ جو قتل لگائے جاتے ہیں وہ زیادہ تر ان ہی کوفیوں اور دشمنان اسلام کے ہیں جنھوں نے دوستی کے روپ میں دشمنی کا کام انجام دیا۔

گرمی ہے۔ ہم کو مہلت دیجیے کہ گرمی کم ہو جائے۔ جب تم گرمی سے بھاگتے ہو تو تلوار سے تو زیادہ بھاگو گے۔ اے لوگو! جو لڑکوں اور عورتوں کی مانند عقل رکھتے ہو، کاش میں تم کو کبھی نہ دیکھتا اور نہ تم کو پہچانتا۔ میرے دل کو پیپ اور میرے سینہ کو غصہ سے تم نے بھر دیا ہے اور تم نے سخت نافرمانی کی ہے اور میری رائے کو تم نے ضائع کر دیا ہے۔''

(حلیة المتقین از ملا باقر مجلسی، باب ١٤ فصل ١٢ صفحه ٣٦٢)

چنانچہ جب ان لوگوں نے آپ کو زیادہ تنگ کیا تو ایک روز آپ کے منہ سے یہ الفاظ بھی نکل گئے۔ فرمایا:

((قاتلکم الله لقد ملاءتم قلبی قیها وشبحنتم صدری غیظاً.)) (نهج البلاغة صفحه ٤٨)

''اللہ تعالیٰ تمہیں ہلاک کرے، تم نے میرے دل کو غم کی پیپ سے بھر دیا اور میرے سینہ کو غصہ سے۔''

ایک روز آپ بہت کبیدہ خاطر تھے اور اپنے ان ساتھیوں اور لشکریوں کا جنہوں نے پہلے تو جنگ جمل اور جنگ صفین میں اپنوں سے لڑایا، لیکن اب معاہدہ تحکیم کے بعد جب اپنی سازشوں کو کامیاب ہوتے نہ دیکھا تو آپ کا ساتھ چھوڑ دیا، ان الفاظ میں شکوہ فرمایا:

((و قد زعمت قریش ان ابن ابی طالب شجاع ولکن لا علم له بالحروب۔ تربت ایدیهم وهل فیهم اشد مراساً لها منی؟ لقد نهضت فیها وما بلغت العشرین وها انا ذا قد اربیت علی نیف و ستین ولکن لارای لمن لایطاع.)) (مروج الذهب جلد ٢ صفحه ٦٢۔ اخبارالطوال صفحه ٢١٢۔ کتاب الاغانی جلد ١٥ صفحه ٤٣۔ حلیة المتقین باب ١٤، فصل ١٢ صفحه ٣٦٢)

''قریش سمجھتے ہیں کہ ابو طالب کا بیٹا بہادر تو ہے لیکن جنگی علوم وفنون سے نا آشنا اور نابلد ہے۔ خاک آلود ہوں ان کے ہاتھ، کیا ان میں کوئی مجھ سے زیادہ ماہر

ہے؟ میں تو جنگوں میں اس وقت پڑا تھا جب میری عمر ابھی بیس برس کی بھی نہ تھی اور اب میں زندگی کی ۶۰ منزلوں سے بھی تجاوز کر چکا ہوں لیکن جس کی کوئی اطاعت نہ کرے اس کی رائے کی کیا قیمت ہوسکتی ہے۔''

مورخین اسلام نے ان کے خصائل کے کچھ واقعات اپنی کتابوں میں نقل کیے ہیں۔ ان میں ایک خصلت ان کی یہ تھی کہ

''سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ جب بھی کوئی مراسلہ سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجتے تو قاصد کے آنے جانے کی کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوتی کہ پیغام رساں کب آتا ہے اور کب جاتا ہے اور کیا خط لے گیا اور کیا جواب لایا۔ شام کا کوئی شخص اس سے اس بارہ میں کچھ نہ دریافت کرتا۔ لیکن جب سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا پیغام رساں آتا تو عراق کے لوگ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما (جو سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے معتمد خاص تھے) کے پاس جاتے اور دریافت کرتے کہ امیر المومنین سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے آپ کو کیا لکھا ہے؟ اگر آپ ان سے خط کے مضمون کو چھپاتے تو پھر خود ہی اٹکل پچو لڑایا کرتے کہ ہماری رائے میں امیر المومنین نے فلاں فلاں بات لکھی ہو گی۔ اس پر سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ ان سے فرمایا کرتے: تمہیں کبھی عقل بھی آئے گی؟ کیا تم نہیں دیکھتے کہ (سیدنا) معاویہ (رضی اللہ عنہ) کا قاصد آتا ہے تو کوئی خبر نہیں ہوتی کہ کیا پیغام لایا اور کیا لے گیا۔ نہ ان کے ہاتھ بلند ہوتے ہیں اور نہ کوئی شور و غوغا سنائی دیتا ہے۔ مگر تم یہاں سارا دن بیٹھ کر اٹکل پچو مارا کرتے ہو۔'' (ابن اثیر جلد ۳ صفحہ ۱۶۷۔ اخبار الطوال صفحہ ۱۹۷۔

محاضرات تاریخ الامم الاسلامیة جلد ۲ صفحہ ۷۱)

ان کی یہ باتیں جب سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے کانوں میں پڑتیں تو آپ کو بہت صدمہ ہوتا اور آپ ان کو اچھی طرح ڈانٹتے۔ چنانچہ زہیر بن ارقم روایت کرتے ہیں کہ ایک روز آپ نے جمعہ کے خطبہ میں ارشاد فرمایا:

''مجھے معلوم ہوا ہے کہ بسر (ابن ارطاۃ) اب یمن پہنچ گئے ہیں۔ واللہ! مجھے ایسا لگتا ہے

کہ عنقریب یہ لوگ تم پر غالب آ جائیں گے، اور یہ تم پر صرف اس وجہ سے غالب آئیں گے کہ تم اپنے امام کی نافرمانی کرتے ہو، اور وہ اپنے امام کے فرماں بردار ہیں۔ تم امانت میں خیانت کرتے ہو اور وہ امین ہیں۔ تم زمین میں فساد برپا کرتے ہو اور وہ صلح و آشتی پھیلاتے ہیں۔ میں نے فلاں کو بھیجا، اس نے خیانت کی اور دھوکہ دیا۔ فلاں کو بھیجا، اس نے بھی خیانت کی اور غدر کر کے مال و دولت معاویہ (رضی اللہ عنہ) کو بھیج دیا۔ میں اگر تم میں سے کسی کو ایک پیالے پر امین بناؤں تو وہ اسے بھی چاٹنا شروع کر دے گا۔"

پھر بڑے دل گیر اور پژمردہ ہو کر ان لوگوں کے بارہ میں حق تعالیٰ سے یوں دعا کرتے:

((اللهم سئمتهم وسئموني و كرهتهم و كرهوني اللهم فارحهم مني وارحني منهم .)) (البداية والنهاية جلد ٧ صفحه ٣٢٥)

"اے اللہ! میں ان سے تنگ ہوں اور یہ مجھ سے تنگ ہیں۔ اے اللہ! ان کو مجھ سے نجات دے اور مجھے ان سے۔"

بعض اوقات اپنے شیعوں اور نام نہاد ساتھیوں کی انہی غداریوں اور فتنہ انگیزیوں کا ذکر کرتے ہوئے آپ کی آنکھوں سے موسلا دھار بارش کی طرح آنسو ٹپک پڑتے اور آپ بڑی حسرت سے فرمایا کرتے:

((والله! ان معاوية صارفني بكم صرف الدينار بالدرهم فاخذ مني عشراً منكم و اعطاني رجلا منهم .))

نهج البلاغة جلد ٢ صفحه ٣٥٤.

"بخدا! میری دلی آرزو ہے کہ (سیدنا) معاویہ (رضی اللہ عنہ) مجھ سے اس طرح تمہارا تبادلہ کر لیں جس طرح دینار (اشرفیاں) درہموں (روپوں) سے تبادلہ کیے جاتے ہیں، مجھ سے وہ تمہارے دس آدمی لے لیں اور مجھے اپنے آدمیوں میں سے ایک آدمی دے دیں۔"

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے بھی سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے گروہ کے ان سبائیوں کے بارہ میں ایسا ہی لکھا ہے اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی ان کے مقابلہ میں بے بسی کا ان الفاظ میں نقشہ کھینچا ہے۔

فرماتے ہیں:

((وكان علياً عاجزاً عن قهر الظلمة من العسكرين و لم تكن اعوانه يوافقونه على ما يأمر به واعوان معاوية يوافقونه .))

(منهاج السنة جلد ۲ صفحه ۲۰۲)

''سیدنا علی رضی اللہ عنہ اپنے سپاہیوں کے ظلم و قہر سے عاجز اور مجبور تھے اور ان کے ساتھی ان کے ساتھ کسی کام میں موافقت اور تعاون نہیں کرتے تھے۔ اور اس کے مقابلہ میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھی ان کے احکام کو بدل و جان قبول کرتے تھے۔''

ان سب حوالہ جات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے لشکر کی اچھی خاصی تعداد ان لوگوں کی تھی جو قاتلانِ عثمان میں سے تھے اور جن کی زندگی کا مقصد وحید ہی اسلام میں رخنہ اندازی اور فتنہ انگیزی تھا اور جو اسلام کا لبادہ اوڑھ کر اسلام کو تاخت و تاراج اور اہل اسلام سے اپنی شکستوں کا بدلہ لینا چاہتے تھے۔ انہوں نے ہی جنگ جمل میں مسلمانوں کے دو گروہوں کو آپس میں لڑایا تھا کیونکہ ان دونوں کو لڑا کر ہی وہ اپنے آپ کا تحفظ کر سکتے تھے۔

((راى الناس فينا والله واحد و ان يصطلحوا مع على فعلى دمائنا .)) (البداية والنهاية جلد ۷ صفحه ۲۳۹۔ طبری جلد ٤ صفحه ٤٨٨۔ ابن اثیر جلد ۳ صفحه ۱۲۳)

''ہم لوگوں کے بارہ میں ان کی رائے ایک ہے۔ ان میں اگر آپس میں صلح ہوئی تو وہ ہمارے خون پر ہوگی۔''

بعض علماء نے اس حدیث کا یہ جواب دیا ہے کہ اس حدیث کی دوسری روایت میں یہ الفاظ بھی منقول ہیں:

((يا عمار! لا تقتلك اصحابى تقتلك الفئة الباغية .))

(وفاء الوفاء)

''اے عمار! تم کو میرے صحابی قتل نہ کریں گے بلکہ باغی گروہ قتل کرے گا۔''

اس حدیث میں جماعت باغیہ کو صحابہ کے مقابلہ میں لایا گیا ہے جس سے معلوم ہوا کہ جماعت باغیہ صحابہ کے علاوہ کوئی اور جماعت تھی اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا صحابی ہونا قطعی اور یقینی ہے لہٰذا ان کو قاتل عمار کہنا ایسا ہی غلط ہے جیسا کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو قاتل عثمان کہنا غلط ہے۔ اور باغی گروہ اس وقت بالاتفاق وہ بلوائی اور سبائی تھے جو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتل تھے (جیسا کہ بیان کیا جا چکا ہے) پس وہی گروہ قاتل عمار تھا۔

(براءۃ عثمان، مولانا ظفر احمد عثمانی صفحہ ٦٢)

یہاں ایک بات ذہن میں رہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو یہ فرمایا تھا کہ تمہیں "فئـه بـــاغيـــه" قتل کرے گا اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے "فئة عـظيمة" فرمایا ہے "فـئـه بـاغية" نہیں فرمایا۔ فئہ باغیہ وہ گروہ تھا جس کا ہم نے گزشتہ صفحات میں ذکر کیا ہے۔

بعض روایات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا عمار رضی اللہ عنہ نے جنگ صفین میں شرکت ہی نہیں فرمائی بلکہ وہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں انکوائری کمیشن کے ممبر کی حیثیت سے مصر تشریف لے گئے تھے اس وقت انہیں سبائی گروہ نے شہید کر دیا تھا۔ چنانچہ ابن جریر طبری نے لکھا ہے کہ:

((واستبطاء الناس عماراً حتیٰ ظنوا قد اغتیل .))

(طبری جلد۳، صفحہ ۳۷۹۔ التمهيد والبيان فی مقتل الشهير عثمان لمحمد بن يحيىٰ صفحه ۸۹)

"بہر حال عمار رضی اللہ عنہما کو لوگوں نے روک لیا تھا یہاں تک کہ (اہل مدینہ نے) یقین کر لیا کہ وہ دھوکہ سے قتل کر دیے گئے ہیں۔"

سیدنا عمار بن یاسر مصر میں شہید کیے گئے ہوں یا صفین میں، سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا ان کی شہادت میں کوئی دخل نہیں تھا، کیونکہ وہ باغی نہ تھے، وہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے ناحق خون کے قصاص کے طالب تھے، جن کے بارے میں سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما آیت قرآنی

﴿وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُوْمًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِيِّهٖ سُلْطٰنًا فَلَا يُسْرِفْ فِّي الْقَتْلِ اِنَّهٗ كَانَ مَنْصُوْرًا﴾ (بنی اسرائیل: ۳۳)

''اور جو شخص ظلماً قتل کر دیا جائے تو ہم نے اس کے وارث کے لیے مضبوط حق رکھا ہے۔ پس وہ (وارث) مارنے میں (یعنی بدلہ دیتے وقت) زیادتی نہ کرے۔ بلاشک وہی مظفر و منصور رہے گا۔''

کے اشارہ سے سمجھ گئے تھے کہ اگر سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے قاتلانِ عثمان سے قصاص نہ لیا تو ان کے مقابلہ میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ مظفر و منصور ہوں گے۔

(ازالۃ الخفا جلد ۱ صفحہ ٤٣٤۔ براءۃ عثمان صفحہ ٦٣)

غرض کہ ان کو قتل کرنے والے وہ سبائی اور باغی تھے جنہوں نے خلیفہ برحق سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو شہید کر کے امت میں فتنہ برپا کیا تھا اور مسلمانوں کے خون سے جمل اور صفین میں اپنے ہاتھ رنگے تھے۔ وہ تھے ''الفئة الباغية'' اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی تو ''فئه عظيمة'' تھے جن کے بارہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بطور پیش گوئی فرمایا تھا:

((ان ابنى هذا سيد و لعل الله ان يصلح به بين فئتين عظيمتين من المسلمين .)) (بخاری جلد ۱ صفحہ ۳۷۳، جلد ۲ صفحہ ۵۳۰، صفحہ ۱۰۵٦۔ ترمذی جلد ۲ صفحہ ۲٤۱۔ البداية والنهاية جلد ۸ صفحہ ۱۷، ۲٦۔ ابن عساکر جلد ٤ صفحہ ۲۱۱، ۲۱۲)

''میرا یہ بیٹا (سیدنا حسن رضی اللہ عنہ) سردار ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے سے مسلمانوں کے دو بڑے گروہوں کے درمیان مصالحت کرائے گا۔''

یہ مصالحت سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے اپنے دورِ خلافت میں سیدنا علی اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہما کے گروہوں میں کروائی تھی، جیسا کہ محدثین نے تصریح کے ساتھ لکھا ہے۔ لہٰذا اس حدیث کا مصداق سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو کسی صورت نہیں بنایا جا سکتا اور نہ اس حدیث کی وجہ سے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ پر زبان طعن دراز کی جا سکتی ہے۔



استلحاق زیاد

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ پر ایک اعتراض بعض صحابہ دشمن لوگ یہ بھی کرتے ہیں کہ انہوں نے سیاسی اغراض کے تحت شریعت کے ایک مسلمہ قاعدے کی خلاف ورزی کی اور امیر زیاد کا، جو طائف کی ایک سمیہ نامی لونڈی کے بطن سے تھے، نسبی طور پر اپنے ساتھ الحاق کر لیا۔ ان کا یہ فعل قانونی حیثیت سے ایک صریح نا جائز فعل تھا، کیونکہ شریعت میں کوئی نسب زنا سے ثابت نہیں ہوتا۔

زیاد بن ابی سفیان حارث بن کلدہ طبیب کی لونڈی سمیہ کے بیٹے تھے۔ جب سمیہ ابھی حارث بن کلدہ ہی کے پاس تھی تو حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ اس سے پیدا ہوئے۔ پھر اس نے اس لونڈی کی شادی اپنے ایک غلام سے کر دی اور اس کے ہاں امیر زیاد پیدا ہوئے۔

امیر زیاد کی پیدائش کا قصہ اس طرح ہے کہ ایک مرتبہ سیدنا ابوسفیان رضی اللہ عنہ اپنے کسی کام سے طائف گئے ہوئے تھے۔ وہاں انہوں نے جاہلیت کے مروجہ نکاح کی طرح سمیہ سے نکاح کیا اور اس سے مباشرت کی۔ اس مباشرت سے امیر زیاد پیدا ہوئے اور سمیہ نے زیاد کو ابوسفیان رضی اللہ عنہ سے منسوب کیا۔ خود ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے اس بات کا اقرار کیا مگر پوشیدہ اور خفیہ طور پر۔ (ابن خلدون جلد ۳ صفحہ ١٤)

ابن خلدون کے اس حوالہ سے معلوم ہوتا ہے کہ زیاد سیدنا ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی زنا کی اوّلاد نہیں تھے بلکہ نکاح کی اوّلاد تھے، لیکن وہ نکاح جاہلیت کا تھا۔ اسلام نے جاہلیت کے نکاحوں کی اوّلاد کو صحیح تسلیم کیا ہے، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت نے اب ان تمام نکاحوں کو منسوخ کر دیا ہے۔ چنانچہ سیدہ عائشہ سلام اللہ علیہا فرماتی ہیں کہ

جاہلیت میں چار قسم کے نکاح ہوا کرتے تھے:

ا: ایک نکاح موجودہ طریقے کا جیسا آج کل ہوتا ہے۔

۲: دوسرا نکاح یہ کہ مرد اپنی عورت کو خود کسی دوسرے کے پاس بھیج دیتا تھا اور خود اس کو ہاتھ تک نہ لگاتا تھا۔ یہاں تک کہ اس دوسرے شخص کا حمل اس عورت میں ظاہر ہو جاتا۔ جب حمل عیاں ہو جاتا تو پھر وہ خاوند اپنی بیوی سے مقاربت کرتا اور یہ اس لیے کرتا کہ معلوم ہو جائے کہ یہ بیٹا کس کا ہے۔ جاہلیت میں اس نکاح کو ''نکاح الاستبضاع'' کہا کرتے تھے۔

۳: تیسری قسم کا نکاح وہ ہوتا تھا کہ دس سے کم آدمی ایک عورت سے صحبت کرتے اور جب بچہ پیدا ہوتا تو وہ عورت ان تمام مردوں کو بلاتی اور جب وہ آجاتے تو وہ کسی ایک شخص سے کہہ دیتی کہ یہ تیرا بیٹا ہے تو وہ اس شخص کا بیٹا ہو جاتا اور اس شخص کو اس سے مجال انکار نہ ہوتی۔

۴: چوتھا نکاح یہ تھا کہ بہت سے لوگ ایک عورت سے مباشرت کرتے۔ جب اس کے ہاں بچہ پیدا ہوتا تو سب اس کے پاس جمع ہو جاتے اور قیافہ شناسوں کو بلا لیا جاتا۔ وہ غور وفکر کر کے اس بچے کو کسی سے ملحق کر دیتے اور وہ بچہ اس شخص کا بیٹا کہلاتا تھا اور وہ شخص اس کا انکار نہ کر سکتا تھا۔''

نکاح کی یہ چاروں قسمیں بیان کرنے کے بعد سیدہ عائشہ سلام اللہ علیہا فرماتی ہیں:

((هدم نكاح الجاهلية كله الانكاح الناس اليوم.))

(بخاری جلد ۲ صفحہ ۷۶۹)

''جناب رسول اللہ ﷺ کے تشریف لانے کے بعد جاہلیت کے سب نکاح باطل ہو گئے سوائے موجودہ نکاح کے۔''

ابن اثیر نے بھی استلحاق زیاد کے واقعہ کے تحت جاہلیت کے نکاحوں کا ذکر کیا ہے، فرماتے ہیں:

((ان انكحة الجاهلية كانت انواعاً لا حاجة الى ذكر جميعها و كان منها ان الجماعة يجامعون البغي فاذا حملت وولدت الحقت الولد بمن شاءت منهم فيلحقه فلما جاء الاسلام حرم

هذا النكاح الا انه أقرّ كل ولد كان ينسب الى اب من اى نكاح كان من انكحتهم على نسبه ولم يفرق بين شيء منها.)) (ابن اثیر جلد ۳ صفحه ۱۷۶)

''جاہلیت میں نکاح کی بہت سی قسمیں تھیں، ان سب کے ذکر کی یہاں ضرورت نہیں ہے۔ البتہ ان اقسام میں سے ایک قسم یہ تھی کہ کسی کسبی عورت سے بہت سے لوگ مقاربت کرتے۔ پھر جب وہ بچہ جنتی تو اس بچے کو جس کی طرف چاہتی منسوب کر دیتی، پس وہ اس کا بچہ قرار پاتا۔ جب اسلام آیا تو نکاح کی یہ قسم حرام ہوگئی لیکن جاہلیت کے نکاح کے جس طریقے سے بھی کوئی اپنے باپ کی طرف منسوب ہوا، اسلام کے بعد بھی اس کو اسی نسبت پر برقرار رکھا گیا اور نکاح کے ثبوت کے معاملہ میں کوئی تفریق نہیں رکھی گئی۔''

معلوم ہوا کہ امیر زیاد ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے نکاح کی اوّلاد تھے اور ان کے نسبی الحاق کا اعلان جو ۴۴ھ میں ہوا تھا وہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی تحریک اور سیاسی اغراض کے تحت نہیں ہوا تھا بلکہ اس کی تحریک خود امیر زیاد نے کی تھی۔ چنانچہ روایات میں آتا ہے کہ

''زیاد جب کوفہ آئے تو انہوں نے کہا کہ کیا تم میرا نسب معاویہ (رضی اللہ عنہ) سے لاحق کر سکتے ہو؟ انہوں نے کہا کہ اگر جھوٹی شہادت سے ہے تو نہیں۔ اس پر وہ بصرہ آئے وہاں ایک شخص نے اس بات کی شہادت دی۔''

روایات سے پتہ چلتا ہے کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے سامنے ۴۴ھ میں دس ثقہ اور جید لوگوں نے گواہی دی کہ زیاد ابوسفیان (رضی اللہ عنہ) کا بیٹا ہے۔ ان گواہوں میں سیدنا مالک بن ربیعہ سلولی اور سیدہ جویریہ بنت ابوسفیان رضی اللہ عنہا بھی تھیں۔ باقی گواہوں کے نام یہ ہیں:

زیاد بن اسماء حرمازی، منذر بن زبیر، مسور بن قدامہ باہلی، ابن ابی نصر ثقفی، زید بن نفیل ازدی، شعبہ بن علقم مازنی، بنو عمرو بن شیبان کا ایک شخص، یزید بنو المصطلق کا ایک شخص۔

ان گواہوں میں منذر بن زبیر نے یہ گواہی دی تھی کہ میں نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو یہ کہتے سنا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ ابوسفیان نے یہ بات کہی تھی کہ زیاد میرا بیٹا ہے۔ اسی طرح کی

گواہی دوسرے گواہوں نے بھی دی۔

(ملاحظہ ہو: اصابہ جلد ۱ صفحہ ۵۶۳۔ اخبار الطوال صفحہ ۲۱۹)

ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ کے الفاظ ہیں کہ:

((شهدوا كلهم على ابى سفيان ان زيادا ابنه الا المنذر فيشهد انه سمع علياً يقول اشهد ان ابا سفيان قال ذالك .))

(اصابه جلد ۱ صفحه ۵۶۳)

''ان سب گواہوں نے اس بات کی شہادت دی کہ زیاد ابوسفیان کا بیٹا ہے سوائے منذر بن زبیر کے، انہوں نے کہا کہ میں نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو یہ فرماتے سنا ہے کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ ابوسفیان نے یہ کہا تھا کہ زیاد میرا بیٹا ہے۔''

اس پر سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے ایک خطبہ ارشاد فرمایا اور زیاد کو اپنے ساتھ نسب میں ملحق کر لیا۔ اس کے بعد امیر زیاد بولے:

((ان كان ما شهد الشهود به حقاً فالحمدلله وان يكن باطلا فقد جعلتهم بيني و بين الله .))

''اگر ان گواہوں نے جو گواہی دی ہے وہ صحیح ہے تو الحمد للہ، اور اگر یہ باطل ہے تو میں نے ان لوگوں کو اپنے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان ذمہ دار بنا دیا ہے۔''

یہ تھا وہ سارا واقعہ جس میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے امیر زیاد کو اپنا بھائی قرار دیا اور اپنے نسب میں ان گواہوں کی شہادت پر، جس میں جلیل القدر صحابی مالک بن ربیعہ السلولی رضی اللہ عنہ بھی تھے، الحاق کیا۔ اصل واقعہ یہ تھا لیکن دشمنان صحابہ نے اس پر مختلف حاشیہ آرائیاں کی ہیں اور زیب داستاں کے لیے اس پر ایسے ایسے ضمیمے لگائے ہیں کہ دیانت و شرافت سر بگریباں ہے۔ اور یہ سب کچھ صرف اور صرف اس لیے ہے تاکہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی ذات میں کیڑے نکالے جائیں اور سوچنے کی بات یہ ہے کہ زیاد کو اپنا بھائی بنانے میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو کیا فائدہ ہوا؟ زیاد سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے بڑی شخصیت کے حامل نہیں تھے اور نہ اس میں ان جیسی زیرکی اور دانشمندی ہی تھی۔ تاریخ کے اوراق بتاتے ہیں کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں وہ فارس کے گورنر تھے۔ بیت المال کی رقم خرد برد کرنے کا ان پر الزام تھا۔ جب

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے تو آپ نے ۴۱ھ میں انہیں لکھا کہ آکر اپنی صفائی پیش کرو اور بیت المال کی جو رقم تم نے لے رکھی تھی وہ فوراً ادا کرو۔ اس پر زیاد نے لکھا:

''میرے پاس اب کوئی رقم نہیں ہے، تھوڑی سی رقم میں نے اس غرض سے پس انداز کر رکھی ہے کہ مصیبت کے وقت لوگوں کے کام آئے۔ باقی تمام مال میں نے سابق امیر المومنین (سیدنا علی رضی اللہ عنہ) کے پاس بھیج دیا تھا۔''

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کو پھر لکھا:

''اچھا اگر یہ بات ہے تو تم ہمارے پاس آؤ، ہم تمہارے معاملے پر غور وخوض کرتے ہیں۔ اگر تمہارا حساب کتاب درست ہوا تو ٹھیک اور اگر درست نہ ہوا تب بھی ہم تجھے نہیں روکیں گے بلکہ واپس جانے کی اجازت دے دیں گے۔''

اس قدر یقین دہانی کے بعد بھی زیاد سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس نہ آئے۔ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے بصرہ کے گورنر بسر بن ارطاۃ رضی اللہ عنہ کو اس تمام صورت حال سے آگاہ کیا۔ بسر رضی اللہ عنہ نے زیاد کے تینوں بچوں عبدالرحمٰن، عبیداللہ اور عباد کو گرفتار کر لیا اور زیاد کو لکھا:

((لتقدمن امير المومنين او لاقتلن بنيك .))

''یا تو تم امیر المومنین (سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ) کے پاس حاضر ہو جاؤ ورنہ میں تمہارے بچوں کو قتل کر دوں گا۔''

لیکن زیاد اس پر بھی امیر المومنین معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر نہ ہوئے۔ زیاد کے بچوں کی گرفتاری کا سن کر زیاد کے بھائی حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس آئے کیونکہ انہوں نے سن لیا تھا کہ

((فهم بقتلهم .))

''بسر رضی اللہ عنہ نے ان کو قتل کرنے کا عزم کر لیا ہے۔''

چنانچہ حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ نے امیر المومنین سے زیاد کے بچوں کی رہائی کی سفارش کی۔ امیر المومنین نے ان کی سفارش پر بسر بن ارطاۃ رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ:

''ان بچوں کے قتل سے رک جاؤ اور انہیں چھوڑ دو۔''

جس پر بسر رضی اللہ عنہ نے ان کو چھوڑ دیا۔ (طبری جلد ٤ صفحہ ١٢٨، ١٢٩۔ الکامل جلد ٣ صفحہ ٤١٤، ٤١٥۔ البدایۃ والنھایۃ جلد ٨ صفحہ ٢٢۔ ٢٤)

طبری ہی کی روایت میں ہے کہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ سے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی صلح کے بعد امیر المومنین معاویہ رضی اللہ عنہ نے بسر بن ارطاۃ رضی اللہ عنہ کو رجب ۴۱ھ میں بصرہ روانہ فرمایا تو (زیاد متحصن بفارس) زیاد فارس میں قلعہ بند تھا۔ (ایضاً)

ان روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ جب ۴۱ھ میں زمام خلافت سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں آئی تو زیاد اس وقت نہایت کسمپرسی کی حالت میں تھا بلکہ اس پر غبن کا الزام تھا۔ پھر گورنر بصرہ بسر بن ارطاۃ رضی اللہ عنہ نے اس کے بچوں کو گرفتار کر لیا ہوا تھا۔ اگر سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کسی سیاسی غرض سے اس کو اپنے ساتھ ملانا چاہتے تھے تو اس سے زیادہ اور اچھا موقع انہیں کب مل سکتا تھا۔ وہ زیاد سے اس وقت اپنی ہر سیاسی غرض پوری کر سکتے تھے، کیونکہ وہ خود بھی اس وقت ملزم تھا اور اس کے بچے بھی گرفتار تھے اور گورنر بصرہ انہیں قتل کرنا چاہتا تھا۔ لیکن آپ نے ایسے نازک موقع پر جب کہ زیاد کو اچھے طریقے سے بلیک میل (Black Mail) کیا جا سکتا تھا، کوئی سیاسی فائدہ اس سے حاصل نہیں کیا، تو اس کے بعد انہیں کیا مصیبت پڑی تھی کہ وہ اپنی سیاسی اغراض حاصل کرنے کے لیے اس کا غلط نسبی الحاق اپنے ساتھ کرتے۔ بلکہ جہاں تک میری رائے ہے یہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا دینی خلوص اور شریعت اسلامیہ سے محبت والفت کا نتیجہ تھا کہ ایک ایسے آدمی کے متعلق جس کے حسب ونسب سے صرف چند لوگ واقف تھے اور جس کے نسب کے متعلق عام لوگوں کی رائے اچھی نہیں تھی، اس کا اپنے نسب میں الحاق کر کے دنیا میں اس کو عزت والا بنا دیا۔ خدارا! خود ہی غور سے سوچیے کہ اس سے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے کون سی سیاسی اغراض حاصل کیں۔

اگر کوئی سیاسی غرض حاصل کرنا مقصود ہوتا تو کم از کم اس وقت اس کو اپنا بھائی بناتے جب ۴۱ھ میں ان کی حکومت مستحکم ہو رہی تھی۔ حکومت کے مستحکم ہونے کے چار سال بعد یعنی ۴۴ھ میں ان کا زیاد کو اپنا بھائی بنانے کا مقصد اس کے سوا اور کچھ نہیں تھا کہ جب دس ثقہ اور جید گواہوں نے جن میں ایک ان کی اپنی بہن سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا بھی تھیں، اس بات کی گواہی

دی کہ زیاد ابو سفیان رضی اللہ عنہ کا بیٹا ہے تو انہوں نے باوجود عزت والے خاندان کا چشم و چراغ ہونے کے، شریعت کے قانون کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا اور نہ صرف زیاد کو اپنا بھائی بنایا بلکہ اپنی صاحبزادی کا نکاح بھی زیاد کے بیٹے محمد سے کر دیا۔ وگرنہ کہاں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اور کہاں زیاد۔ ایک ذرۂ بے مقدار کو آفتاب عالم تاب سے کیا نسبت ہو سکتی ہے۔ زیاد کی تو اس دن سے عزت شروع ہوئی جب آپ نے اس کا نسبی الحاق اپنے آپ سے کیا اور عوام کو پتہ چلا کہ اس کا باپ ابو سفیان رضی اللہ عنہ جیسا عالی نسب انسان ہے، لیکن سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ تو روز اوّل ہی سے نہایت عزت و وقار والی شخصیت کے حامل تھے بلکہ وہ ماں کے پیٹ ہی سے چاندی کا چمچہ لے کر پیدا ہوئے تھے۔ چنانچہ جب استلحاق زیاد کے بارہ میں بعض لوگوں نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ پر نکتہ چینی کی تو آپ نے اس کا جو جواب دیا میرے خیال میں جو لوگ آج اس مسئلہ پر ان کی مخالفت کر رہے ہیں، اس جواب سے ان کی آنکھیں کھل جانی چاہئیں۔ آپ نے ان نکتہ چینوں کو فرمایا:

((اما واللہ لقد علمت العرب انی کنت اعزھا فی الجاھلیة وان الاسلام لم یزدنی الاعزا وانی لم اتکثر بزیاد من قلة ولم اتعزز به من ذلة و لکن عرفت حقاً له فوضعته موضعه .))

(طبری جلد ٤ صفحه ١٦٣۔ ابن اثیر جلد ٣ صفحه ٤٤٢)

''خدا کی قسم! سارا عرب جانتا ہے کہ میں جاہلیت میں بھی سب عربوں سے زیادہ عزت والا تھا اور اسلام نے بھی میری عزت میں اضافہ ہی کیا۔ لہٰذا زیاد کا اپنے ساتھ نسبی الحاق کرنے میں میری قلت کثرت میں تبدیل نہیں ہوگئی اور نہ میں کبھی ذلیل تھا کہ زیاد کی وجہ سے میری وہ ذلت عزت میں بدل گئی ہے۔ بلکہ حقیقت واقعہ یہ ہے کہ جب اس کا حق واضح ہو گیا تو میں نے زیاد کو اس کے واقعی مقام پر کھڑا کر دیا۔''

گویا سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ حلفیہ طور پر یہ بیان فرما رہے ہیں کہ جب دس ثقہ اور جید گواہوں نے اس بات کی گواہی دے دی کہ زیاد ابو سفیان رضی اللہ عنہ کا بیٹا ہے اور منذر بن

زبیر نے تو یہاں تک کہا کہ میں نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے سنا ہے کہ وہ فرماتے تھے کہ میں گواہ ہوں کہ ابوسفیان نے یہ کہا تھا کہ زیاد میرا بیٹا ہے، تو وہ شرعی طور پر مجبور ہو گئے کہ زیاد کو اپنا بھائی سمجھیں۔ چنانچہ طبری ہی نے لکھا ہے کہ ابن عامر جس نے اس استلحاق کی سخت مخالفت کی تھی، سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے دلائل سے اتنا متاثر ہوا کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے اپنی مخالفت کی معذرت چاہی اور آپ نے اسے معاف کر دیا۔ (طبری جلد ٤ صفحہ ١٦٣) ایسے ہی دو اور شخص عبدالرحمٰن بن الحکم اور ابن مفرغ جنہوں نے اس مسئلہ میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی سخت مخالفت کی تھی یہاں تک کہ آپ کے حق میں ہجویہ اشعار بھی لکھے، جب ان کو دلائل کے ساتھ اصل واقعہ کا علم ہو گیا تو انہوں نے اپنے سابقہ موقف سے رجوع کیا اور اپنے ان ہجویہ اشعار کو اشک ندامت سے دھویا۔

ان لوگوں کے علاوہ سیدہ عائشہ سلام اللہ علیہا جو شروع میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے اس فعل کو اچھا نہیں سمجھتی تھیں اور زیاد کو ابن ابی سفیان نہ ماننے پر تیار تھیں اور نہ لکھنے پر لیکن جب ان کے سامنے بھی حقیقت حال واضح ہو گئی تو ابن عساکر نے لکھا ہے کہ سیدہ عائشہ سلام اللہ علیہا نے خود اپنے ہاتھوں سے زیاد کے نام ایک خط میں یوں لکھا:

((من عائشة ام المومنين الى زياد بن ابى سفيان .))

(تهذيب ابن عساكر جلد ٥ صفحه ٤١١)

''عائشہ مومنوں کی ماں کی طرف سے ابوسفیان کے بیٹے زیاد کے نام پر خط۔''

زیاد کے پاس جب یہ خط پہنچا تو ابن عساکر لکھتے ہیں کہ انہوں نے خوشی و مسرت سے یہ خط مجمع عام میں پڑھ کر سنایا۔

یہی وجہ تھی کہ عباسی دور میں بھی زیاد کو زیاد بن ابی سفیان ہی لکھا جاتا رہا۔ چنانچہ بلاذری نے اپنی کتاب میں ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی اولاد کا جہاں تذکرہ کیا ہے وہاں زیاد کا نام زیاد بن ابی سفیان ہی لکھا ہے۔ بلاذری تو صرف ایک مورخ ہے، ہوسکتا ہے کہ کوئی اس کی بات کو حجت تسلیم نہ کرے لیکن امام اہل مدینہ امام مالک بن انس رحمہ اللہ نے اپنی کتاب موطا امام مالک میں بھی زیاد کو ''زیاد بن ابی سفیان'' لکھا ہے۔

بعض لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے اس فعل کو خود ان کی حقیقی بہن سیدہ ام حبیبہ ام المومنین سلام اللہ علیہا نے خلاف شریعت جانا لہٰذا انہوں نے زیاد کو اپنا بھائی تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور اس سے پردہ فرمایا۔

اوّل تو تاریخ کے اوراق بتاتے ہیں کہ یہ اعتراض جہالت پر مبنی ہے اس وجہ سے کہ سیدہ ام حبیبہ سلام اللہ علیہا کی وفات کے بعد سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے زیاد کو اپنا بھائی بنایا تھا۔ چنانچہ علامہ ابن عبدالبرؒ نے لکھا ہے:

((وفی هذه السنة بعد موت ام حبيبة ادعی معاوية زيادًا.))

(الاستیعاب)

”اور اسی سال (۴۴ھ میں) سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے زیاد کو اپنا بھائی بنایا۔“

اور اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ سیّدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا استلحاق زیاد کے وقت بقید حیات تھیں اور انہوں نے واقعی زیاد کو اپنا بھائی تسلیم نہیں کیا تھا تو پھر بھی سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ پر کوئی اعتراض نہیں آتا۔ اس وجہ سے کہ ہوسکتا ہے کہ سیدہ ام حبیبہ سلام اللہ علیہا کو یہ واقعہ تحریف کر کے سنایا گیا ہو اور انہوں نے اس کی مزید تحقیق کرنے کی کوشش کی ہو اور اس دوران میں ان کی وفات ہوگئی ہو۔ کیونکہ یہ تو مسلمہ بات ہے کہ سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کی وفات ۴۴ھ میں ہوئی ہے۔ (ملاحظہ ہو البداية والنهاية جلد ۸ صفحه ۲۸۔ طبقات ابن سعد جلد ۸ صفحه ۱۰۰۔ اصابة ترجمه ام المومنين ام حبيبه وغیرہ) اور اس پر بھی سب تواریخ متفق ہیں کہ استلحاق زیاد کا واقعہ ۴۴ھ میں ہوا ہے۔ لہٰذا اس کا قوی یقین ہے کہ وہ اس کی تحقیق کے درپے ہوں گی اسی دوران میں ان کی وفات ہوگئی ہوگی۔

تیسری بات اس ضمن میں یہ ہے کہ ان دس گواہوں میں جن کی گواہی پر سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے زیاد کو اپنا بھائی تسلیم کیا، ایک سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کی بہن حضرت جویریہ بنت ابی سفیان رضی اللہ عنہا بھی تھیں۔ ان کی گواہی کیوں قابل قبول نہیں ہے؟

باقی رہی یہ بات کہ صرف دس آدمیوں نے اس بات پر گواہی کیوں دی، زیاد نے کیوں

نہیں دی؟ تو تاریخ بتاتی ہے کہ سیدنا ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے اس بات کو صرف چند آدمیوں کو بتایا تھا۔ چنانچہ ابن خلدون نے صاف لکھا ہے کہ

((وولد زيادًا ونسبته الى ابى سفيان واقرلها به الا انه كان بخفية .)) (ابن خلدون ٣ صفحه ١٤)

''اور اس (سمیہ) کے ہاں زیاد پیدا ہوا اور اس نے اس کو ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کیا اور ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے بھی اس نسبت کا اقرار کر لیا، مگر پوشیدہ طور پر۔''

اور ایک نسب کو ثابت کرنے کے لیے دس گواہوں کی گواہی کافی ہے۔ اس کے لیے یہ ضروری نہیں ہے کہ سارے لوگ ہی گواہی دیں۔

اس سلسلہ میں قاضی ابوبکر بن العربی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی العواصم من القواصم صفحہ ۲۳۵-۲۴۳ پر نہایت عمدہ بحث کی ہے اہل علم اس کو ملاحظہ فرمالیں۔



حجر بن عدی کا قتل

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ پر ایک اعتراض یہ بھی کیا جاتا ہے کہ ان کے زمانے میں ایک زاہد و عابد صحابی حجر بن عدی کو صرف اس گناہ پر قتل کر دیا گیا کہ انہوں نے امیر زیاد کو سیدنا علی رضی اللہ عنہ پر سب وشتم کرتے ہوئے ٹوکا تھا۔

اگر اس اعتراض کا تجزیہ کیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ اس سلسلہ میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو خواہ مخواہ مورد الزام ٹھہرایا گیا ہے اور اس واقعہ کی اصل حقیقت کو ابو مخنف لوط بن یحیٰ کی روایات کے پردہ میں چھپا دیا گیا ہے۔ اور اگر صحیح حقیقت کا انکشاف کیا جائے تو سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اس الزام سے بری ثابت ہوتے ہیں لہٰذا ہم مستند روایات سے اصل واقعہ کے چہرے سے نقاب کشائی کرتے ہیں۔ اس ضمن میں ان سب اعتراضات کے جوابات بھی آجائیں گے جن کی وجہ سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو مورد الزام ٹھہرایا جاتا ہے۔

حجر بن عدی سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں اور شیعوں میں سے تھے۔ یہ درست ہے کہ وہ پابند صوم وصلوٰۃ، زاہد و عابد مرتاض اور شب زندہ دار تھے لیکن اپنی طبیعت کی سادگی کی وجہ سے سبائیوں اوران فتنہ پردازوں کے دام فریب میں آچکے تھے جو قاتلانِ عثمان کے گروہ سے تعلق رکھتے تھے۔ خصوصی طور پر عمرو بن حمق جس نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کیا تھا وہ آپ کے خاص ساتھیوں میں سے تھا۔ یہ لوگ ان کے زہد، عبادت اور سادگی سے ناجائز فائدہ اٹھا کر ان کو مختلف مواقع پر استعمال کرتے اوران کی آڑ میں ملک میں فتنہ وفساد کی آگ بھڑکاتے اور خلیفہ وقت سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ پر سب وشتم اور الزام تراشی کرتے۔ چنانچہ علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

((قد التف علی حجر جماعات من شیعة علی یتولون امره ویشدون علی یده ویسبون معاویة و یتبرؤن منه .))

(البدایة والنهایة جلد ۸ صفحه ۵۰)

''اور شیعان علی کی جماعتیں حجر سے لپٹ گئی تھیں جو ان کے تمام امور کی دیکھ بھال کرتی تھیں۔ وہ جماعتیں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو سب وشتم کرتی تھیں اور ان سے اپنی براءت کا اظہار کرتی تھیں۔''

یہ حجر بن عدی شیعان علی میں سے ایک غالی قسم کے انسان تھے اور نفسیاتی طور پر نہایت جذباتی واقع ہوئے تھے۔ زہد واتقا تو مسلم تھا لیکن جذباتی ہونے کی وجہ سے ذہنی توازن ایسا نہ تھا جیسا کہ ہونا چاہیے۔ چنانچہ یہی وجہ تھی کہ جب سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے زمام خلافت سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے سپرد کر دی، اس وقت بھی انہوں نے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی سخت مخالفت کی اور ان کو ہر ممکن طریقہ سے اس نیک کام سے باز رکھنے کی کوشش کی۔ چنانچہ مورخین نے لکھا ہے کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے مصالحت کے بعد سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی سب سے پہلے حجر بن عدی سے ملاقات ہوئی

((فندمه على ما صنع و دعاه الى رد الحرب .))

''انہوں نے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کو ان کے اس فعل پر ندامت دلائی اور ان کو سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے دوبارہ جنگ کرنے کی دعوت دی۔''

اس کے ساتھ ایک لمبا چوڑا جذباتی وعظ بھی پلایا کہ

''اے فرزند رسول! کاش جو کچھ میں اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں یہ دیکھنے سے پہلے میں موت کی آغوش میں چلا گیا ہوتا۔ آپ نے ہمیں عدل وانصاف سے نکال کر ظلم و جور کے سپرد کر دیا ہے۔ ہم نے اس حق کو خیر باد کہہ دیا جس پر ہم قائم تھے اور جس باطل سے ہم گریزاں تھے اس میں جا گھسے۔ ہم نے اس ذلت آمیز زندگی کو اپنے ہاتھوں قبول کیا اور اس پستی کو اختیار کیا جو ہمارے لائق نہ تھی۔'' (اخبار الطوال صفحہ ۲۲۰۔ بلاذری نے بھی یہی لکھا ہے)

سیدنا حسن رضی اللہ عنہ ایک نہایت متقی انسان تھے اور انہوں نے معاملات کے تمام پہلوؤں پر غور وخوض کر کے ہی یہ اقدام کیا تھا۔ چنانچہ جس جس شخص نے بھی ان کے اس فعل کی مخالفت کی آپ نے اس کو ہر ممکن طریق سے سمجھایا۔ تاریخ کے اوراق اس بات کی شہادت دیتے ہیں

کہ آپ کے چھوٹے بھائی سیدنا حسین رضی اللہ عنہ نے بھی جب آپ کی اس بارہ میں مخالفت کی تو آپ نے انہیں بھی فرمایا:

((اسكت فانا اعلم بالامر منك .))

(طبری جلد ٦ صفحه ٩٢ ـ ابن اثیر جلد ٣ صفحه ٢٠٣)

''چپ رہ، میں اس بات کو تم سے بہتر جانتا ہوں۔''

لیکن جب انہوں نے پھر مخالفت کی تو آپ نے فرمایا:

''واللہ! جب بھی میں نے کسی کام کا ارادہ کیا تو تم نے ہمیشہ مخالفت ہی کی۔ بخدا میں تمہیں اس وقت تک گھر میں بند رکھوں گا جب تک میں اپنے ارادے کو پایہ تکمیل تک نہ پہنچا لوں۔''

(تهذیب التهذیب جلد ٢ صفحه ٢٩٩ ـ علی و بنوه، ڈاکٹر طٰه حسین صفحه ٢٠٣)

سیدنا حسین رضی اللہ عنہ نے جب اپنے بھائی کی ان غضب آلود نگاہوں کی طرف دیکھا تو فوراً اپنے موقف سے رجوع کر کے عرض کیا:

((انت اكبر ولد علی وانت خليفته وامرنا لامرك تبع فافعل ما بدألك .))

''آپ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے سب سے بڑے صاحبزادے اور ان کے خلیفہ ہیں۔ ہماری بات آپ کی بات کے تابع ہے، لہٰذا جو کچھ آپ صحیح سمجھتے ہیں وہ کیجیے۔''

جس طرح سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے اپنے بھائی کو سمجھایا اسی طرح آپ نے حجر بن عدی کے جواب میں بھی اپنے موقف کے صحیح ہونے کے دلائل بیان فرمائے اور امت مسلمہ کی مصلحت سے ان کو آگاہ کیا۔ لیکن حجر بن عدی دلائل سے زیادہ جذبات سے کام لے رہے تھے۔ لہٰذا انہوں نے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے دلائل کو کوئی وقعت نہ دی اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کو اپنے جذبات سے متاثر کرنے کی کوشش کی۔ چنانچہ فوراً ان کے پاس پہنچے اور اپنے جذبات کا ان الفاظ میں اظہار کیا:

''اے ابوعبداللہ! (سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی کنیت) آپ نے عزت کے عوض ذلت

خریدی اور کثیر کو چھوڑ کر قلیل کو قبول کیا۔ خدارا آج ہماری بات مان لیں، خواہ پھر زندگی بھر نہ ماننا۔ (سیدنا) حسن (رضی اللہ عنہ) کو ان کی صلح پر چھوڑ دیں اور کوفہ اور دوسرے بلاد و امصار کے شیعوں کو اپنے پاس اکٹھا کریں اور یہ مقدمہ میرے اور میرے دوست کے سپرد کر دیں۔ ہند کے بیٹے (سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ) کو اس وقت ہمارا پتہ چلے گا جب ہم تلواروں سے اس کے خلاف برسرِ پیکار ہوں گے۔"

(اخبار الطوال صفحہ ۲۲۰)

سیدنا حسین رضی اللہ عنہ چونکہ اپنے موقف سے رجوع کر چکے تھے اور ان پر یہ حقیقت منکشف ہو چکی تھی کہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کا موقف صحیح ہے اور انہوں نے جو کچھ کیا ہے وہ اسلام اور امت مسلمہ دونوں کے لیے فائدہ مند ہے لٰہذا انہوں نے حجر بن عدی سے فرمایا:

((انا قد بایعنا وعاهدنا ولا سبیل الی نقض بیعتنا .)) (ایضًا)

"ہم نے بیعت کر لی ہے اور ہمارا معاہدہ ہو چکا ہے لٰہذا بیعت کو توڑنے کی اب کوئی سبیل نہیں۔"

یہ واقعات اس بات کی غمازی کرتے ہیں کہ حجر بن عدی شروع ہی سے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کی حکومت کے از حد مخالف تھے اور یہ مخالفت محض جذباتی تھی کیونکہ وہ اپنے آپ کو شیعان علی میں سے شمار کرتے تھے اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے اس نسبت اور تعلق کی بنا پر ہر حالت میں یہ ضروری سمجھتے تھے کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی حکومت کو الٹا جائے۔ چنانچہ اپنے اس مقصد کی تکمیل کے لیے ان کو کوفہ کے شیعان علی بلکہ قاتلان عثمان کی اعانت میسر ہو گئی۔

کوفہ چونکہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا دارالخلافہ رہ چکا تھا لٰہذا یہاں ان کے شیعوں اور ساتھیوں کی اچھی خاصی تعداد موجود تھی۔ جو لوگ واقعی سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے انہوں نے اس وقت جب سیدنا حسن اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہما نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح کر لی اور خلافت کی باگ ڈور ان کے ہاتھ میں دے دی، سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کو دل و جان سے قبول کر لیا اور اسلام اور ملت اسلامیہ کی خدمت اسی طرح سرانجام دینا شروع کر دی جس طرح وہ اس سے قبل سرانجام دے رہے تھے۔ لیکن کوفہ میں اچھی خاصی تعداد ان لوگوں کی بھی تھی جن کا تعلق

قاتلانِ عثمان سے تھا اور جن میں عمرو بن حمق اور رفاعہ بن شداد جیسے لوگ بھی شامل تھے جن میں سے اوّل الذکر نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کرتے وقت نیزے کے نوچرکے لگائے تھے۔

۴۱ھ میں سیدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کوفہ کے گورنر مقرر ہوئے۔ وہ اپنے خطبوں میں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے لیے دعائے رحمت کرتے اور قاتلانِ عثمان رضی اللہ عنہ پر جنہوں نے انہیں نہایت مظلومی کی حالت میں مدینۃ الرسول میں شہید کیا تھا، لعنت کرتے۔ اس کے جواب میں حجر بن عدی کہتے:

((بل ایا کم فذمم الله ولعن .)) (طبری جلد ٤ صفحه ١٨٨)

''قاتلانِ عثمان پر نہیں بلکہ تم پر اللہ تعالیٰ لعنت کرے۔''

ایک دو دفعہ نہیں بلکہ حجر بن عدی اور ان کے ساتھیوں کا معمول ہی یہ ہو چکا تھا:

((انهم كانوا ينالون من عثمان و يطلقون فيه مقالة الجور وينتقدون على الامراء ويسارعون فى الانكار عليهم ويبالغون فى ذالك ويتولون شيعة على ويتشددون فى الدين .)) (البداية والنهاية جلد ٨ صفحه ٥٤)

''یہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی مذمت اور بدگوئی کرتے تھے اور ان کے بارہ میں ظالمانہ باتوں کا اظہار کرتے تھے اور امراء پر نکتہ چینی اور تنقید کے نشتر چلاتے اور ان کی ہر بات کی تردید کے درپے رہتے تھے اور اس معاملہ میں مبالغہ اور غلو سے کام لیتے۔ شیعان علی کی حمایت کرتے اور دین میں نہایت تشدد کرتے تھے۔''

سیدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کی گورنری کے بالکل آخری ایام میں ایک روز ایسا ہوا کہ انہوں نے دوران خطبہ میں یہ فرمایا:

((اللهم ارحم عثمان بن عفان و تجاوز عنه واجزه باحسن عمله فانه عمل بكتابك و اتبع سنة نبيك ﷺ وجمع كلمتنا وحقن دمائنا و قتل مظلومًا اللهم فارحم انصاره و اولياءه ومحبيه والطالبين بدمه .)) (طبری جلد ٤ صفحه ١٨٨)

”اے اللہ! عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ پر اپنی رحمت نازل فرما، ان سے درگزر فرما، انہیں ان کے حسن عمل پر جزائے خیر عطا فرما، کیونکہ انہوں نے تیری کتاب پر عمل کیا، اور تیرے نبی کی سنت کی اتباع کی۔ انہوں نے ہمارے مشن کو جمع رکھا اور ہمیں خونریزی سے بچایا اور مظلومی کی حالت میں قتل ہوئے۔ اے اللہ! پس تو ان کے مددگاروں، ساتھیوں اوران سے محبت کرنے والوں اوران کے خون کے قصاص کا مطالبہ کرنے والوں پر رحم فرما۔“

یہ سننا تھا کہ حجر بن عدی اٹھ کھڑے ہوئے اور اس زور سے چیخے کہ:

((سمعها كل من كان في المسجد و خارجًا منه .))

”ان سب لوگوں نے سنا جو مسجد کے اندر تھے اور مسجد کے باہر تھے۔“

اور کہا:

اے مغیرہ! تجھے اپنے بڑھاپے کی وجہ سے یہ پتہ نہیں کہ تو کس سے اپنی محبت کا اظہار کررہا ہے۔ تو ہماری تنخواہوں اور عطیات کے دینے کا حکم جاری کر کیونکہ وہ تو نے ہم سے روک رکھی ہیں حالانکہ تجھے اس کا کوئی حق نہیں اور تجھ سے پہلے جتنے گورنر آئے انہوں نے کبھی ایسی طمع نہیں کی تھی۔ تمہاری بڑی خواہش ہے کہ تم امیر المومنین (سیدنا علی رضی اللہ عنہ) کی مذمت کرو اور مجرموں (سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ) کی تعریف اور مدح کرو۔“ (طبری جلد ٤ صفحه ١٨٨ ـ ١٨٩)

حجر بن عدی نے جونہی یہ کلمات اپنی زبان سے ادا کیے اس میں سے دوتہائی سے زیادہ لوگ حجر کی حمایت میں کھڑے ہوگئے اور انہوں نے حجر کے ساتھ مل کر سیدنا مغیرہ رضی اللہ عنہ کے خلاف بہت باتیں کیں۔ سیدنا مغیرہ رضی اللہ عنہ جذبات کی رو میں بہنے والے انسان نہیں تھے، بلکہ نہایت صاحب بصیرت، جہاں دیدہ اور زمانے کے گرم و سرد چشیدہ انسان تھے۔ انہوں نے عفو و درگزر سے کام لیا اور حجر کے اس فعل کا کوئی نوٹس نہ لیا۔ اصحاب مشورہ نے سمجھایا اور کہا:

((على ما تترك هذا الرجل يقول هذه المقالة ويجترئ عليك في سلطانك هذه الجرأة .)) (البداية والنهاية جلد ٨ صفحه ٥٠ ـ طبری جلد ٤ صفحه ١٨٨ ـ ١٨٩)

''آپ ایسے شخص کو کیوں چھوڑتے ہیں جو اس قسم کی باتیں کرتا ہے اور آپ پر اور آپ کی حکومت پر اس طرح کے الزامات لگانے کی جرأت کرتا ہے۔''

لیکن سیدنا مغیرہ رضی اللہ عنہ نے ان کے مشورے کو رد کرتے ہوئے عفوو درگزر ہی سے کام لیا بلکہ الٹا پانچ ہزار روپیہ دے کر حجر کو راضی کیا۔(ابن اثیر جلد ۳ صفحہ)

۵۱ھ میں سیدنا مغیرہ رضی اللہ عنہ کا انتقال ہو گیا ان کی وفات کے بعد کوفہ بھی امیر زیاد کی گورنری میں آ گیا۔ زیاد نے آتے ہی دیکھا کہ سبائیوں (جو اس وقت اپنے کو شیعان علی رضی اللہ عنہ کہتے تھے) کی ٹولیوں کی ٹولیاں حجر بن عدی کے پاس آتی ہیں جو سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے بیزاری کا اظہار کرتی ہیں اور ان کو سب وشتم کرتی ہیں۔(البداية والنهاية جلد ۸ صفحہ ۵۰)

چنانچہ جب کوفہ آتے ہی امیر زیاد نے اپنا پہلا خطبہ دیا تو حجر بن عدی نے حسب معمول اٹھ کر وہی کچھ کرنا شروع کر دیا جو وہ سیدنا مغیرہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ کیا کرتے تھے۔ مگر امیر زیاد نے کوئی تعرض نہ کیا۔ زیاد جب بصرہ جانے لگے تو انہوں نے حجر کو اپنے ساتھ بصرہ لے جانا چاہا لیکن حجر بیماری کا بہانہ بنا کر کوفہ ہی میں رہے۔(البداية والنهاية جلد ۸ صفحہ ۵۱)

بعض روایات میں آتا ہے کہ حجر نے جب زیاد کے خطبہ میں گڑبڑ پیدا کی اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی شان میں گستاخی کی تو زیاد نے خیر خواہی کی خاطر حجر بن عدی کو تنہائی میں بلایا اور کہا:

((املك عليك لسانك ويسعك منزلك ۔ وهذا سريري فهو مجلسك وحوائجك مقضية لديّ فاكفني نفسك فاني اعرف عجلتك ، فالشدك الله يا ابا عبدالرحمن في نفسك واياك وهذه السفلة وهؤلاء السفهاء ان يستزلوك عن رأيك فانك لو هنت علي او استخففت بحقك لهم اخصك بهذه من نفسي .)) (طبقات ابن سعد جلد ۸ صفحہ ۲۱۸)

''اپنی زبان پر کنٹرول فرمائیے اور اپنے گھر کی تنہائی کو اپنے لیے کافی سمجھیے۔ آپ کی نشست کے لیے میرا تخت حاضر ہے۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ آپ کی تمام

ضروریات پوری کروں گا۔ لٰہذا آپ اپنے بارے میں مجھے مطمئن فرما دیجیے، اس لیے کہ آپ کی طبیعت کی عجلت پسندی اور جلد بازی سے میں بخوبی آشنا ہوں۔

اے ابوعبدالرحمٰن! میں آپ کو حق تعالیٰ کی قسم دیتا ہوں کہ خدارا آپ ان ذلیل، کمینہ فطرت اور بے وقوف لوگوں سے اپنے آپ کو محفوظ فرمائیے۔ یہ لوگ، کہیں ایسا نہ ہو، کہ آپ کو آپ کی رائے اور فکر سے پھسلا دیں۔ لٰہذا اگر آپ کی قدر و قیمت میری نگاہ میں کم ہوئی یا میں نے آپ کے حقوق میں کسی قسم کی کوئی کوتاہی کی تو یہ آپ کی طرف سے ہوگی میری طرف سے ہرگز ہرگز نہ ہوگی۔''

حجر بن عدی نے امیر زیاد کی یہ نصیحت آمیز باتیں سن کر کہا ''میں سمجھ گیا'' اور اپنے گھر تشریف لے آئے۔ لیکن یہاں جب سبائی آ کر ان سے ملے تو انہوں نے اپنی کمال سادگی کی وجہ سے وہ ساری باتیں ان سے کہہ دیں جو امیر زیاد نے ان سے کی تھیں۔ سبائیوں نے ان کی یہ ساری باتیں سن کر کہا:

''حضرت! اس نے آپ کی خیر خواہی کی باتیں نہیں کیں۔''

(البدایۃ والنہایۃ جلد ۸ صفحہ ۵۱)

امیر زیاد جب کوفہ سے جانے لگے تو انہوں نے کوفہ میں سیدنا عمرو بن حریث رضی اللہ عنہ کو قائم مقام گورنر مقرر کیا۔ سیدنا عمرو بن حریث رضی اللہ عنہ ایک جلیل القدر صحابی تھے۔ انہوں نے جب قاتلان عثمان رضی اللہ عنہ اور سبائیوں کی حجر بن عدی کے پاس اس کثرت سے آمد و رفت دیکھی تو ایک قاصد کے ذریعہ سے حجر بن عدی کو یہ کہلا بھیجا:

''اے ابوعبدالرحمٰن! آپ تو امیر زیاد سے اپنے متعلق یہ عہد کر چکے ہیں پھر یہ (فتنہ پرداز) جماعت آپ کے پیچھے سایہ کی طرح کیوں لگی رہتی ہے۔''

لیکن حجر نے غیر تسلی بخش جواب دیا۔ اس پر سیدنا عمرو بن حریث رضی اللہ عنہ نے امیر زیاد کو بصرہ میں ان سب حالات کی اطلاع دے دی اور کہلا بھیجا کہ حجر کی کارروائیاں حد سے بڑھتی جا رہی ہیں لٰہذا اگر کوفہ کو بچانا چاہتے ہو تو جلدی کوفہ واپس آ جاؤ۔

(طبقات ابن سعد جلد ۸ صفحہ ۲۱۸۔ البدایۃ والنہایۃ جلد ۸ صفحہ ۵۳)

ایک روز ایسا بھی ہوا کہ سیدنا عمرو بن حریث رضی اللہ عنہ خطبہ جمعہ ارشاد فرما رہے تھے تو حجر نے خطبہ کے دوران میں ان کو کنکریاں ماریں۔ امیر زیاد کو اس کی اطلاع بھی بصرہ میں مل گئی۔ چنانچہ طبری کا بیان ہے:

((فبلغه ان حجرا تجتمع اليه شيعة علي ويظهرون لعن معاويه والبراءة منه انهم حصبوا عمرو بن حريث .)) (طبری جلد ٤ ص ١٩٠۔ البداية والنهاية جلد ٨ ص ٥١۔ جلد ٣ ص ٢٣۔ ابن اثیر جلد ٣ ص ١٨٧)

''ان کو خبر پہنچی کہ حجر کے گرد شیعان علی جمع ہو رہے ہیں جو معاویہ رضی اللہ عنہ پر لعن طعن کرتے اور ان سے بیزاری کا اظہار کرتے ہیں اور انہوں نے عمرو بن حریث پر سنگ باری کی ہے۔''

زیاد کوفہ کے متعلق یہ سب خبریں سن کر فوراً واپس کوفہ پہنچے۔ آتے ہی انہوں نے مشہور صحابی سیدنا عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ، سیدنا جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ، سیدنا خالد بن عرفطہ ازدی رضی اللہ عنہ اور دوسرے شرفائے کوفہ کو بلایا اور ان سے کہا کہ حجر کی یہ کارروائیاں ملک میں فتنہ وفساد برپا کرنے کے مترادف ہیں لہٰذا آپ انہیں سمجھائیں کہ وہ ان فتنہ پردازوں سے اپنے آپ کو بچائیں اور اپنی زبان کو قابو میں رکھیں۔ یہ سب حضرات خیر خواہی اور نیک جذبہ کے تحت حجر کے پاس گئے اور ان کو سمجھایا لیکن حجر نے ان سب کی باتوں کی طرف کوئی توجہ نہ کی یہاں تک کہ ان کا ایک اونٹ ایک کونے میں کھڑا تھا اس کی طرف اشارہ کر کے اپنے خادم سے کہا ''لڑکے! اونٹ کو چارا کھلاؤ۔'' سیدنا عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ نے یہ سن کر ذرا جلالی انداز میں فرمایا:

((أمجنون انت ، نكلمك وانت تقول ، اعلفت البكر .))

''کیا تم پاگل ہو، تم سے مخاطب ہو کر بات کر رہے ہیں اور تم (بے توجہی سے) کہتے ہو کہ لڑکے! اونٹ کو چارہ کھلاؤ۔''

اس کے بعد سیدنا عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ نے اپنے ساتھیوں سے مخاطب ہو کر فرمایا:

((ما كنت اظن هذا البائس بلغ به الضعف كل ما ارى .))

”مجھے گمان بھی نہ تھا کہ یہ ضعف کے اس درجہ کو پہنچ گیا ہے جو میں دیکھ رہا ہوں۔“

اپنے اس مشن میں ناکام ہو کر یہ سب حضرات واپس امیر زیاد کے پاس آ گئے اور حجر بن عدی کی کچھ باتیں امیر زیاد کو بتا دیں لیکن کچھ مصلحت کے تقاضے کے تحت پوشیدہ رکھیں، اور ساتھ ہی یہ بھی درخواست کی کہ حجر سے درگزر ہی کی جائے اور اس کے ساتھ سختی کے بجائے نرمی کا معاملہ کیا جائے۔ امیر زیاد کو حجر کی باتیں سن کر بہت غصہ آیا۔

(البداية والنهاية جلد ۸ صفحه ۵۳۔ طبقات ابن سعد جلد ۸ صفحه ۲۱۹)

اس کے بعد زیاد نے ایک خطبہ جمعہ دیا۔ مسجد میں حجر اور اس کے ساتھی موجود تھے۔ امیر زیاد نے اس میں ظلم و بغاوت کے انجام سے متنبہ کیا اور کہا کہ ”ان لوگوں نے مجھے اپنے حق میں بے ضرر پایا تو جری ہو گئے۔ اگر یہ سیدھے نہ ہوئے تو ان کا علاج اسی دوا سے کروں گا جو ان کے لائق ہے۔ نیز کہا:

((ما انا بشیء ان لم امنع باحة الكوفة من حجر و ادعه نكالا لمن بعده .)) (طبری جلد ٤ صفحه ١٩٠۔ البداية والنهاية جلد ٨ صفحه ٥١۔

ابن اثیر جلد ۳ صفحه ۱۸۷)

”اگر میں کوفہ کی سرزمین کو حجر سے پاک نہ کر دوں اور اس کو آنے والے کے لیے عبرت کا سامان نہ بنا دوں تو پھر میں بھی کوئی شے نہیں ہوں۔“

اس کے بعد امیر زیاد نے کہا کہ ”امیر المومنین (سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ) کا یہ حق ہے۔“ اس پر حجر نے (فاخذ حجر كفا حصباء فحصبه و قال كذبت عليك العنت الله) مٹھی بھر کر کنکریاں زیاد کو ماریں اور کہا کہ تم جھوٹ کہتے ہو، تم پر اللہ کی لعنت ہو۔

زیاد نے کوئی جواب نہ دیا بلکہ خطبہ ختم کر کے منبر سے اترے، نماز پڑھائی اور گورنر ہاؤس چلے گئے اور حجر کو وہاں طلب کیا۔ (البداية والنهاية جلد ۸ صفحه ۵۱)

حسین بن عبداللہ ہمدانی اسے بلانے گئے تو حجر کے ساتھیوں نے کہا:

((لا ياتيه ولا كرامة .))

”یہ ان کے پاس نہیں جائیں گے اور نہ ہمارے نزدیک ان کی کوئی عزت و تکریم ہے۔“

انہوں نے واپس آ کر سپرنٹنڈنٹ پولیس شداد بن الہیثم الہلالی کو اطلاع دی تو انہوں نے ایک جماعت ساتھ کر دی۔ یہ سب حجر کے پاس آئے اور انہیں کہا کہ امیر کے پاس چلیے تو انہوں نے فسبونا و شتمونا انہوں نے ہمیں گالیاں دیں اور برا بھلا کہا۔

انہوں نے واپس آ کر امیر زیاد کو خبر دی تو انہوں نے سپرنٹنڈنٹ پولیس شداد بن الہیثم کو حجر کے لانے کے لیے بھیجا اور قبائلی سردار بھی بطور امداد ان کے ساتھ کر دیے۔

(طبری جلد ٤ صفحہ ١٩١)

کوتوال شہر شداد بن الہیثم نے حجر بن عدی کو امیر کے پاس چلنے کے لیے کہا۔ حجر اکیلے نہیں تھے، بلکہ ان کے ساتھ حامیوں کی ایک اچھی خاصی جماعت تھی۔ انہوں نے جواب دیا:

((لا و لا نعمة عين نجيبه .))

”ہم پلک جھپکنے تک بھی امیر کا حکم نہیں مانیں گے۔“

اس پر فریقین میں لڑائی ہوئی جس میں پتھروں اور لاٹھیوں کا آزادانہ استعمال ہوا۔ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں:

((فكان بينهم قتال الحجارة والعصى فعجن واعنه .))

(البداية والنهاية جلد ٨ ص ٥١۔ طبری جلد ٤ ص ١٩١۔ ١٩٢۔ طبقات ابن سعد جلد ٨ ص ٢١٩)

”ان کے درمیان پتھروں اور لاٹھیوں سے لڑائی ہوئی اور سرکاری فوج حجر کے مقابلہ میں عاجز اور ناکام رہی۔“

اس لڑائی میں حجر کا ایک ساتھی عمرو بن حمق فرار ہو گیا۔ حجر کے ایک ساتھی ابوالعمرطہ نے سرکاری فوج کے ایک فرد یزید بن طریف کے سر پر تلوار سے حملہ کیا اور وہ منہ کے بل گر پڑا۔ طبری کے الفاظ ہیں کہ:

((كان ذالك السيف اوّل سيف ضرب به في الكوفة في

اختلاف بین الناس .)) (طبری جلد ٤ صفحه ١٩٢)

''یہ پہلی تلوار تھی جو کوفہ میں اختلاف کے وقت چلی۔''

آخر حجر فرار ہو کر روپوش ہو گئے۔ زیاد نے محمد بن اشعث کو ایک لشکر دے کر ان کی تلاش میں بھیجا جو برابر ان کی تلاش کرتے رہے۔ آخر کار حجر نے خود ہی اپنے آپ کو اس شرط پر گرفتاری کے لیے پیش کر دیا کہ:

''مجھے امان دی جائے اور معاویہ (رضی اللہ عنہ) کے پاس بھیج دیا جائے۔''

امیر زیاد نے اس شرط کو منظور کر لیا۔ حجر جب زیاد کے سامنے پیش ہوئے تو زیاد نے انہیں قید میں ڈال دیا اور اپنے ساتھیوں سے کہا:

''اگر مجھے امانت کا خیال نہ ہوتا تو یہ شخص کبھی اپنی جان بچا کر نہ جا سکتا۔''

زیاد نے حجر کو دس روز قید میں رکھا۔ حجر کے ساتھی جو ان سبائیوں کے سرغنہ تھے وہ تو بھاگ گئے تھے، لہٰذا اب زیاد نے حجر کے ساتھیوں کی تلاش شروع کی۔ عمرو بن حمق اور رفاعہ بن شداد موصل بھاگ گئے۔ عمرو بن حمق کو گرفتار کر کے موصل کے حاکم کے پاس پیش کیا گیا۔ انہوں نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو اس کی طلاع دی۔ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے جواب میں لکھا ہے:

''اس نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو نیزے کے نوچر کے دیے تھے۔ ہم اس پر کوئی زیادتی نہیں کرنا چاہتے۔ اسے بھی نیزے کے نوچر کے لگائے جائیں۔''

چنانچہ اسے نیزے کے نوچر کے لگائے گئے۔ وہ پہلے یا دوسرے چرکے ہی سے راہی ملک عدم ہو گیا۔ (طبری جلد ٤ صفحه ١٩٧)

امیر زیاد نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو کوفہ کے ان سب حالات سے مطلع کر دیا ہوا تھا اور انہوں نے لکھا تھا کہ حجر بن عدی اور دوسرے سبائی سرغنوں کو گرفتار کر کے میرے پاس بھیجا جائے۔ چنانچہ امیر زیاد نے حجر بن عدی اور ان کے بارہ ساتھیوں کا کیس تیار کیا اور اس پر مکمل شہادتیں قلمبند کر کے بھیجیں۔

حجر بن عدی اور ان کے بارہ ساتھیوں کو گرفتار کرنے کے بعد کوفہ کے چاروں رئیسوں

سیدنا عمرو بن ❶ حریث، سیدنا خالد ❷ بن عرفطہ، سیدنا قیس بن ولید، اور سیدنا ابو بردہ ❸ بن ابی موسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہم کو بلایا اور انہیں کہا:

---

❶ سیدنا عمرو بن الحریث رضی اللہ عنہ کبار صحابہ میں سے تھے۔ علامہ ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ آپ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے اور آپ سے ساعت بھی فرمائی ہے و مسح برأسه و دعا له بالبركة "آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرو رضی اللہ عنہ کے سر پر ہاتھ پھیرا اور برکت کی دعا فرمائی" (الاستیعاب) حافظ ابن حجر نے بھی ان کے کبار صحابہ میں ہونے کو لکھا ہے۔ تهذيب التهذيب جلد ۷ صفحه ۱۷.

❷ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو صحابی لکھا ہے (تهذيب جلد ۳ صفحه ۱۰۶، اصابه جلد ۱ صفحه ٤٠٩) صحابی ہونا ہی ایک ایسی فضیلت ہے جو ہر فضیلت پر حاوی ہے۔

❸ مشہور صحابی سیدنا ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے تھے۔ نام عامر یا حارث اور کنیت ابو بردہ تھی (تہذیب جلد اصفحہ ۱۸) ان کے والد سیدنا ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ چونکہ خود ایک بلند پایہ صحابی اور صاحب علم و فضل تھے لہٰذا انہوں نے اپنے بیٹے کی تعلیم و تربیت پر خاص توجہ فرمائی۔ چنانچہ انہوں نے تحصیل علم کے لیے انہیں سیدنا عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ، جو ایک بلند پایہ عالم تھے، کے پاس بھیجا۔ خود فرماتے ہیں کہ جب میں ان کے پاس گیا تو انہوں نے فرمایا "بھتیجے! تم لوگ ایک تجارتی مقام پر رہتے ہو اس لیے اس بات کا خیال رکھنا کہ جب کسی پر تمہارا کوئی مال ہو تو وہ اگر تم کو گھاس کا ایک گٹھا بھی دے تو اس کو ہرگز قبول نہ کرنا کیونکہ وہ ربا (سود) ہے۔" (طبقات ابن سعد جلد ۸ صفحه ۱۸۷) سیدنا عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کی تعلیم و تربیت اور دوسرے حضرات کے فیض صحبت سے وہ مقام حاصل کیا کہ علامہ ذہبی رحمہ اللہ کو ان کے بارہ میں یہ لکھنا پڑا:

((ابو برده بن ابی موسیٰ الاشعری الفقيه الائمة الاثبات)) (تذكرة الحفاظ جلد ۱ صفحه ۸۷)

اور ابن سعد نے انہیں "ثقہ کثیر الحدیث" کے القاب سے نوازا۔ (تهذيب التهذيب جلد ۱۲ صفحه ۱۸، تهذيب الاسماء جلد ۱ ق ۲ صفحه ۱۷۹)

دامن علمی کی اسی وسعت کی وجہ سے قاضی شریح کے بعد کوفہ کی مسند قضا پر متمکن ہوئے۔ (تهذيب التهذيب جلد ۱۲ صفحه ۱۸۔ شذرات الذهب جلد ۱ صفحه ۱۲٦) ان کے بعد ان کے صاحبزادے اس مسند پر ان کے جانشین بنے۔ (طبقات ابن سعد جلد ٥ صفحه ۱۸۷)

اپنے والد سیدنا ابو موسیٰ اشعری، سیدنا علی، سیدنا حذیفہ بن یمان، سیدنا عبداللہ بن سلام، سیدنا عبداللہ بن عمر، سیدنا عبداللہ بن عمرو بن العاص، عروہ بن زبیر، سیدنا مغیرہ بن شعبہ، اور دوسرے کئی جلیل القدر حضرات رضی اللہ عنہم سے احادیث روایت کیں۔ (تهذيب التهذيب جلد ۱۲ صفحه ۱۸)

اخلاق و عمل میں یگانہ روزگار تھے، یزید بن مہلب جس وقت خراسان کا گورنر تھا، اس نے آپ کے اخلاق سے متاثر ہو کر آپ کو مملکت کا عہدہ پیش کیا، لیکن آپ نے انکار کر دیا (تذكرة الحفاظ جلد ۱ صفحه ۸۳)

۱۰۴ھ میں اس عدم ہستی نما سے ہستی عدم نما کو انتقال فرمایا۔ (ابن سعد جلد ٥ صفحه ۱۸۷)

((اشهدوا علی حجر بما رأیتم منه .))

''تم نے حجر کے متعلق جو کچھ دیکھا ہے اس کی شہادت دو۔''

ان چاروں رئیسوں نے بالاتفاق درج ذیل شہادت قلم بند کروائی:

''حجر نے اپنے گرد بہت سی جماعتیں جمع کر لی ہیں اور خلیفہ (سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ) کو کھلم کھلا گالیاں دیتا ہے اور امیر المومنین کے خلاف جنگ کرنے پر لوگوں کو اکساتا ہے۔ اس کا خیال ہے کہ خلافت کا سوائے آل ابی طالب کے اور کوئی مستحق نہیں ہے...... اس کے ساتھی اس کے اصحاب کے سرغنہ ہیں ان کی رائے اور عمل بھی حجر ہی کی طرح ہے۔''

ابو بردہ بن ابی موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہما نے لکھا:

((ان حجر بن عدی خلع الطاعة وفارق الجماعة ولعن الخلیفة و دعا الی الحرب والفتنة وجمع الیه الجموع یدعوهم الی نکث البیعة و خلع امیر المومنین معاویة .))

(طبری جلد ٤ صفحه ٢٠٠)

''حجر بن عدی باغی ہو گیا ہے اور جماعت سے مفارقت اختیار کر لی ہے، خلیفہ پر لعنت کرتا ہے، لوگوں کو جنگ اور فتنہ کی دعوت دیتا ہے اور اس کے گرد مختلف قسم کے جتھے جمع ہو گئے ہیں جن کو وہ بیعت توڑنے کی دعوت دیتا ہے اور امیر المومنین معاویہ رضی اللہ عنہ کو چھوڑ دینے کی تحریک کرتا ہے۔''

ان چاروں کے علاوہ وائل [1] بن حجر، کثیر بن شہاب، عامر بن مسعود، محرز بن حارثہ،

---

[1] وائل بن حجر رضی اللہ عنہ حضر موت کے رئیس تھے اور ان کے والد حضر موت کے سلاطین میں سے تھے۔ (تهذیب التهذیب جلد ١١ صفحه ١٠٩)
فتح مکہ کے بعد جب اسلام قبول کرنے کے لیے مختلف اطراف و اکناف سے لوگ وفود کی شکل میں مدینہ طیبہ آنے شروع ہوئے تو آپ بھی اپنے قبیلہ کے ساتھ وارد مدینہ ہوئے اور اسلام قبول کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے آنے سے قبل صحابہ رضی اللہ عنہم کو ان کی آمد کی خوشخبری سنائی کہ وائل بن حجر جو سلاطین حضر موت کی اولاد میں سے ہیں اللہ اور اس کے رسول کے مطیع و فرمانبردار بن کر اور دور دراز کی مسافت طے کر کے آ رہے ہیں۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو: ⇦⇦⇦

عبیداللہ بن مسلم حضرمی وغیرہ اصحاب رسول رضی اللہ عنہم نے بھی حجر بن عدی کے خلاف شہادت دی۔ ان کے علاوہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے صاحبزادوں اور جلیل القدر تابعین نے بھی اس قسم کی شہادت دی جن میں حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کے تینوں صاحبزادے موسیٰ بن طلحہ، اسحٰق بن طلحہ

⇦⇦⇦((رجب به وادناه من نفسه وقرب مجلسه وبسط له رداءه فاجلسه عليه مع نفسه۔))

''آپ نے انہیں خوش آمدید کہا اور اپنے قریب کیا اور قریب لا کر اپنی چادر بچھائی اور انہیں اپنے ساتھ اس پر بٹھایا۔'' (الاستیعاب جلد ۲ صفحہ ۶۲۵)

ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے ابونعیم اصفہانی کے حوالہ سے نقل کیا کہ:

((واصعده معه على المنبر))

آپ نے ان کو اپنے ساتھ منبر پر بٹھایا۔'' (تہذیب التہذیب جلد ۱۱ صفحہ ۱۰۹)

پھر آپ نے ان کے لیے اور ان کی اولاد کے لیے برکت کی دعا فرمائی۔ (الاستیعاب جلد ۲ صفحہ ۶۲۵)

قبول اسلام کے بعد جب وائل رضی اللہ عنہ واپس جانے لگے تو آپ نے انہیں حضر موت میں ایک جاگیر مرحمت فرمائی اور ان کے لیے ایک خط مہاجر بن ابی امیہؓ اور دوسرا حضر موت کے سرداروں اور رئیسوں کے نام لکھ دیا۔

علامہ ابن البر رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ جب آپ واپس جا رہے تھے تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کو کچھ دور تک مشایعت کے لیے ساتھ بھیجا۔ وائلؓ سوار تھے اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سواری کے ساتھ پیدل چل رہے تھے۔ سخت گرمی کا موسم تھا، اور ریت کی شدید تپش کی وجہ سے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاؤں جھلسے جا رہے تھے۔ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے پاؤں جلنے کی شکایت کی۔ یہ چونکہ ابھی نئے نئے اسلام لائے تھے اور دماغ میں رئیسیت کی رعونت کے کچھ اثرات باقی تھے لہٰذا سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

''خاموش! تم بادشاہوں کے ساتھ بیٹھنے کے قابل نہیں ہو۔'' (الاستیعاب جلد۲ صفحہ ۶۲۵)

لیکن ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ جب سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ ان کی سواری کے ساتھ ساتھ چل رہے تھے تو سیدنا ولائل نے خود پیش کش کی کہ آپ میرے پیچھے بیٹھ جایئے لیکن سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا:

((لست من ارادف الملوك)) ''میں بادشاہوں کے پیچھے بیٹھنے والا نہیں ہوں۔''

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں آپ ان کے پاس گئے۔ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے خندہ پیشانی سے استقبال کیا اور نہایت عزت و تکریم کی اور اپنا وہ واقعہ یاد دلایا۔ آپ نے فرمایا کہ:

کیا اچھا ہوتا کہ میں اس دن انہیں اپنے آگے بٹھاتا۔ (تہذیب التہذیب جلد ۱۱ صفحہ ۱۰۹)

واپسی پر سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے کچھ نقدی دینی چاہی لیکن آپ نے انکار کر دیا۔ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے جاگیر پیش کی اس کو قبول کرنے سے بھی آپ نے انکار کیا اور فرمایا کہ مجھے اس کی ضرورت نہیں کسی اور حاجت مند کو دے دینا۔ (الاستیعاب جلد ۲ صفحہ ۶۲۵)

سیدنا معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کے عہد خلافت ہی میں وفات پائی۔ (تہذیب التہذیب جلد ۱۱ صفحہ ۱۰۹ صابہ جلد ۶ صفحہ ۳۱۲)

اور اسماعیل بن طلحہ رضی اللہ عنہم، سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے حضرت منذر رضی اللہ عنہ اور سیدنا ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ کے بھائی سیدنا عمارہ رضی اللہ عنہ کے نام خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ طبری نے لکھا ہے کہ گواہوں پر شہادتیں حاصل کرنے کے لیے کسی بھی قسم کا کوئی جبر نہیں کیا گیا تھا۔ چنانچہ امیر زیاد نے مختار بن ابی عبید اور سیدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے عروہ کو بھی گواہی دینے کے لیے بلایا لیکن انہوں نے بعض وجوہات کی بنا پر گواہی دینے سے انکار کر دیا۔ چنانچہ ان کا نام گواہوں کی فہرست میں نہ لکھا گیا اور نہ ان پر کسی قسم کی کوئی سختی ہی کی گئی۔

(طبری جلد ٤ صفحہ ٢٠١)

کل ستر (٧٠) حضرات نے شہادت دی جو خاندانی نجابت اور دینی شرافت کے لحاظ سے کوفہ میں مشہور و معروف تھے۔ طبری نے لکھا ہے کہ زیاد نے شہادت دینے کے لیے یہ خاص شرط لگائی تھی کہ صرف انہی کی شہادت لی جائے جو دینی شرافت اور خاندانی نجابت کے اعتبار سے معروف ہوں۔ (طبری جلد ٤ صفحہ ٢٠١)

ان سب شہادتوں کے ساتھ امیر زیاد نے بحیثیت گورنر کوفہ و بصرہ درج رپورٹ امیر المومنین سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو پیش کی:

((اما بعد! فان الله قد احسن عند امير المومنين البلاء فكادله عدوه وكفاه مؤنة من بغى عليه ان طواغيت من هذة الترابية السبائية رأسهم حجر بن عدى خالفوا امير المومنين و فارقوا جماعة المسلمين ونصبوا لنا الحرب فاظهرنا الله عليهم و امكننا منهم و قد دعوت خيار اهل المصر و اشرافهم و ذوى السن والدين منهم فشهدوا عليهم بما رأو وعملوا و قد بعثت بهم الى امير المومنين و كتبت شهادة صلحاء اهل المصر و خيارهم فى اسفل كتابى هذا.)) (طبری جلد ٤ ص ٢٠٢)

''بے شک امیر المومنین کے دشمنوں نے جو فتنہ ان کے خلاف اٹھایا، حق تعالیٰ نے اس سے انہیں محفوظ فرما لیا اور جن لوگوں نے ان کے خلاف علم بغاوت بلند

کیا تھا اللہ ان سے امن کے لیے کافی ہے۔ بے شک اس ذلیل سبائی پارٹی کے اشرار نے جن کا سرغنہ حجر بن عدی ہے امیر المومنین کی مخالفت کی ہے اور مسلمانوں کی جماعت میں تفرقہ وتشتت پیدا کیا ہے اور ہمارے خلاف جنگ و جدل کا سلسلہ جاری کر رکھا ہے۔ حق تعالیٰ نے ہمیں ان پر غلبہ عطا فرمایا اور ان کے مقابلہ میں ہمارے قدم جما دیے۔ میں نے کوفہ کے نیک اور شریف لوگوں اور عمر رسیدہ اور دین دار حضرات کو دعوت دی۔ انہوں نے جو کچھ دیکھا اس کے مطابق اپنی شہادتیں قلم بند کروائی ہیں۔ میں ان کو امیر المومنین کے پاس بھیج رہا ہوں اور کوفہ کے نیک اور شریف لوگوں نے جو شہادتیں دی ہیں وہ میں اپنے اس خط کے نیچے لکھ بھیج رہا ہوں۔''

امیر زیاد نے اپنی یہ رپورٹ مع ستر شہادتوں اور حجر بن عدی اور ان کے ۱۲ ساتھیوں سمیت دو جلیل القدر صحابہ رسول سیدنا وائل بن حجر اور سیدنا کثیر بن شہاب رضی اللہ عنہما کے ہاتھ سیدنا امیر المومنین معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں دمشق بھیج دی۔

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس ساری رپورٹ کو ان سب شہادتوں سمیت بغور ملاحظہ فرمایا۔ ان لوگوں کی خلاف ملک وملت کارروائیوں سے وہ پہلے ہی واقف ہو چکے تھے۔ اب اس خط کے ساتھ جلیل القدر صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین، تابعین اور صلحائے امت کی شہادتوں نے تمام قضیہ کو امیر المومنین پر واضح کر دیا۔ لیکن اپنے فطری حلم کی وجہ سے امیر المومنین نے امیر زیاد گورنر کوفہ کو حسب ذیل خط لکھا:

((اما بعد! فقد فهمت ما اقتصصت به من امر حجر و اصحابه و شهادة من قبلك عليهم فنظرت فى ذالك فاحيانا ارى قتلهم افضل من تركهم و احيانا ارى العفو عنهم افضل من قتلهم۔ والسلام.))

''حجر اور ان کے ساتھیوں کے بارہ میں جو کچھ واقعات تم نے لکھے ہیں ان کو میں نے اچھی طرح سمجھ لیا ہے۔ تم نے جو شہادتیں بھیجی ہیں ان سے بھی میں آشنا ہو

گیا ہوں۔ میں اس معاملہ پر غور وخوض کر رہا ہوں۔ کبھی سوچتا ہوں کہ ان کا قتل ان کے چھوڑنے سے افضل ہے اور کبھی سوچتا ہوں کہ عفو و درگزر کرنا قتل کی نسبت افضل ہے۔ والسلام"

امیر زیاد نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے خط کا درج ذیل جواب دیا:

"جو لوگ حجر اور ان کے ساتھیوں کو اچھی طرح جانتے ہیں، ان کی شہادتوں کے بعد مجھے انتہائی تعجب ہے کہ ان کے بارہ میں آپ کی دو رائیں ہیں۔

((فان كانت لك حاجة فی هذا المصر فلا تردّن حجرًا واصحابه الیّ .)) (طبری جلد ٤ صفحه ٢٠٣)

"اگر آپ کو اس شہر (کوفہ) کی ضرورت ہے تو حجر اور اس کے ساتھیوں کو میری طرف واپس نہ بھیجے۔" اس پر سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے حجر اور ان کے ساتھیوں کے قتل کا حکم صادر فرمایا۔ یہ لوگ رات بھر نماز پڑھتے رہے۔ صبح کو جب سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے سپاہیوں اور اصحاب نے ان سے پوچھا کہ تم رات لمبی نماز پڑھتے اور دعا کرتے رہے ہو۔

((فاخبرونا ما قولكم فی عثمان قالوا هو اوّل من جار فی الحكم و عمل بغير الحق .)) (طبری جلد ٤ صفحه ٢٠٥)

"ہمیں بتاؤ کہ عثمان رضی اللہ عنہ کے بارہ میں تمہاری کیا رائے ہے؟ انہوں نے کہا وہ پہلا شخص ہے جس نے حکومت میں ظلم و جور کیا اور حق کے خلاف عمل کیا۔"

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے اصحاب ان کا یہ جواب سن کر کہنے لگے:

"پھر تو امیر المومنین معاویہ رضی اللہ عنہ تمہیں بخوبی جانتے ہیں۔"

جب امیر زیاد نے حجر بن عدی اور ان کے ساتھیوں کو پابجولاں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس دمشق روانہ کیا، سیدہ عائشہ سلام اللہ علیہا کو اس کی خبر ہوئی۔ آپ نے عبدالرحمٰن بن حارث کو سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا اور کہا کہ حجر کو رہا کر دیں۔ ادھر سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے معاملہ کی نوعیت اور شہادتوں کے مطالعہ کے بعد حکم صادر فرمایا کہ ان کو "عذراء" مضافات دمشق لے جا کر قتل کر دیا جائے۔ جب سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس ام المومنین سیدہ عائشہ سلام

اللہ علیہا کا حجر کی رہائی کے بارہ میں پیغام پہنچا تو انہوں نے فوراً ایک قاصد کو ان کی رہائی کا حکم دے کر بھیجا لیکن اس قاصد کے پہنچنے سے پہلے حجر اور اس کے چھ ساتھی قتل کیے جا چکے تھے، تاہم باقیوں کو رہا کر دیا گیا۔

(طبقات ابن سعد جلد ٦ صفحه ٢١٩ ـ البداية والنهاية جلد ٨ صفحه ٥٤)

طبری نے نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ حج کے موقع پر سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اور سیدہ عائشہ سلام اللہ علیہا کی ملاقات ہوئی۔ سیدہ عائشہ سلام اللہ علیہا نے فرمایا:

''معاویہ! تم حجر اور اس کے ساتھیوں کے قتل کرنے کے بارہ میں اللہ سے نہ ڈرے؟''

آپ نے ام المومنین کو جواب میں کہا:

((لست انا قتلتهم، انما قتلهم من شهد عليهم.))

(طبری جلد صفحه ٢٠٨ ـ استیعاب ترجمه حجر بن عدی)

''میں نے انہیں قتل نہیں کیا بلکہ ان لوگوں نے انہیں قتل کیا ہے جنہوں نے ان کے خلاف شہادت دی ہے۔''

یہ تھی اصل حقیقت حال حجر بن عدی کے قتل کی جس کو سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے مخالفین اچھالتے ہیں اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ پر مختلف قسم کی الزام تراشیاں کرتے ہیں۔ کبھی کہتے ہیں کہ ''سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے ایک صحابی رسول کو قتل کر دیا'' حالانکہ حجر بن عدی کے بارہ میں محدثین کی صحیح رائے یہ ہے کہ وہ صحابی نہیں تھے۔ امام بخاری، امام ابن ابی حاتم، ابو حاتم، خلیفہ بن خیاط، اور ابن حبان وغیرہ رحمہم اللہ نے انہیں تابعین میں شمار کیا ہے۔ علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ نے امام ابو احمد عسکری رحمہ اللہ کا قول نقل فرمایا ہے:

((اكثر المحدثين لايصحون له صحبته.))

(البداية والنهاية جلد ٨ صفحه ٥٠ ـ اصابه جلد ١ صفحه ٣١٣)

''اکثر محدثین ان کے صحابی ہونے کو صحیح نہیں سمجھتے۔''

لیکن بالفرض انہیں صحابی مان بھی لیا جائے تو کیا صحابی اگر کوئی جرم کرے تو اسے معاف کر دیا جائے گا؟ کیا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا ماعز اسلمی رضی اللہ عنہ اور دوسرے کئی ایک صحابہ پر حد جاری نہیں فرمائی تھی؟ لہٰذا اگر ماعز اسلمی رضی اللہ عنہ کو زنا کے جرم میں سنگسار کیا جا سکتا ہے حالانکہ

ان کے صحابی رسول ہونے میں ذرا بھی شک وشبہ نہیں تو حجر بن عدی کو بغاوت کے جرم میں قتل کیوں نہیں کیا جا سکتا؟ کیونکہ وہ اپنی سادگی کی وجہ سے سبائیوں کے ہتے چڑھ کر فتنہ پیدا کرنے کی کوشش کر رہے تھے اور ملک میں بدنظمی پیدا کر کے اطاعت امیر کے اسلامی جذبے کو فنا کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ اور اگر اس جرم میں حکومت نے انہیں سزا دی تو حکومت کو مطعون کرنے کی کون سی وجہ ہے؟ مزید یہ کہ سیدنا مغیرہ رضی اللہ عنہ اور امیر زیاد ان کو اس سے قبل کئی بار زبانی فہمائش کر چکے تھے۔

دوسرے حجر کا یہ فعل اگر انفرادی حیثیت میں ہوتا تو شاید اس کو برداشت کر لیا جاتا لیکن وہ تو باقاعدہ سبائیوں کے رئیس اور سرغنہ کی حیثیت سے کام کر رہے تھے اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کی حکومت کے خلاف سازش کرتے تھے اور لوگوں کو ان کے خلاف ابھارتے اور مشتعل کرتے تھے۔ (یعقوبی جلد ۲ صفحہ ۲۷٤) پھر جب امیر زیاد نے ان کو بلانے کے لیے سپاہیوں کو بھیجا تو انہوں نے آنے سے صاف انکار کر دیا بلکہ الٹے سپاہیوں اور کوتوال شہر شداد بن الہیثم پر پتھروں اور ڈنڈوں سے حملہ کر دیا (البدایة والنهایة جلد ۸ ص ۵۱) جو ایک قسم کی بغاوت اور امور مملکت میں فتنہ پیدا کرنا تھا۔ اور ''فتنے'' کے متعلق خود قرآن حکیم کا ارشاد ہے:

﴿وَالْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ﴾

''اور فتنہ قتل سے بھی شدید تر ہے۔''

کہنے والے یہ بھی کہتے ہیں کہ سیدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ اور گورنر کوفہ امیر زیاد سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو منبر پر سب وشتم کیا کرتے تھے اور حجر اس فعل شنیع پر ان کو برسرعام ٹوکتے تھے۔ یہ شے زیاد کو پسند نہ آئی اور اس نے ان کو قتل کروا دیا۔ اگر اس بات کا تجزیہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ بات بھی بالکل حقیقت کے خلاف ہے۔ ایک تو اس لیے کہ سیدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ ایک صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہونے کی حیثیت سے معاذ اللہ اس قدر گھٹیا اور پست اخلاق کے مالک نہیں تھے کہ دامادِ رسول اور محبّ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو مسجد میں منبر پر بیٹھ کر سب و شتم کریں اور نہ امیر زیاد ہی جن کی اخلاقی تربیت سیدنا علی رضی اللہ عنہ جیسے معلم اخلاق کی آغوش میں

ہوئی تھی، اس قسم کا رذیل فعل کر سکتے تھے۔ دوسرے جو گالیاں ان کی طرف منسوب کی جاتی ہیں ان میں سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کا نام تک نہیں اور نہ وہ حقیقت میں گالیاں ہیں۔ مثال کے طور پر علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے:

((فلما کان اوّل خطبة خطبها زیاد بالکوفه ذکرها فی اخرها فضل عثمان رضی اللہ عنہ و ذم من قتله او اعان علی قتله فقام حجر .)) (البدایة و النهایة جلد ۸ صفحه ۵۱)

''جب زیاد نے کوفہ میں اپنا پہلا خطبہ دیا تو اس کے آخر میں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی فضیلت بیان کی اور ان لوگوں کی مذمت بیان کی جنھوں نے سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو قتل کیا یا ان کے قتل پر اعانت کی۔ پس حجر کھڑے ہو گئے۔''

طبری نے نقل کیا:

((ذکر عثمان و اصحابه فقرظهم و ذکر قتلته و لعنهم فقال حجر .)) (طبری جلد ٤ صفحه ۱۹۰)

''اس نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اور ان کے اصحاب کا ذکر کیا اور ان کی تعریف کی اور ان کے قاتلوں کا ذکر کیا اور ان پر لعنت بھیجی تو حجر کھڑے ہو گئے۔''

علامہ ابن خلدون نے لکھا ہے:

((و ترحم علی عثمان و لعن قاتلیه و قال حجر .))

(ابن خلدون جلد ۳ صفحه ۲۳)

''اس نے سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ پر رحمت بھیجی اور ان کے قاتلوں پر لعنت۔ پس حجر نے کہا۔''

اسی طرح کے الفاظ ابن اثیر نے الکامل میں اور مروج الذہب میں مسعودی نے اور دیگر مورخین نے اپنی کتابوں میں نقل کیے ہیں۔ مقام غور ہے کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی فضیلت بیان کرنا اور ان کے قاتلوں کی مذمت کرنا اور ان لوگوں کی مذمت کرنا جنھوں نے اس معاملہ میں قاتلوں کی امداد کی، سب وشتم میں شمار ہوتا ہے؟ اگر تسلیم بھی کر لیا جائے کہ یہ گالیاں ہیں تو

اس میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا نام کہاں سے آگیا؟ کیا سیدنا علی رضی اللہ عنہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتل تھے؟ یا انہوں نے قتل عثمان رضی اللہ عنہ پر قاتلوں کی اعانت کی تھی یا ان کے قتل میں ان کا کوئی ہاتھ تھا؟ ہرگز نہیں، اور ایسی باتیں کرنا سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو سب وشتم کرنا ہے تو پھر سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے خود بھی اپنے آپ کو گالیاں دی ہیں۔

(ملاحظہ ہو طبری ۵ صفحہ ۲۰۰، صفحہ ۲۰۷۔ ابن عساکر جلد ۷ صفحہ ۸۵)

لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ سب وشتم نہیں ہے اور جو شخص یہ کہتا ہے کہ یہ کلمات سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو گالیاں دینا ہے وہ ایک تو خود سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو سب وشتم کرنے والا سمجھتا ہے، حالانکہ وہ ایسے نہیں تھے۔

دوسرے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو قاتلان عثمان یا ان کے ساتھیوں میں سے سمجھتا ہے اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ اس سے بھی بری ہیں۔

تیسرے اگر کسی مستحق لعنت پر لعنت کرنا سب وشتم کرنا ہے تو پھر معاذ اللہ اس سے ذات نبوت پر بھی حرف آتا ہے بلکہ ذات خداوندی بھی اس سے ملوث ہوتی ہے، کیونکہ قرآن اور احادیث نبویہ میں کئی مقامات پر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے لعنت کے مستحقین پر لعنت بھیجی ہے۔

چوتھی بات یہ ہے کہ اگر اس چیز کو صحیح بھی تسلیم کر لیا جائے کہ واقعی سیدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ اور امیر زیاد اپنے خطبوں میں برسر منبر سیدنا علی رضی اللہ عنہ پر سب وشتم کرتے تھے تو ان کو سمجھانے اور راہ راست پر لانے کا یہ کون سا اسلامی طریقہ ہے کہ مسجد میں کھڑے ہو کر ان کو بے نقط سنائی جائیں، اور سب وشتم کیا جائے اور مزید برآں یہ کہ ان پر کنکر مارے جائیں بلکہ اپنے حسن اخلاق اور خیر خواہی کے جذبہ کے ساتھ ان کو اس فعل شنیع سے روکا جاتا ہے۔

پانچویں چیز اس سلسلہ میں یہ یاد رکھنے کے قابل ہے کہ مورخین نے صاف لفظوں میں لکھا ہے کہ حجر بن عدی اور ان کے ساتھی سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو سب وشتم کیا کرتے تھے اور ان سے بیزاری کا اظہار کرتے تھے نہ کہ سیدنا مغیرہ رضی اللہ عنہ اور امیر زیاد سیدنا علی رضی اللہ عنہ پر سب وشتم کرتے تھے۔ چنانچہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ حجر بن عدی اور ان کے گروہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھے ہیں

((ویسبون معاویة و یتبرؤن منه .)) (البدایة والنهایة جلد ۸ صفحه ۵۰)

"وہ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو سب وشتم کرتے اور ان سے بیزاری کا اظہار کرتے۔"

علامہ ابن خلدون کے الفاظ یہ ہیں:

((فبلغه ان حجرا یجتمع الیه شیعة علی ویظهرون لعن معاویة والبراءة منه وانهم حصبوا عمرو بن حریث .))

"امیر زیاد کو پتہ چلا کہ حجر کے پاس شیعان علی رضی اللہ عنہ جمع ہوتے ہیں اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ پر کھلم کھلا لعنت بھیجتے ہیں اور ان سے بیزاری کا اظہار کرتے ہیں اور انہوں نے قائم مقام گورنر کوفہ عمرو بن حریث کو پتھر بھی مارے ہیں۔"

قریباً یہی الفاظ ابن جریر طبری نے اپنی کتاب تاریخ الامم والملوک جلد ۴ صفحہ ۱۹۰ اور علامہ ابن اثیرؒ نے اپنی کتاب تاریخ الکامل جلد ۳ صفحہ ۱۸۷ پر اور علامہ ابن کثیرؒ نے اپنی کتاب البدایہ والنہایہ جلد ۸ صفحہ ۵۱۸ پر نقل کیے ہیں۔

پھر کوتوال شہر شداد بن الہیثم نے جب حسین بن عبداللہ ہمدانی کو چند آدمیوں کے ساتھ حجر کو بلانے کے لیے بھیجا ہے تو طبری کے الفاظ ہیں کہ:

((فسبونا وشتمونا))

"حجر اور ان کے ساتھیوں نے ہمیں سب وشتم کیا اور برا بھلا کہا۔"

چھٹی چیز اس سلسلہ میں یہ ہے کہ اگر واقعی حجر بن عدی مظلوم شہید کیے گئے تو ان کے قتل کا الزام سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو کیوں دیا جاتا ہے۔ الزام اگر دینا ہے تو امیر زیاد کو دیا جائے یا ان ستر (۷۰) گواہوں کو دیا جائے جنہوں نے گواہی دی کہ حجر اور ان کے ساتھی باغی ہیں۔ اب اگر گواہوں نے غلط گواہی دی تو اس کا گناہ گواہوں پر ہے یا غلط گواہ بھیجنے والے پر نہ کہ فیصلہ کرنے والے پر۔ چنانچہ حجر بن عدی کے قتل کے بعد سیدہ عائشہ سلام اللہ علیہا نے جب سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

((یا معاویة! ما خشیت الله فی قتل حجر و اصحابه .))

"اے معاویہ! تمہیں حجر اور اس کے ساتھیوں کو قتل کرتے وقت خدا کا خوف نہ آیا؟"

تو جواب میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے ام المومنین سیدہ عائشہ سلام اللہ علیہا کی خدمت میں عرض کیا:

((لست انا قتلتهم انما قتلهم من شهد عليهم.))

(طبری جلد ٤ صفحه ٢٠٨)

"میں نے انہیں قتل نہیں کیا بلکہ انہیں ان لوگوں نے قتل کیا ہے جنہوں نے ان کے خلاف شہادت دی ہے۔"

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے تو ستر (۷۰) شاہدوں کی شہادت پر جو امیر زیاد نے قلمبند کر کے انہیں بھیجی تھی جن میں بڑے بڑے جلیل القدر صحابہ رضی اللہ عنہم عالی مرتبت تابعین رحمہم اللہ اور عظیم الشان صلحائے امت تھے، ان کے قتل کا حکم دیا تھا۔ اب اگر گواہوں کی شہادتیں غلط اور خلاف حقیقت تھیں تو اس کا گناہ ان پر ہے۔ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ تو اس سے بری الذمہ ہیں۔

ساتویں چیز یہ کہ اگر واقعی حجر بن عدی مظلوم شہید ہوئے اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کو مظلوم شہید کیا تو قاتل اور مقتول دونوں اب حق تعالیٰ کے پاس پہنچ چکے ہیں۔ اب وہاں حق و باطل اور ظالم و مظلوم کے درمیان امتیاز ہو جائے گا۔ ہمیں ان امور میں الجھنے کی کیا ضرورت ہے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر طعن و تشنیع کا کیا حق ہے؟ چنانچہ تاریخ کی کتابوں میں ہے کہ حجر بن عدی کے قتل کے بعد ایک دفعہ سیدہ عائشہ سلام اللہ علیہا نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ:

((اين ذهب عنك حلمك يا معاوية حين قتلت حجرا.))

"اے معاویہ! جب تم نے حجر کو قتل کیا تو اس وقت تمہارا حلم اور تمہاری بردباری کہاں گئی تھی؟"

آپ نے ام المومنین سلام اللہ علیہا کے جواب میں کہا:

"اماں! آپ کے ساتھ میرے سلوک کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے؟"

سیدہ عائشہ سلام اللہ علیہا نے فرمایا:

((انك بى لبار))

"میرے ساتھ تو تم بہت اچھا سلوک کرنے والے اور میری اطاعت کرنے

والے ہو۔"

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا:

((یکفینی هذا عند الله و غدا لی ولحجر موقف بین یدی الله عزوجل .))

"مجھے اللہ کے ہاں یہی کافی ہے۔کل مجھے اور حجر کو حق تعالیٰ کے سامنے کھڑا ہونا ہے۔"

ایک اور روایت میں جواب کے الفاظ یوں مروی ہے:

((فدعینی و حجرا حتی نلتقی عند ربنا .))

(البدایة والنهایة جلد ۸ صفحه ۵۳۔ ۵۵۔ الاستیعاب جلد ۱ صفحه ۳۵۶)

"آپ میرے اور حجر کے معاملہ کو رہنے دیں یہاں تک کہ ہم دونوں بارگاہِ ایزدی میں ملیں۔"

علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا یہ جواب بھی نقل فرمایا ہے:

((یـا ام الـمـؤمـنیـن انی رأیت فی قتلهم صلاحاً للامة و فی مقامهم فسادًا للامة .)) (البدایة والنهایة جلد ۸ صفحه ۵۵)

"اے ام المومنین! میں نے اس کے قتل میں امت محمدیہ کی بہتری اور اس کے چھوڑنے میں امت کی خرابی دیکھی۔"

ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں:

((یا ام المؤمنین! انی وجدت قتل رجل فی صلاح الناس خیر من استحیائه فی فساد هم .)) (البدایة والنهایة جلد ۸ صفحه ۵۵)

"ام المومنین! میں نے لوگوں کی بہتری اور خیر خواہی کے لیے ایک شخص کا قتل اس کی زندگی سے بہتر سمجھا جس سے لوگوں میں فساد اور فتنہ برپا ہو۔"

اور حقیقت بھی یہ ہے کہ ایک شخص جب فتنہ وفساد برپا کرتا ہے تو پھر اس کے فتنہ وفساد کی وجہ سے بعض دفعہ لاکھوں انسان قتل ہو جاتے ہیں اسی وجہ سے قرآن حکیم نے صاف

لفظوں میں بیان فرمایا:

﴿وَالْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ﴾

''فتنہ وفساد قتل سے بھی شدید تر ہے۔''

یہی وجہ تھی کہ سیدہ عائشہ سلام اللہ علیہا کے قاصد سیدنا عبدالرحمٰن بن حارث رضی اللہ عنہ نے جب سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے کہا کہ کیا آپ نے حجر بن عدی کو قتل کر دیا؟ تو جواب میں آپ نے جو الفاظ ارشاد فرمائے وہ اسی حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا:

((قتله احب الیّ من ان اقاتل معه مأة الف .))

(البداية والنهاية جلد ٨ صفحه ٥٤)

''اس اکیلے کا قتل میرے نزدیک زیادہ اچھا ہے بہ نسبت اس کے کہ میں (بعد میں) اس کی وجہ سے ایک لاکھ انسانوں کو موت کے گھاٹ اتار دوں۔''

گویا کہ حجر بن عدی اور اس کے چند ساتھیوں کو قتل کر کے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے امت کے کئی لاکھ انسانوں کو قتل سے بچا لیا۔ وگرنہ حجر اور اس کے چند ساتھیوں کی سازش اگر کامیاب ہو جاتی تو نہیں معلوم جمل وصفین کی طرح پھر کتنی زبردست جنگوں میں امت کو مبتلا ہونا پڑتا اور اس کے نتیجہ میں کتنے لاکھ نفوس میدان جنگ میں کام آتے اور کتنے سالوں تک امت اطمینان کی حالت کو ترستی رہتی۔ ہم تو ابھی تک جمل اور صفین کی جنگوں کے پیدا کردہ فتنے کو فرو نہیں کر سکے، اگر خدانخواستہ پھر فتنہ کھڑا ہو جاتا تو خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ امت کا اس میں کس قدر جسمانی اور روحانی نقصان ہوتا۔ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا امت مسلمہ پر بہت بڑا احسان ہے کہ انہوں نے اس طریقے سے امت کو فتنہ وفساد کی مہلک آگ سے بچا لیا۔



یزید کی ولی عہدی

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ پر ایک اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ انہوں نے یزید کو اپنا ولی عہد نامزد کیا۔ چنانچہ کہا جاتا ہے کہ

''یزید کی ولی عہدی کے لیے ابتدائی تحریک کسی صحیح جذبے کی بنیاد پر نہیں ہوئی تھی بلکہ ایک بزرگ (سیدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ) نے اپنے ذاتی مفاد کے لیے دوسرے بزرگ (سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ) کے ذاتی مفاد سے اپیل کر کے اس تجویز کو جنم دیا اور دونوں صاحبوں نے اس بات سے قطع نظر کر لیا کہ وہ اس طرح امت محمدیہ کو کس راہ پر ڈال رہے ہیں۔''

یہ بات کہنے والوں نے یہ نہ سوچا کہ سیدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کی وفات تو سنہ ۵۰ھ میں ہو چکی تھی اور یزید کی ولی عہدی کا معاملہ سنہ ۵۶ھ میں پیش آیا (ملاحظہ ہو طبری ٤/٢٢٤) وہ اپنی وفات کے چھ سال بعد یعنی سنہ ۵۶ھ میں اپنی معزولی سے بچنے کے لیے یہ تجویز سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پیش کرنے کے لیے کیسے تشریف لائے تھے؟ چنانچہ حافظ ابن کثیر نے اپنی تاریخ میں سنہ ۵۰ھ کے واقعات میں ان کی وفات کا ذکر کیا ہے:

((فلم یزل امیرها حتی مات فی هذه السنة علی المشهور، قال محمد بن سعد وغیره و قال الخطیب اجمع الناس علی ذالك.)) (البداية والنهاية ٨/٤٨)

''یعنی آپ کوفہ کے آخر وقت تک امیر رہے یہاں تک کہ سنہ ۵۰ھ میں مشہور قول کے مطابق آپ کی وفات ہوگئی۔ محمد ابن سعد کا یہی قول ہے اور خطیب نے کہا ہے کہ لوگوں کا اس پر اجماع ہے۔''

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کے سن وفات کے بارہ میں یوں لکھا ہے:

''ابو عبید القاسم بن سلام کہتے ہیں کہ ان کی وفات سنہ ۴۹ھ میں ہوئی جب وہ کوفہ کے امیر تھے۔ اور ابن سعد اور ابو حسان الزیادی اور دوسرے بے شمار حضرات فرماتے ہیں کہ وہ سنہ ۵۰ھ میں فوت ہوئے اور خطیب نے اس پر اہل علم کا اجماع نقل کیا ہے۔ حافظ ابن عبدالبرؒ کہتے ہیں کہ انہوں نے سنہ ۵۱ھ میں انتقال فرمایا۔ میں (ابن حجر عسقلانی) کہتا ہوں کہ ابن عبدالبر نے اس کو تمریض کے صیغہ سے ذکر کیا ہے جب کہ انہوں نے ان کے ترجمہ میں دو دفعہ قطعیت کے ساتھ لکھا ہے کہ وہ سنہ ۵۰ میں فوت ہوئے۔

(تهذيب التهذيب ١٠/ ٢٦٣، طبرى ٤/ ١٧٤)

علامہ ابن قتیبہ نے ان کا سن وفات ۵۱ھ نقل کیا ہے۔ (كتاب المعارف صفحه ٢٩٥)

اگر اس بات کو صحیح مان لیا جائے کہ سیدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ ہی نے یزید کی ولی عہدی کی تجویز پیش کی تھی تب بھی آپ پر یہ الزام بالکل غلط ہے کہ آپ نے اپنی گورنری کو قائم رکھنے کے لیے یہ حیلہ اختیار کیا تھا، یا یہ کہنا کہ ایک بزرگ نے اپنے ذاتی مفاد کے لیے دوسرے بزرگ کے ذاتی مفاد سے اپیل کر کے اس تجویز کو جنم دیا، سراپا اتہام اور خلاف حقیقت بات ہے کیوں کہ تاریخ کے صفحات اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ سیدنا مغیرہ رضی اللہ عنہ خود اپنے آخری ایام میں گورنری کے بار دوش سے سبک دوش ہونا چاہتے تھے، لیکن سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ مصر تھے کہ ان کی خدمات سے فائدہ اٹھایا جائے، کیوں کہ سیدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کوئی معمولی آدمی نہیں تھے، یہ عقل و دانش اور تدبیر و سیاست کے لحاظ سے عرب کے مدبر ترین اور ''دہاۃ'' میں شمار ہوتے تھے۔ اپنی اس غیر معمولی بصیرت اور عقل و رائے کے باعث ''مغیرۃ الرائے'' کہلاتے تھے۔ (الاصابہ تذکرہ مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ) حافظ ابن حجر نے قبیصہ بن جابر کا بیان نقل کیا ہے کہ میں عرصہ تک مغیرہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ رہا، وہ تدبیر سیاست کے آدمی تھے۔ اگر کسی شہر کے آٹھ دروازے ہوں اور ان میں ایک سے بھی بغیر ہوشیاری اور چالاکی کے گزرنا مشکل ہو تو سیدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ آٹھوں دروازوں سے گزر جاتے ہیں۔ (تهذيب التهذيب ١/ ٢٠٢)

سیدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے امیر المومنین سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں لکھا کہ

((اما بعد! فانی قد کبرت سنی ودق عظمی و شنفت لی قریش فان رأیت ان تعزلنی فاعزلنی .)) (طبری ۵/۲۳۱)

''میری عمر بڑی ہوچکی ہے، ہڈیاں کمزور پڑ چکی ہیں، قریش مجھ سے بغض رکھنے لگے ہیں۔ لہٰذا آپ مجھے اگر معزول کرنا مناسب سمجھیں تو معزول کر دیجیے۔''

ابن خلدون نے لکھا ہے کہ:

''سیدنا مغیرہ رضی اللہ عنہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور ان سے اپنے ضعف کی شکایت کر کے گورنری سے استعفا دے دیا۔ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے اسے منظور کر لیا اور سیدنا سعید بن العاص رضی اللہ عنہ کو ان کی جگہ گورنر بنانے کا ارادہ کیا۔''

(ابن خلدون ۳/۳۳)

بہرحال ولی عہدی کی تجویز سیدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے پیش کی یا کسی اور نے یا سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ذہن میں خود آئی۔ واقعات کا تسلسل یہ بتاتا ہے کہ آپ ماضی میں امت مسلمہ کی باہمی خانہ جنگی کے پیش نظر اپنی خداداد بصیرت سے یہ نہایت مناسب سمجھتے تھے کہ وہ اپنے انتقال سے قبل کسی کو اپنا ولی عہد مقرر کر جائیں تاکہ جمل و صفین کی طرح امت کی تلواریں پھر بے نیام نہ ہوں۔ چنانچہ آپ نے ایک مرتبہ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے فرمایا تھا!

((انی خفت ان اذر الرعیة من بعدی کالغنم المطیرة لیس لھا راع .)) (البدایة والنھایة ۸/۸۰)

''مجھے خوف ہے کہ عوام کو بکریوں کے منتشر گلے کی طرح چھوڑ کر نہ چلا جاؤں جس کا کوئی چرواہا نہ ہو۔''

گویا یہ آپ کی امت مسلمہ پر نہایت شفقت تھی لیکن آپ اپنا ولی عہد خود تجویز کرنے کے بجائے امت کے ارباب حل وعقد کے سپرد یہ معاملہ کرنا چاہتے تھے۔

اگرچہ تمام ولایتوں کے نمائندوں کا ولی عہد کی نامزدگی میں کوئی اختیار نہ تھا کیوں کہ ارباب حل وعقد کا مرکز صرف دمشق تھا۔ جب تک مدینہ منورہ مرکز خلافت تھا تو خلیفہ

کے تقرر کی ذمہ داری وہاں کے ارباب حل وعقد کے ذمہ تھی۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں جب مدینہ طیبہ کے بجائے کوفہ مرکز خلافت بنایا گیا تو نصب امام کی تمام تر ذمہ داری کوفہ کے اہل حل وعقد پر تھی۔ چنانچہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کو کوفہ کے ارباب حل وعقد ہی نے خلیفہ مقرر کیا تھا، اور بعد میں دوسرے صوبوں کے ارباب حل وعقد نے ان کی بیعت کی۔ اب جب سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد میں دمشق مرکز خلافت بنا تو چاہیے تو یہ تھا کہ صرف دمشق کے ارباب حل وعقد کی رائے ہی سے ولی عہد کا تقرر کر لیا جاتا لیکن سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے بڑی وسعت قلبی کا ثبوت دیتے ہوئے یہ فرمایا کہ جب تک تمام صوبوں اور ولایتوں کے نمائندے کسی کو ولی عہد تجویز نہ کریں اس وقت تک میں اسے نامزد نہیں کر سکتا۔

مملکت اسلامیہ کے سب گوشوں سے وفود مرکز خلافت میں حاضر ہوئے۔ عراق جو سبائی تحریک کا مرکز تھا وہاں سے بھی احنف بن قیس رحمہ اللہ کی زیر قیادت ایک وفد دربار خلافت میں حاضر ہوا۔ (مروج الذھب ۳/۳٦) اہل عراق ہی نے یزید کا نام ولی عہدی کے لیے تجویز کیا۔ مخالف اور موافق دونوں قسم کی تقریریں ہوئیں اور سب نے بلا جھجک مخالف و موافق دلائل پیش کیے لیکن اکثریت یزید کے حق میں تھی۔

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے کان میں کہیں سے بھنک پڑ گئی کہ اہل مدینہ میں سے کچھ لوگ یزید کے ولی عہد ہونے کے مخالف ہیں۔ اس لیے آپ نے فرمایا کہ جب تک مدینہ طیبہ کے باشندے بھی متفق نہ ہوں میں ولی عہدی کے لیے یزید کے نام کا ہرگز اعلان نہیں کر سکتا۔ چنانچہ اس کے لیے آپ نے گورنر مدینہ سیدنا مروان رضی اللہ عنہ کو لکھا:

> "اب ضعیفی اور ناتوانی نے مجھے آلیا ہے۔ معلوم نہیں کب اس دنیا سے آخرت کے سفر پر چلا جاؤں۔ مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں میرے بعد امت تشتت و افتراق اور فتنہ و فساد کا شکار نہ ہو جائے، لہٰذا مناسب سمجھتا ہوں کہ اپنی زندگی میں ہی ارباب حل وعقد کے مشورہ سے کسی کو اپنا جانشین اور ولی عہد مقرر کر جاؤں۔ اس معاملہ میں آپ کا مشورہ ضروری ہے۔ اس بات کو مدینہ طیبہ کے ارباب حل و عقد پر پیش کرو۔ باہمی اتفاق سے جو وہ جواب دیں وہ مجھے لکھو۔"

سیدنا مروان رضی اللہ عنہ نے مدینہ طیبہ کے اکابر کو جمع کر کے ان کے سامنے یہ بات پیش کی ر یزید کا ذکر چھیڑا۔ پورے اجتماع میں صرف سیدنا عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہما نے کوئی چبھتی وئی بات کہی جس سے سیدنا مروان رضی اللہ عنہ کو غصہ آ گیا اور سیدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ اس اجتماع کو چھوڑ کر چلے گئے۔ (بخاری ۲/۷۱۵) باقی خضری، مسعودی، طبری اور ابن اثیر نے جو باتیں لکھی ہیں وہ روایت و درایت کے لحاظ سے سراسر غلط ہیں۔

بخاری نے اصح الکتاب بعد کتاب اللہ ہونے کے ناتے سیدنا عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہما کی وہ بات نقل کی جو انہوں نے اس اجتماع میں کہی لیکن خضری، مسعودی اور طبری غیرہم مورخین نے لکھا ہے کہ سیدنا مروان رضی اللہ عنہ کی یہ بات سن کر سیدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے کہا تھا کہ یہ قیصر و کسریٰ کی سنت ہے جو معاویہ (رضی اللہ عنہ) دنیا میں قائم کرنا چاہتے ہیں۔ لیکن یہ بات رست معلوم نہیں ہوتی کیوں کہ اس اجتماع میں کوئی معمولی قسم کے لوگ نہیں تھے بلکہ سیدنا سعد بن ابی وقاص، سیدنا سعید بن زید، سیدنا عبداللہ بن عمر، سیدنا عبداللہ بن عباس، اور دیگر جلیل القدر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین موجود تھے۔ اگر سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ واقعی قیصر و کسریٰ کی سنت کو جاری کرنا چاہتے تھے تو اجتماع میں موجود سب حضرات سیدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کی تائید کرتے، لیکن بخاری کی روایت کے مطابق پورے اجتماع میں سوائے سیدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کے اور کسی نے اختلاف نہیں کیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا یزید کو ولی عہدی کے لیے پیش کرنا قیصر و کسریٰ کی سنت نہیں تھی اور اگر تھی تو عشرہ مبشرہ کے صحابہ کرام، اصحاب بدر اور دیگر جلیل القدر صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس کی مخالفت میں زبان کیوں نہ کھولی بلکہ الٹا یزید کی بیعت کر لی۔ جب ولی عہدی کے لیے یزید کے نام کی تحریک قیصر و کسریٰ کی سنت نہیں تھی اور بنا نہیں تھی تو سیدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ جیسا پختہ کار آدمی ایسی کچی بات ہرگز نہیں کہہ سکتا تھا۔ ں سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے کوئی اور چبھتی ہوئی بات کہی تھی جس سے سیدنا مروان رضی اللہ عنہ کو غصہ آ گیا۔

ہمارے خیال میں بخاری کی اس روایت میں بھی راوی سے سہو ہو گیا ہے۔ سیدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کی طرف جو بیان منسوب کیا جاتا ہے کہ انہوں نے اٹھ کر سیدنا مروان رضی اللہ عنہ

کی تجویز پر اعتراض کیا تھا، غلط ہے کیوں کہ روایات سے پتہ چلتا ہے کہ یزید کی ولی عہدی کا واقعہ سنہ ۵٦ھ میں پیش آیا تھا۔(طبری ٤/٢٢٤) بلکہ مسعودی نے تو سنہ ۵۹ھ لکھا ہے۔ (مروج الذهب ٣/٣٦) اور سیدنا عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہما سنہ ۵۳ھ میں اس دارفانی سے انتقال فرما چکے تھے۔ چنانچہ ابن قتیبہ نے لکھا ہے:

((مات فجاءة سنة ثلاث و خمسين بجبل بقرب مكة .))

(المعارف صفحه ٢٦)

''سدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کی سنہ ۵۳ھ میں مکہ کے قریب ایک پہاڑ پر اچانک وفات ہوگئی۔''

مستدرک حاکم میں ہے:

''عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہما اچانک فوت ہو گئے۔ ان کی کنیت ابوعبداللہ تھی اور سن وفات ۵۳ھ تھا۔'' (مستدرك حاكم ٣/٤٧٥)

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ سیدنا عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہما کی وفات کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''سیدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کی وفات حبشی کے مقام پر جو مکہ سے بارہ میل کے فاصلہ پر ہے، ہوئی۔ ان کی نعش کو مکہ مکرمہ لایا گیا ہے اور وہاں دفن کیا گیا۔ ابن سعد اور بہت سے دوسرے مورخین نے لکھا ہے کہ ان کی وفات سنہ ۵۳ھ میں ہوئی۔'' (تهذيب التهذيب ٦/١٤٧)

لیکن اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ سیدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ اس وقت زندہ تھے اور انہوں نے یزید کی ولی عہدی پر اعتراض کیا تھا، تو وہ اعتراض وہ نہ تھا جس کو مسعودی اور طبری وغیرہ نے سیدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کیا ہے۔

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ جیسے محتاط آدمی کے نزدیک پورے اجتماع میں ایک آواز کا اٹھنا بھی بہت تھا، لہٰذا آپ نے خود مدینہ طیبہ کا سفر کیا تا کہ بذات خود ان حضرات سے ملاقات کی جائے۔ چنانچہ مدینہ طیبہ میں ان کی موجودگی میں دوبارہ اجتماع ہوا جس میں سیدنا معاویہ رضی اللہ

نے خود اس معاملہ کو اس کے سارے مالہ و ما علیہ کے ساتھ پیش کیا۔ تمام اجتماع نے اس بات کا خیر مقدم کیا اور حالات حاضرہ اور مصالح امت کے پیش نظر اس تجویز کو منظور کر لیا۔ غرض اس طرح باہمی گفت و شنید اور مشاورت سے یزید بن معاویہ کی ولی عہدی کے لیے نامزدگی ہوئی اور پوری امت اور سب ارباب حل و عقد نے اس تحریک سے اتفاق کیا جو امیر المومنین سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کے سامنے پیش کی تھی، اور اس معاملہ میں یزید کو یہ شرف حاصل ہے کہ جیسا استصواب رائے اس کی خلافت پر ہوا، اس سے قبل کبھی نہیں ہوا۔ چنانچہ حافظ ابن کثیرؒ نے لکھا ہے:

((فاتسقت البیعة لیزید فی سائر البلاد و وفدت الوفود من سائر الاقالیم الیٰ یزید الخ .)) (البدایة والنهایة ۸/۸۸)

''حکومت اسلامیہ کے تمام شہروں میں یزید کی بیعت بلا اختلاف کی گئی اور ملک کے گوشے گوشے سے (بیعت کے لیے) یزید کے پاس وفود آئے۔''

ابن اثیر اور اس کے حوالہ سے موجودہ دور کے بعض حضرات نے یہاں بڑی بے سروپا باتیں لکھی ہیں۔ مثلاً یہ کہ ان پانچ حضرات نے یزید کی ولی عہدی سے اختلاف کیا: (۱) عبدالرحمٰن بن ابی بکر (۲) عبداللہ بن عمر (۳) عبداللہ بن عباس (۴) حسین بن علی اور (۵) عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم۔ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ جب خود مدینہ طیبہ تشریف لائے تو یہ پانچوں حضرات مدینے سے باہر امیر المومنین سے ملے۔ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان سے ایسا درشت برتاؤ کیا کہ یہ سارے حضرات مدینہ منورہ چھوڑ کر مکہ مکرمہ چلے گئے۔ امیر المومنین سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ وہاں ان کے پیچھے مکہ پہنچے۔ پہلے ان سب کو حسن اخلاق اور خاطر و مدارات اور طرح طرح کی نوازشات سے اپنی طرف مائل کرنے کی کوشش کی جو ناکام ثابت ہوئی۔ پھر آپ نے قرابت داری کا واسطہ دیا۔ جب یہ کوشش بھی کارگر ثابت نہ ہوئی تو دھمکی دی کہ اگر تم لوگوں نے مخالفت کی تو تلوار اور سختی سے کام لیا جائے گا۔ چنانچہ یہ سب ایک ہی دھمکی سے خاموش ہو گئے۔ اندرون خانہ ان کو اس طرح دھمکایا اور باہر آ کر اعلان کر دیا کہ ان پانچوں بزرگوں نے یزید کی بیعت کر لی ہے۔ لوگ پہلے ہی ان کے فیصلے کے منتظر تھے۔ یہ سنتے ہی

سب نے بیعت کر لی۔ بعد میں لوگوں کو اصل واقعہ کا علم ہوا لیکن پھر بھی کسی نے کوئی مخالفت نہ کی۔ (ابن اثیر ۳/ ۲۰۱۔ ۲۰۲) قاضی ابوبکر ابن العربیؒ نے اپنی کتاب "العواصم من القواصم صفحہ ۲۱۹ - ۲۲۵ پر اور علامہ محب الدین خطیب رحمہ اللہ نے اس کتاب کے حواشی میں ان سب روایات پر بڑی عالمانہ تنقید کی ہے اور ان کا غلط ہونا واضح طور پر بیان کیا ہے۔ اب جن لوگوں نے یہ واقعات وضع کیے ہیں انہوں نے صرف سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے کریکٹر ہی پر حملہ نہیں کیا ہے بلکہ انہوں نے ان بزرگوں کی "جرأت ایمانی" اور "حق گوئی" کا تانا بانا بھی امت کے سامنے بکھیر کر رکھ دیا ہے کہ وہ اتنے بہادر تھے کہ صرف ایک دھمکی ہی سے ایک خلاف حق بات پر خاموش ہو گئے اور یزید کی بیعت پر رضا مندی کا اظہار کر دیا۔

((لم يتكلموا شيئاً حذر القتل .)) (الامامة والسياسة ١/ ٢٠٠)

"انہوں نے موت کے ڈر سے کوئی بات نہ کی۔"

صاف ظاہر ہے کہ نہ یہ بزرگ ایسے پست ہمت اور ڈر پوک تھے اور نہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ ہی اتنے جابر اور بداخلاق تھے۔ یہ سارے واقعات دراصل دشمنان صحابہ نے وضع کر کے مسلمانوں کے قلوب میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی عزت و ناموس اور محبت و عقیدت کو کم کرنے کی ناپاک کوشش کی ہے، اور قرآن و حدیث کی نصوص صریحہ صحیحہ پر تاریخ کی غلط، خلاف حقیقت اور واہی تباہی روایات سے خط تنسیخ کھینچا ہے جو کسی صورت بھی جائز نہیں کیوں کہ قرآن وحدیث کی نصوص صریحہ صحیحہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کو اللہ رب العزت کی رضا کا سرٹیفکیٹ عطا کرتی ہیں ﴿رَضِيَ اللّٰهُ عَنۡهُمۡ وَرَضُوۡا عَنۡهُ﴾ "اللہ ان سے راضی ہو گیا اور وہ اللہ سے راضی ہو گئے۔" اب ایسے حضرات کو دنیا کا بندہ قرار دینا اور یہ کہنا کہ وہ جو کچھ کرتے تھے، دنیا طلبی اور اپنی خواہشات کی پیروی کے لیے کرتے تھے، ان کے دامن عفت و رضا کو جھوٹے الزامات سے داغ دار کرنا ہے۔ اس لیے ہر وہ تاریخی روایت جو قرآن و سنت کی ان نصوص سے ٹکرائے گی، نا قابل اعتبار ٹھیرائی جائے گی۔ چنانچہ قاضی ابوبکر بن العربی رحمۃ اللہ علیہ ان تاریخی روایات کے بارہ میں فرماتے ہیں:

"لوگ جب کسی میں کوئی عیب نہیں پاتے اور ان کو ان پر حسد اور عداوت ہوتی

ہے تو اس کے بارہ میں طرح طرح کے عیوب تراشتے رہتے ہیں، لہٰذا تم اس وصیت کو قبول کرو اور سوائے صحیح روایات کے اور کسی طرف توجہ نہ کرو جیسا کہ میں نے تمہیں کہا ہے کہ اہل تاریخ سے بچو کیوں کہ ان کا شیوہ ہے کہ وہ سلف کے بارہ میں پہلے چند صحیح روایات ذکر کرتے ہیں تا کہ ان کی آڑ میں باطل اور غلط روایات کو فروغ دے سکیں۔ یہ مورخین لوگوں کے قلوب میں ایسی باتیں ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں جو حق تعالیٰ کو ناپسند ہوتی ہیں۔ یہ لوگ اسلاف کی تذلیل و تحقیر اور دین کی توہین کرتے ہیں حالانکہ دین اس سے بہت زیادہ عزت والا اور اسلاف اس سے کہیں زیادہ قابل احترام ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان سب سے راضی ہے۔" (العواصم من القواصم صفحہ ٢٤٤)

قاضی ابوبکر ابن العربی رحمۃ اللہ علیہ ایک اور مقام پر فرماتے ہیں:

"یہ باتیں میں نے اس لیے ذکر کی ہیں تا کہ تم لوگوں سے احتراز کرو بالخصوص مفسرین، مورخین اور اہل ادب سے۔ یہ لوگ دین کی حرمتوں سے نا آشنا اور بدعات پر اصرار کرنے والے ہیں، لہٰذا ان کی بیان کردہ روایات کی بالکل پروا نہ کرو اور ائمہ حدیث کے سوا اور کسی شخص کی روایات کو ہرگز قبول نہ کرو۔"

(العواصم من القواصم صفحہ ٢٤٧ ـ ٢٤٨)

امام نوویؒ صحیح مسلم کی شرح میں لکھتے ہیں:

((قال العلماء الاحادیث الواردة التی فی ظاهرها دخل علی صحابی یجب تاویلها، قالوا ولا یقع فی روایات الثقات الاما یمکن تاویلا .)) (نووی شرح مسلم ٢٧٨/٢)

"علماء فرماتے ہیں کہ جن احادیث میں بظاہر کسی صحابی پر حرف آتا ہے اس کی تاویل واجب اور ضروری ہے، اور علماء کہتے ہیں کہ صحیح روایات میں کوئی ایسی روایت موجود نہیں جس کی تاویل نہ ہو سکتی ہو۔"

کچھ اسی قسم کے خیالات کا اظہار حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے کیا ہے۔

(ملاحظہ ہو منهاج السنة ٢٠٩/٣)

اس سلسلہ میں شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی قدس سرہ فرماتے ہیں:

''صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی شان میں جو آیات وارد ہیں، وہ قطعی ہیں۔ جو احادیث صحیحہ ان کے متعلق وارد ہیں ان کی اسانید اس قدر قوی ہیں کہ تاریخ کی روایات ان کے سامنے ہیچ ہیں۔ اس لیے اگر کسی تاریخی روایت میں اور احادیث صحیحہ میں تعارض واقع ہو گا تو تواریخ کو غلط کہنا ضروری ہے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی شان میں صحاح میں خصوصی متعدد روایات موجود ہیں، مثلاً جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دعا فرمایا: ((اللھم اجعله هاديا مهديا)) ''اے اللہ! تو معاویہ کو ہدایت یافتہ اور ہادی بنا دے۔'' یا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ان کے تفقہ کا اقرار کرنا وغیرہ، اس لیے اگر تاریخ کوئی واقعہ ان روایات کے خلاف پیش کرے گی تو تاریخ کی تغلیط کی جائے گی...... ہم فرط عقیدت اہل بیت میں آ کر ان کے مقامات اور اس زمانے کے احوال سے بالکل غافل ہو جاتے ہیں۔ مورخین اس مقام میں اپنے فرائض میں کوتاہی کر بیٹھتے ہیں۔''

(مکتوبات شیخ الاسلام ۱/ ۲٤۲)

ایک اور مقام پر شیخ الاسلام مورخین کی روایات کی حقیقت ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

''یہ مورخین کی روایتیں تو عموماً بے سروپا ہوتی ہیں، نہ راویوں کا پتہ ہوتا ہے نہ ان کی توثیق و تخریج کی خبر ہوتی ہے، نہ اتصال و انقطاع سے بحث ہوتی ہے۔ اور اگر بعض متقدمین نے سند کا التزام بھی کیا ہے تو عموماً اس میں ہر غث وثمین سے ارسال و انقطاع سے کام لیا گیا ہے، خواہ ابن اثیر ہوں یا ابن قتیبہ، ابن ابی الحدید ہوں یا ابن سعد۔

ان اخبار کو مستفاض و متواتر قرار دینا بالکل غلط ہے اور بے موقع ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے متعلق ان قطعی اور متواتر نصوص اور دلائل عقلیہ و نقلیہ کی موجودگی میں اگر روایات صحیحہ احادیث کی بھی موجود ہوتیں تو مردود یا ماول قرار دی جاتیں چہ جائیکہ روایات تاریخ۔'' (مکتوبات شیخ الاسلام ۱/ ۲٦٦)

معلوم ہوا کہ یہ تمام روایات جو سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے جبر اور ان پانچوں بزرگوں کی کم ہمتی اور بزدلی کے بارہ میں ہیں، یہ سب موضوع اور گھڑی ہوئی ہیں۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا اسلام میں باپ کے بعد بیٹا امیر ہوسکتا ہے یا کوئی جانے والا خلیفہ کسی کو اپنا ولی عہد نامزد کرسکتا ہے؟ اس سلسلہ میں محقق علماء کا فیصلہ یہ ہے کہ خلیفہ ارباب حل وعقد کے مشورہ کے بغیر بھی کسی کو خلیفہ نامزد کرسکتا ہے۔ چنانچہ اس سلسلہ میں قاضی ابویعلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"خلیفہ کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ اپنے بعد کسی کو ولی عہد بنائے اور اس بارہ میں ارباب حل وعقد کی موجودگی ضروری نہیں ہے، اس لیے کہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو ولی عہد بنایا اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے بعد چھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو یہ فریضہ سپرد کیا (گویا یہ بھی ایک نامزدگی تھی) اور یہ فریضہ سپرد کرتے وقت کسی نے بھی اہل حل وعقد کی موجودگی کو ضروری نہیں سمجھا۔ اس کی عقلی وجہ یہ ہے کہ کسی شخص کو ولی عہد بنانا اس کو خلیفہ بنانا نہیں ہے ورنہ ایک ہی زمانہ میں دو خلفاء کا اجتماع لازم آئے گا جو اسلام میں جائز نہیں ہے۔ اور جب یہ خلافت کا عقد نہیں ہے تو اہل حل وعقد کی موجودگی بھی ضروری نہیں، البتہ ولی عہد بنانے والے کی وفات کے بعد ان کی موجودگی ضروری ہے۔"

قاضی ابویعلیٰ چند سطور کے بعد لکھتے ہیں:

"خلیفہ کے لیے جائز ہے کہ وہ کسی ایسے شخص کو ولی عہد بنائے جو اس کے ساتھ باپ یا بیٹے کا رشتہ رکھتا ہو، بشرطیکہ وہ خلافت کی شرائط کا حامل ہو اس لیے کہ خلافت محض ولی عہد بنانے سے منعقد نہیں ہو جاتی بلکہ مسلمانوں کے قبول کرنے سے منعقد ہوتی ہے اور اس وقت ہر تہمت دور ہو جاتی ہے۔"

(الاحکام السطانیة صفحہ ۹)

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے قبل پانچ خلفاء گزرے تھے۔ سیدنا صدیق اکبر، سیدنا عمر فاروق، سیدنا عثمان ذوالنورین، سیدنا علی اور سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہم۔ ان پانچوں خلفاء کے تقرر میں

الگ الگ طریقہ رہا۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کا تقرر ہنگامی حالات میں ہوا۔ اسی ہنگامہ میں سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑا اور فرمایا کہ ''میں ان کے ہاتھ پر بیعت کرتا ہوں۔'' یہ سننا تھا کہ پورے اجتماع نے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے نامزد کیا۔ چنانچہ انہوں نے اپنے وصیت نامہ میں لکھا:

((انی استخلفت علیکم عمر بن الخطاب .))

(الامامة والسیاسة ۱/۱۹، العواصم من القواصم صفحه ۵۱)

''میں عمر بن خطاب کو تم پر خلیفہ مقرر کرتا ہوں۔''

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ جب زخمی ہوئے تو آپ سے درخواست کی گئی کہ آپ بھی کسی کو نامزد فرما جائیں جس طرح سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے آپ کو نامزد فرمایا تھا۔ اس کے جواب میں آپ نے فرمایا:

''میں کس کو جانشینی کے لیے منتخب کروں؟ اگر آج ابوعبیدہ بن الجراح زندہ ہوتے تو میں ان کو جانشین مقرر کر جاتا۔ اگر میرا رب مجھ سے اس بارہ میں پوچھتا تو میں کہہ دیتا کہ میں نے تیرے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے سنا تھا کہ ابو عبیدہ اس امت کے امین ہیں۔ یا اگر ابو حذیفہ کے مولیٰ سالم زندہ ہوتے تو انہیں خلیفہ نامزد کر جاتا۔ اگر میرا رب اس بارہ میں مجھ سے پوچھتا تو کہہ دیتا کہ تیرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا تھا کہ ''سالم حق تعالیٰ سے بہت محبت رکھنے والے ہیں۔'' کسی نے کہا کہ اپنے فرزند عبداللہ کو نامزد کر جائیں۔ فرمایا کہ میں ایسے شخص کو کیسے خلیفہ نامزد کر جاؤں جو اپنی عورت کو طلاق دینے میں جذبات پر قابو نہ رکھ سکا۔ ہمیں تمہارے معاملات کی کوئی خواہش نہیں۔ میں نے اس کو کچھ اچھا نہیں پایا کہ اپنے گھر میں سے کسی اور کے لیے بھی اس کی تمنا اور خواہش کروں۔ اگر یہ حکومت کوئی اچھی چیز تھی تو عمر کے خاندان کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ کل کو حق تعالیٰ کے سامنے صرف ایک ہی آدمی سے حساب لیا جائے۔''

(طبری ۳/۲۹۲۔ ابن اثیر ۳/۶۵۔ الامامة والسیاسة ۱/۲۳۔ منهاج السنة ۳/۱۶۸، ۱۷۲)

بعض روایات میں ہے کہ آپ نے سیدنا معاذ بن جبل اور سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہما کا بھی نام لیا کہ اگر آج وہ زندہ ہوتے تو میں ان کو خلیفہ نامزد کر جاتا، لیکن چونکہ آج وہ حضرات زندہ نہیں ہیں، لہٰذا میں ایسے چھ آدمیوں کو تم پر نامزد کرتا ہوں جن سے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا سے تشریف لے جاتے وقت راضی تھے:

(۱) سیدنا علی بن ابی طالب (۲) سیدنا عثمان بن عفان

(۳) سیدنا زبیر بن عوام (۴) سیدنا طلحہ بن عبیداللہ

(۵) سیدنا سعد بن ابی وقاص (۶) سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف

آپ نے فرمایا کہ خلیفہ ان چھ ہی میں سے ہو۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے نزدیک خلیفہ کی نامزدگی شرعی لحاظ سے نا جائز نہ تھی بلکہ اسے اچھا سمجھتے تھے۔ اسی لیے تو فرمایا کہ آج اگر فلاں فلاں حضرات میں سے کوئی زندہ ہوتا تو میں اسے نامزد کر جاتا۔ اگر خلیفہ کی نامزدگی شرعی لحاظ سے نا جائز ہوتی تو سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ جیسا انسان صاف اور واضح طور پر یہ کہہ دیتا میں خلیفہ کیسے نامزد کر کے جاؤں جب کہ نامزدگی اسلام میں جائز ہی نہیں، لیکن آپ نے یہ جواب نہیں دیا بلکہ چھ آدمیوں کی ایک کونسل بنا دی جو دوسرے لفظوں میں ایک قسم کی نامزدگی ہی تھی کیوں کہ آپ نے یہ شرط لگا دی تھی کہ خلیفہ ان چھ ہی میں سے ہو۔ چنانچہ انہی چھ میں سے سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو اس کونسل نے خلیفہ نامزد کر دیا جس کو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نامزد کر کے گئے تھے۔ دوسرے لفظوں میں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ بھی سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے نامزد کردہ خلیفہ تھے۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی مظلومانہ شہادت کے بعد باغیوں کے گروہ کے لیڈر اشتر نخعی نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑ کر بیعت کر لی اور اس کے بعد دوسرے لوگوں نے بھی بیعت کر لی (البداية والنهاية ۷/۲۲۶) گویا سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی خلافت بھی درحقیقت ایک قسم کی نامزد خلافت تھی کیوں کہ اس میں نہ تو ارباب حل وعقد سے کوئی مشورہ کیا گیا اور نہ کوئی شوریٰ ہی بلائی گئی۔ چنانچہ حافظ ابن کثیرؒ نے لکھا ہے کہ اشتر نخعی اور اس کے ساتھی سیدنا علیؓ کی بیعت کر کے سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس گئے اور ان سے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی بیعت کرنے کے لیے کہا۔ آپ نے فرمایا کہ کیا شوریٰ

نے جمع ہو کر سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی بیعت کرنے کا فیصلہ کیا ہے؟ اس کا یہ لوگ کوئی جواب نہ دے سکے۔ یہی وجہ تھی کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کی آئینی حیثیت آخر وقت تک زیر بحث رہی اور مملکت اسلامیہ کے لوگوں کی ایک کثیر تعداد نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی بیعت نہیں کی تھی۔ (البدایة النهایة ۷/۲۱۳) شام کے پورے صوبے نے آپ کی بیعت سے انکار کیا تھا۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کو ان کا جانشین مقرر کیا گیا۔ اگر شرعی قوانین اور آئین اسلامی کی رو سے بیٹے کو باپ کا جانشین بنانا ناجائز ہوتا تو سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کو اس دور کے ارباب حل وعقد سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا جانشین مقرر نہ کرتے۔ ان لوگوں کو کیوں یہ خیال نہ آیا کہ اس طرح امت ایک غلط راہ پر چل پڑے گی۔ بلکہ روایات میں اس طرح موجود ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے دفن سے فراغت کے بعد خود سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو اپنی بیعت کی طرف دعوت دی۔ اس دعوت پر لوگوں نے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی بیعت کی۔ چنانچہ روایات کے الفاظ ہیں:

((ثم انصرف الحسن بن علی من دفنه فدعا الناس الیٰ بیعته فبایعوه.))

''پھر سیدنا حسن رضی اللہ عنہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی تدفین سے واپس لوٹے۔ پس انہوں نے لوگوں کو اپنی بیعت کی دعوت دی اور انہوں نے ان کی بیعت کی۔''

اس سے معلوم ہوا کہ باپ کی جگہ بیٹے کو امیر اور حاکم بنانا کوئی قابل اعتراض چیز نہیں اور نہ یہ قیصر و کسریٰ کی سنت ہے۔ قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ لوگوں سے فرما گئے تھے کہ میرے بعد حسن (رضی اللہ عنہ) کو خلیفہ بنانا۔ اب زمام خلافت سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے پاس آتی ہے اور تمام امت کا اتفاق ہے کہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ خلیفہ راشد تھے اور خلیفہ راشد کا قول وفعل حجت ہوتا ہے۔ چنانچہ حدیث میں خلیفہ راشد کی اتباع اور اطاعت کا حکم دیا گیا ہے۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((من یعش منکم بعدی فسیریٰ اختلافاً کثیراً فعلیکم بسنتی و سنة الخلفاء الراشدین المهدیین تمسکوا بها و عضوا

علیها بالنواجذ .))

(ترمذی ۲/ ۹۲، ابن ماجہ صفحہ ۵۔ ابوداؤد ۲/ ۲۷۹۔ مسند احمد ۲/ ۲۷۔ مستدرک حاکم ۱/ ۹۵)

''جو شخص میرے بعد زندہ رہا وہ بہت زیادہ اختلاف دیکھے گا، تو تم پر لازم ہے کہ میری اور میرے خلفائے راشدین کی سنت کو، جو ہدایت یافتہ ہیں، مضبوط پکڑو اور اپنی ڈاڑھوں اور کچلیوں سے محکم طور پر اس کو قابو رکھو۔''

اب سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے خود اپنی مرضی سے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو خلیفہ مقرر فرمایا حالانکہ آپ کے تمام ساتھیوں اور اعوان و انصار نے اس بارہ میں آپ کی شدید مخالفت کی۔ خود آپ کے چھوٹے بھائی سیدنا حسین رضی اللہ عنہ نے بڑے سخت الفاظ میں آپ کے اس عمل کی سخت مخالفت کی لیکن آپ نے کسی کی نہ سنی اور خود خلافت سے دست بردار ہو کر سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو خلیفہ مقرر فرمادیا۔ یہ بھی دراصل نامزدگی تھی۔ معلوم ہوا کہ اسلام میں نامزدگی جائز بلکہ مستحسن ہے۔

ان پانچ خلفائے راشدین کے عمل سے یہ معلوم ہوا کہ خلیفہ کا تقرر دو طریقوں سے ہو سکتا ہے:

۱: اہل حل و عقد کی باہمی مشاورت سے۔

۲: خلیفہ کی نامزدگی سے۔

ان دونوں طریقوں کا اسلام میں ایک ہی مقام ہے۔ یہ نہیں کہ نامزد خلیفہ کی حیثیت اسلام میں کم ہے اور شوریٰ سے منتخب شدہ خلیفہ کی زیادہ۔ اگر سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ نامزد کرنے سے پوری امت ان کو خلیفہ تسلیم کر لیتی ہے تو کیا وجہ ہے کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے یزید کو خلیفہ نامزد کرنے سے یزید کو صحیح خلیفہ نہیں مانا جاتا؟ بلکہ الٹا سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو بھی اعتراضات واہیہ کا ہدف بنایا جاتا ہے۔ لیکن روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے یزید کو خلیفہ نامزد نہیں کیا تھا بلکہ خلافت اسلامیہ کے تمام صوبوں سے ارباب حل و عقد کے باہمی مشورہ سے اس کو ولی عہد مقرر کیا تھا۔ ہو سکتا ہے کہ ارباب حل و عقد میں سے ایک دو نے مخالفت بھی کی ہو لیکن ایک دو حضرات کی مخالفت کے باوجود یزید خلیفہ کیوں نہیں ہو سکتا جب کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی کئی ارباب حل و عقد نے بیعت نہیں کی تھی۔

ہوسکتا ہے کہ کوئی یہ کہہ دے کہ خلیفہ کے لیے اہلیت شرط ہے۔ معاویہ رضی اللہ عنہ اہل تھے جب کہ یزید اہل نہیں تھا۔ یہ اعتراض بھی سراسر غلط ہے۔ آخر اہلیت ہے کیا چیز؟ اہلیت نام ہے سیرت میں استقامت، شریعت کی حرمت اور اس کے احکام پر عمل کرنے کا اور لوگوں کے مابین عدل و انصاف اور ان کے مصالح پر نگاہ رکھنے کا، ان کے دشمن کے ساتھ جہاد کرنے اور آفاق عالم میں ان کی دعوت کی نشر و اشاعت کرنے اور ان کے ساتھ انفرادی اور اجتماعی دونوں لحاظ سے نرمی سے پیش آنے کا۔ اہلیت کی تمام خوبیاں اس میں موجود تھیں۔ امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ یزید نہایت بہادر، قوی، صاحب الرائے اور ذہانت و احتیاط اور فصاحت میں ماہر تھا۔ (سیر اعلام النبلاء ٤/٧) اس کی یہ خواہش اور تمنا ہوتی تھی کہ اس کا باپ اس کو موسم گرما کے لشکروں پر امیر مقرر کرے اور وہ اپنی بہادری کے جوہر دکھائے۔ وہ گھوڑوں کو دوڑانے میں بڑی دلچسپی لیتا تھا اور جو اوّل آتے ان کو انعامات سے نوازتا تاکہ یہ گھوڑے ایام جنگ میں مسلمان مجاہدین کے کام آئیں۔ (مواقف المعارضۃ صفحہ ١٣) وہ لشکر جس نے سب سے پہلے قسطنطنیہ کا محاصرہ کیا تھا وہ یزید بن معاویہ کی زیر قیادت تھا۔ صفوان بن عمرو نے ذکر کیا ہے کہ یزید نے رومی اسیروں کے رومیوں کے سامنے سر قلم کیے جب انہوں نے مسلمانوں سے زیادتی کی۔ (تاریخ مدینۃ دمشق نقلاً عن مواقف المعارضۃ صفحہ ٤٧) اور اس کے عزم و بہادری کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا کہ سیدنا ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ قسطنطنیہ کی جنگ کے دوران میں بیمار ہو گئے۔ یزید امیر لشکر ہونے کی حیثیت سے ان کی عیادت کے لیے حاضر خدمت ہوا اور عرض کیا کہ حضرت! کوئی آپ کی حاجت ہو تو فرمائیے؟ انہوں نے فرمایا کہ مجھے قسطنطنیہ کی فصیل کے نیچے دفن کیا جائے۔ چنانچہ جب ان کا انتقال ہوا تو یزید نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی۔ (البدایۃ والنہایۃ ٨/٥٨) ان کی تجہیز و تکفین کے بعد ان کے جنازہ کو اٹھا لیا گیا اور لشکر اسلامی نے دشمن پر حملہ کر دیا۔ قیصر نے یزید کو پیغام بھجوایا کہ اس چارپائی پر کیا ہے جس کو اٹھا کر آپ نے ہم پر حملہ کر دیا ہے۔ یزید نے جواب میں کہلا بھیجا کہ یہ ہمارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی کا جنازہ ہے۔ انہوں نے تمہارے ملک کے اندر لے جا کر دفن کرنے کی خواہش کی تھی۔ ہم ان کی اس خواہش کی تکمیل کر رہے ہیں اگرچہ ہمیں اپنی

جانیں ہی کیوں نہ دینی پڑیں۔(العقد الفرید ۱۳۳/۳) یہ سن کر قیصر نے کہا کہ تمہارے جانے کے بعد ہم ان کی لاش کو نکال کر کتوں کے آگے ڈال دیں گے۔ قیصر کی یہ بات سن کر یزید کو سخت غصہ آیا اور اس نے رومیوں کو مخاطب کر کے کہا!

((یا اھل القسطنطنیه! ھذا رجل من اکابر اصحاب محمد نبینا ﷺ و قد دفن حیث ترون، واللہ ! لئن تعرضتم له لاھدمن من کل کنیسة فی ارض الاسلام ولا یضرب ناقوس بارض العرب ابداً.))

(ناسخ التواریخ جلد ۲، کتاب ۲ صفحه ٦٦۔ الاستیعاب ٦٣٨/٢۔ العقد الفرید ۱۳۳/۳)

''اے قسطنطنیہ کے باشندو! یہ صاحب ہمارے نبی محمد ﷺ کے جلیل القدر صحابی ہیں اور تم دیکھ رہے ہو جہاں ہم نے ان کو دفن کیا ہے۔ اللہ کی قسم! اگر تم نے ان کو کسی قسم کا ضرر پہنچایا تو میں ارض اسلام میں واقع ہر کنیسہ کو منہدم کر دوں گا اور پھر سرزمین عرب میں کبھی ناقوس نہیں بجے گا۔''

بعض روایات میں ہے کہ یزید نے کہا کہ اگر مجھے یہ پتہ چلا کہ تم لوگوں نے ان کی قبر کو کھود کر ان کی لاش کی بے حرمتی کی ہے تو ارض عرب میں ہر نصرانی کو میں قتل کر دوں گا اور ہر کلیسا کو میں منہدم کر دوں گا۔ یہ دھمکی سن کر قیصر نے پیغام بھجوایا کہ میں خود اس کی حفاظت کروں گا۔ (الاستبصار نسب الصحابة من الانصار صفحه ۷۰۔۷۱، للمقدسی)

قیصر نے امیر لشکر یزید بن معاویہ کے منہ سے جب یہ تعریف آمیز کلمات سنے تو وہ مبہوت ہو کر رہ گیا اور اس کو جرأت نہ پڑی کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے اس صحابی کی قبر یا لاش کی توہین کر سکے۔ بلکہ اس نے ان کی قبر پر ایک قبہ بنوا دیا۔(العقد الفرید ۱۳۳/۳) اور رومی ان کی قبر پر جا کر عہد کرتے اور قحط کے زمانہ میں ان کی قبر کے وسیلے سے دعائیں مانگتے۔

(عمدة القاری ١٩٩/٤، طبقات ابن سعد ٥٠/٣۔ البدایة والنهایة ٥٩/٨۔ ابن اثیر ٢٢٨/٣۔ حاضر العالم الاسلامی صفحه ٢١٥)

ان خوبیوں کے علاوہ یزید کرم وجود میں بھی بہت مشہور تھا۔ عبداللہ بن جعفر بن ابی

طالب رضی اللہ عنہما پر اس کے عطیات بارش کی طرح ہر وقت برستے رہتے تھے۔ (انساب الاشراف ۴/۲۹۷) دوست واحباب کی حفاظت اور ان کی عزت وتکریم خلیفہ کے جود وکرم کی مرہون منت تھی۔ عبداللہ بن جعفر طیار رضی اللہ عنہما پر اس کے یہ عطیات انہیں تعجب میں ڈال دیتے اور وہ اسے کہتے کہ میرے ماں باپ تم پر قربان ہوں، اور خدا کی قسم یہ الفاظ میں نے اس سے قبل کبھی کسی کے لیے نہیں کہے۔ اور وہ (عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما) یہ بھی کہا کرتے تھے: ''کیا تم یزید کی حسن رائے کے بارہ میں ملامت کرتے ہو اور اسی طرح اس کے کرم وجود کے بارہ میں بھی؟'' (انساب الاشراف ۱/۲۹۷۔ القید الشرید، ابن طولون صفحہ ۳) اسی طرح عبداللہ بن حنظلہ رضی اللہ عنہ اور ان کے صاحبزادے مدینہ طیبہ سے آتے اور یزید انہیں ایک لاکھ اور ان میں سے ہر ایک کو خلعت فاخرہ کے علاوہ دس ہزار درہم دیتا تھا۔ (تاریخ خلیفۃ صفحہ ۲۳۷۔ البدایۃ والنہایۃ ۱۱/۵۳) اسی طرح اس قسم کے عطیات وہ اکابر کو اکثر و بیشتر دیا کرتا تھا۔

امام ذہبی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ یزید شعر وفصاحت میں بھی باکمال تھا۔ یہ اس زمانہ میں بہت بڑی خوبیاں سمجھی جاتی تھیں۔ ہارون الرشید اکثر اس کے اشعار پڑھا کرتا تھا (البدایۃ والنہایۃ ۱۱/۶۵۵) فصاحت وبلاغت کا یہ حال تھا کہ جب سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس بڑے بڑے خطیب آکر اپنا بیان کرتے تو وہ یزید سے فرماتے ''قم یا یزید تکلم'' یعنی یزید! اٹھو اور تم بھی بیان کرو۔ (سیر اعلام النبلاء ۴/۳۷۔ البیان والتبیین للجاحظ ۱/۱۲۲) مدائنی نے سند کے ساتھ ذکر کیا ہے کہ ایک شخص نے سعید بن مسیبؒ سے پوچھا کہ مجھے بتائیے کہ قریش کے خطیب کون کون سے ہیں؟ انہوں نے جواب دیا: ''معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کا بیٹا یزید، مروان بن حکم اور ان کا بیٹا عبدالملک، سعید بن العاص رضی اللہ عنہ اور ان کا صاحبزادہ، اور ابن زبیر رضی اللہ عنہما بھی ان سے کم نہیں تھے۔ (انساب الاشراف ۴/۲۸۹)

شعر وشاعری میں بھی نہایت اعلیٰ مقام کا حامل تھا (مواقف المعارضۃ صفحہ ۴۹) اور لوگ اکثر یہ کہا کرتے تھے کہ شعر بادشاہ سے شروع اور بادشاہ پر ہی ختم ہوگیا اور ان کی اس سے مراد امرؤالقیس اور یزید ہوتے تھے۔ (الفخری فی الآداب السلطانیۃ صفحہ ۱۱۳، طبا طبا) یہ تو اندرونی خوبیاں تھیں۔ ظاہری خوبیاں بھی اللہ تعالیٰ نے بہت رکھی تھیں۔ لہٰذا مورخین نے

لکھا ہے "وبالجملہ کان جمیلا" یعنی وہ بالجملہ خوب صورت تھا۔

(سیر اعلام النبلاء ٣٧/٤۔ البدایۃ والنھایۃ ٦٣٨/١١)

مختصر یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اہلیت امیر کی خوبیوں سے انہیں نوازا ہوا تھا۔ بہادری میں 'فتی العرب" (عرب کا بہادر) کا لقب حاصل کیا ہوا تھا۔ (ہسٹری آف دی عربز، ہٹی صفحہ ٢٠١) نیکو کاری اتنی کہ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بھی اس کے معترف تھے۔ چنانچہ عامر بن مسعود جمحی فرماتے ہیں کہ جب قاصد سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے انتقال پرملال کی خبر لے کر آیا تو ہم اس وقت مکہ مکرمہ میں تھے۔ ہم سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس گئے، وہ بھی اس وقت مکہ مکرمہ میں تھے۔ اس وقت ان کے پاس کچھ لوگ بیٹھے ہوئے تھے اور دستر خوان بچھ چکا تھا لیکن ابھی کھانا نہیں آیا تھا۔ ہم نے ان سے عرض کیا "اے ابن عباس! قاصد سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے انتقال کی خبر لے کر آیا ہے۔" آپ یہ اندوہ ناک خبر سن کر کافی دیر خاموش رہے پھر فرمایا:

((اللھم اوسع لمعاویۃ، اما واللہ ما کان مثل من قبلہ ولایاتی بعدہ مثلہ و ان ابنہ یزید لمن صالحی اھلہ، فالزموا مجالسکم واعطوا طاعتکم و بیعتکم.))

(انساب الاشراف الجزاء الرابع صفحہ ٤، الامامۃ والسیاسۃ ٢١٣/١)

"اے اللہ! معاویہ رضی اللہ عنہ کے لیے اپنی رحمت کو وسیع فرما دے۔ بخدا! وہ پہلوں کی طرح نہیں تھے اور ان کے بعد ان جیسا کوئی نہیں آئے گا، اور بلاشبہ یزید ان کے خاندان کے صالحین میں سے ہے۔ لہٰذا تم اپنی اپنی جگہ بیٹھے رہو اور اپنی اطاعت اور بیعت اسے دے دو۔"

صاحب الامامہ والسیاسہ نے سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا ایک اور قول نقل کیا ہے کہ انہوں نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے انتقال کی خبر سن کر یوں فرمایا:

"وہ ایک پہاڑ تھا جو ہلا، پھر سینے کے بل آ رہا۔ کیا واقعی ایسا نہیں ہے کہ وہ اپنے پہلوں جیسا نہیں تھا اور ان کے بعد ان جیسا کوئی نہیں ہو گا۔ بخدا! ان کا بیٹا (یزید) ان کے گھرانے میں سب سے بہتر ہے۔

(واللہ! ان ابنہ لخیر اھلہ)۔" (الامامۃ والسیاسۃ ٢١٣/١)

علم وفضل میں یہ مقام تھا کہ ایک مرتبہ ترجمان القرآن سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس تشریف لے گئے اور اس مجلس میں یزید بھی آ کر بیٹھ گیا۔ جب یزید اٹھ کر چلا گیا تو سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

((اذا ذهب بنو حرب ذهب علماء الناس.)) (البداية والنهاية ٨/ ٢٢٨)

''جب بنوحرب اٹھ گئے تو لوگوں کے صاحب علم اٹھ جائیں گے۔''

اتباع سنت اور نیکی کی لگن اور صوم وصلوٰۃ کی پابندی پر سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے بھائی اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے سیدنا محمد بن حنفیہؒ کی گواہی کافی ہے۔ جب عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے داعی عبداللہ بن مطیع اپنے ساتھیوں کے ساتھ محمد [1] بن حنفیہؒ کی خدمت میں آئے اور ان کو یزید

---

[1] محمد بن حنفیہؒ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے تھے اور سیدنا حسن اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے سوتیلے بھائی تھے۔ ان کی والدہ کا نام خولہ تھا جو بنی حنفیہ کی ایک معزز خاتون تھیں۔ محمدؒ سیدنا فاروق اعظمؓ کے عہد خلافت میں پیدا ہوئے یعنی ۲۱ یا ۲۲ھ میں۔ (ابن خلکان ١/ ٤٥٠) آپ نہایت بہادر اور شجاع تھے۔ جنگ جمل میں ۱۵ یا ۱۶ برس ان کی عمر تھی اور علوی فوج کے علم بردار تھے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اپنی شہادت کے وقت سیدنا حسن اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہما کو ان کے بارے میں خاص وصیت فرمائی۔ (ابن اثیر ٣/ ٢٢٩) ان دونوں بھائیوں نے باپ کی وصیت پر پورا پورا عمل کیا اور محمد بن حنفیہ رحمہ اللہ سے نہایت شفقت آمیز سلوک کیا۔ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد یزید کی بیعت کے سلسلہ میں انہوں نے سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کو بڑے مفید مشورے دیے لیکن کچھ مشوروں پر سیدنا حسین رضی اللہ عنہ نے عمل نہ کیا۔ کوفہ جانے کے معاملہ میں سیدنا محمد بن حنفیہ رحمہ اللہ نے اپنے بھائی سیدنا حسین رضی اللہ عنہ سے اختلاف کیا۔ اس معاملہ میں وہ اکیلے نہ تھے بلکہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے پندرہ صاحبزادوں میں سے جو اس وقت زندہ تھے، گیارہ نے آپ کے ساتھ کوفہ جانے سے انکار کر دیا۔ ان میں سے ایک محمد بن حنفیہ بھی تھے۔ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ ان کے علم وفضل اور شجاعت و بہادری کے بہت قائل تھے، لہٰذا آپ نے ان پر ساتھ چلنے کے لیے بہت زور ڈالا اور یہاں تک کہا کہ اگر آپ ساتھ نہیں چلتے تو اپنے بچوں ہی کو میرے ساتھ چلنے کی اجازت دیں لیکن آپ نے صاف انکار کر دیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ آپ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے اس موقف کو درست نہیں سمجھتے تھے۔ (البداية النهاية ٨/ ١٦٥) یزید کے عہد خلافت میں آپ نے اس کے ہاتھ پر اسی طرح بیعت کی تھی جس طرح عبداللہ بن عمر اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے کی تھی۔ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد جب عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے خلافت کا دعویٰ کیا تو محمد بن حنفیہ رحمہ اللہ، عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے ان کی بیعت کرنے سے انکار کر دیا۔ سنہ ۸۱ھ میں آپ نے وفات فرمائی اور جنت البقیع میں دفن ہوئے۔ آپ علم وفضل میں ایک بلند مقام کے مالک تھے۔ ابن حبان فرماتے ہیں کہ وہ اپنے خاندان میں فاضل ترین آدمی تھے۔ (تهذيب التهذيب ٩/ ٣٥٥) علامہ خیر الدین زرکلی نے ان کا اپنا ایک قول نقل کیا ہے کہ:

((الحسن و الحسين افضل منى و انا اعلم منهما)) (الاعلام ٧/ ١٨٢)

علم حدیث میں سیدنا علی، سیدنا عثمان اور دوسرے کئی ایک صحابہ جیسے معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہم سے استفادہ کیا بعض محدثین کے نزدیک سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی مستند ترین روایات انہی سے مروی ہیں۔ (تهذيب التهذيب ٩/ ٤٥٤)

کی بیعت توڑنے کے لیے کہا، لیکن سیدنا محمد بن حنفیہ رحمۃ اللہ علیہ نے ان کا ساتھ دینے سے انکار کر دیا۔ اس پر عبداللہ بن مطیع نے کہا کہ حضرت! آپ اس کی بیعت کیوں نہیں توڑتے جب کہ یزید شراب پیتا ہے، نماز کا تارک ہے اور کتاب اللہ کے احکام توڑتا ہے۔ اس کے جواب میں محمد بن حنفیہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

((ما رأيت منه ما تذكرون، و قد حضرته و اقمت عنده فرأيته مواظباً على الصلاة، متحرياً للخير، يسأل عن الفقه، ملازماً للسنة .)) (البداية والنهاية ٨/٢٣٢۔ تاریخ الاسلام، ذهبی ٣/٩٣)

''جو کچھ تم ذکر کرتے ہو وہ باتیں میں یزید میں نہیں دیکھتا۔ میں وہاں (کئی روز تک) اقامت پذیر رہا ہوں۔ میں نے اس کو نماز کی پابندی کرنے والا، نیکی کا متلاشی، دینی اور فقہی مسائل پر گفتگو کرنے والا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر پابندی سے عمل کرنے والا دیکھا ہے۔''

عبداللہ بن مطیع اور اس کے ساتھی کہنے لگے! ''حضرت! وہ یہ سب کچھ آپ کو دکھانے کے لیے کرتا ہوگا۔'' آپ نے فرمایا: ''اسے مجھ سے کیا خوف اور لالچ تھا جو وہ میرے سامنے اس اس طرح کرتا۔ تم جو شراب کی بات کرتے ہو تو کیا اس نے تم کو شراب دکھا کر پی تھی؟ اگر دکھا کر پی تو تم بھی اس گناہ میں اس کے ساتھ برابر کے شریک ہو، اور اگر تمہیں دکھا کر نہیں پی تو جس شے کا تمہیں علم نہیں اس کے متعلق تمہیں شہادت دینا جائز نہیں۔'' وہ بولے! ''اگرچہ ہم نے اس کو شراب پیتے نہیں دیکھا لیکن یہ بات ہے سچی۔'' آپ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ شہادت دینے والوں کی یہ بات تسلیم نہیں کرتا۔''

﴿إِلَّا مَنْ شَهِدَ بِالْحَقِّ وَهُمْ يَعْلَمُونَ﴾

''ہاں جو گواہی دیں علم و یقین کے ساتھ دیں۔''

اور میں تمہاری کسی بات میں شریک نہیں ہوں۔

انہوں نے کہا کہ شاید آپ اس بات کو ناپسند فرماتے ہیں کہ حکومت کسی اور کو ملے تو آیئے ہم آپ کے ہاتھ پر بیعت کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ میں تمہارے مقصد کے لیے

جنگ کرنا جائز نہیں سمجھتا، نہ کسی کا تابع ہو کر اور نہ متبوع ہو کر۔ انہوں نے کہا کہ آپ اس سے قبل اپنے والد کے ساتھ مل کر جو جنگ کر چکے ہیں؟ آپ نے فرمایا: ''تم میرے باپ جیسا کوئی شخص اور جن سے انہوں نے جنگ کی تھی، ان جیسے لوگ تو لا کر دکھاؤ، پھر میں بھی تمہارے ساتھ مل کر جنگ کر لوں گا۔'' وہ بولے! ''اگر آپ شریک جنگ نہیں ہونا چاہتے تو اپنے دونوں صاحبزادوں ابوالقاسم اور قاسم ہی کو حکم فرما دیں کہ وہ ہمارے ساتھ مل کر جنگ کریں۔'' آپ نے جواباً فرمایا: ''اگر انہیں حکم دوں تو یہ بھی تو خود جنگ کرنے کے مترادف ہے۔'' انہوں نے کہا: ''تو پھر ہمارے ساتھ مل کر دوسروں کو جنگ و قتال پر آمادہ کیجیے۔'' آپ نے فرمایا: ''سبحان اللہ! کیا میں لوگوں کو اس چیز کا حکم دوں جس کو نہ میں خود کرنا چاہتا ہوں اور نہ پسند کرتا ہوں، اس طرح تو میں اللہ کے بندوں کو نصیحت کرنے والا نہیں ہوں گا۔'' وہ بولے: ''ہم آپ کو اس بات پر مجبور کریں گے۔'' آپ نے فرمایا: ''پھر میں لوگوں کو اللہ سے ڈرنے کا حکم دوں گا اور کہوں گا کہ لوگو! اللہ کو ناراض کر کے مخلوق کو راضی کرنے کی ہرگز کوشش نہ کرنا۔'' پھر آپ مکہ مکرمہ تشریف لے گئے۔ (تاریخ الاسلام للذهبی ۹۳/۳۔ البدایة والنهایة ۲۳۳/۸۔ انساب الاشراف ۱۱۸/۳۔ وذکر الدکتور عبدالعزیز دخان ان السند صحیح لأنه من طریق صخر بن جویریة و هو من الثقات عن نافع، احداث و احادیث صفحه ۲۰۳)

محمد بن حنفیہ رحمۃ اللہ علیہ خاندان اہل بیت کے ایک ممتاز فرد کی یہ شہادت یزید کی زندگی کے تمام گوشوں کو اجاگر کر دیتی ہے، اور یہ واقعہ ہے بھی سانحہ کربلا کے بعد کا جو اس بات کی شہادت ہے کہ یزید کی اپنے معاصرین کے قلوب میں کس قدر محبت و عظمت تھی اور اس سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ واقعہ کربلا میں یزید کا کوئی دخل نہیں تھا۔ وگرنہ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے بھائی محمد بن حنفیہ رحمہ اللہ یزید کے خلاف بات کرنے والوں کو یہ جواب نہ دیتے۔

اسی قسم کا ایک اور واقعہ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا صحیح مسلم میں درج ہے کہ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما یزید بن معاویہ کی بیعت میں کس قدر مخلص اور اس کی بیعت توڑنے والوں کے کس قدر مخالف تھے۔ مدینہ منورہ میں عبداللہ بن مطیع اور عبداللہ بن حنظلہ یزید کے خلاف بغاوت کرنے والوں کی قیادت کر رہے تھے۔ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو جب اس بات کا پتہ چلا تو

آپ فوراً عبداللہ بن مطیع کے پاس گئے۔ وہ انہیں دیکھ کر اپنے ساتھیوں سے کہنے لگے کہ ابو عبدالرحمٰن (سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی کنیت ہے) کے لیے مسند بچھاؤ۔ آپ نے فرمایا کہ میں آپ کے پاس بیٹھنے کے لیے نہیں آیا بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث سنانے کے لیے آیا ہوں جو میں نے آپ سے سنی ہے۔ یہ کہہ کر آپ نے وہ حدیث سنائی:

((یقول من خلع یده من طاعة لقی الله یوم القیامة لاحجة له، ومن مات و لیس فی عنقه بیعة مات میة جاهلیة.))

(بخاری کتاب الفتن باب ۲۱، مسلم ۲/۱۳۶)

"جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ جو شخص عہد اطاعت کو توڑ دے وہ قیامت کے روز اللہ رب العزت سے اس حال میں ملے گا کہ اس کے پاس کوئی حجت نہیں ہوگی، اور جو شخص اس حال میں مر گیا کہ اس کی گردن میں کسی (خلیفہ) کی بیعت نہ ہو وہ جاہلیت کی موت مرا۔"

بخاری میں ایک روایت سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے بارہ میں مروی ہے کہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما اور ان کے داعیین کے کہنے پر جب مدینہ کے لوگوں نے یزید کی بیعت توڑ دی تو اس وقت سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے یزید کی بیعت توڑنے والوں کے اس اقدام کی شدید مخالفت کی اور آپ نے اپنے اہل و عیال اور خاندان والوں کو اکٹھا کر کے فرمایا کہ میں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے:

"قیامت کے روز ہر عہد توڑنے والے کے لیے ایک جھنڈا نصب کیا جائے گا۔ ہم نے اس شخص (یزید) کی بیعت اللہ اور اس کے رسول کے نام پر کی ہے اور میں اس سے زیادہ بدعہدی اور کوئی نہیں سمجھتا کہ ایک شخص اللہ اور اس کے رسول کے نام پر کسی کی بیعت کرے اور پھر اس کے خلاف اٹھ کھڑا ہو، اور سنو! اگر مجھے تم میں سے کسی کے بارہ میں یہ پتہ چلا کہ اس نے اس (یزید) کی بیعت توڑ دی ہے یا بیعت توڑنے والوں کے پیچھے لگ گیا ہے تو میرے اور اس کے درمیان کوئی تعلق نہیں رہے گا۔" (بخاری ۲/۱۰۵۳۔ الفقهاء و الخلفاء صفحه ۶۰)

اس زمانہ میں یہ معاملہ صرف عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ہی کے ساتھ مخصوص نہیں تھا بلکہ اہل بیت نبوت کے تمام لوگ یزید کی بیعت پر قائم رہے اور بیعت توڑنے والوں کی برابر مخالفت کرتے رہے۔ چنانچہ حافظ ابن کثیرؒ نے لکھا ہے کہ:

((کان عبداللہ بن عمر بن الخطاب و جماعات اھل بیت النبوۃ ممن لم ینقض العھد ولا بایع احدا بعد بیعۃ یزید...... ولم یخرج احد من آل ابی طالب ولا بنی عبدالمطلب ایام الحرۃ .)) (البدیۃ النھایۃ ۸/۲۳۲)

''سیدنا عبداللہ بن عمر بن خطاب رضی اللہ عنہما اور اہل بیت نبوت ان لوگوں میں سے ہیں جنہوں نے یزید کی بیعت کو نہیں توڑا تھا اور نہ یزید کی بیعت کے بعد کسی اور کی بیعت کی۔ آل ابی طالب اور بنو مطلب میں سے کسی نے ایام حرہ میں یزید کے خلاف خروج نہیں کیا۔''

علی بن حسین بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہما نے بھی اہل مدینہ کے ساتھ یزید کے خلاف خروج نہیں کیا تھا بلکہ یزید کی طاعت کو لازم قرار دیا۔ (مواقف المعارضۃ صفحہ ۴۵۸) علی بن الحسین (سیدنا زین العابدینؒ) کی شخصیت وہ ہے جن کے بارہ میں زہری نے کہا ہے کہ وہ اہل بیت میں سے اس زمانہ میں سب سے افضل تھے۔ چنانچہ میں نے اہل بیت میں سے ان سے زیادہ افضل اور کسی کو نہیں پایا۔ (لم ادرك من آل البیت افضل من علی بن الحسین) (تاریخ ابن عساکر ۱۲/ ۳۵۔ مواقف المعارضۃ صفحہ ۴۵۸) اسی طرح سیدنا عبداللہ بن عباسؓ جو فقیہ امت اور قرآن و سنت کے بہت بڑے عالم اور حبر الامت تھے، انہوں نے بھی بیعت توڑنے میں اہل مدینہ کی تائید نہیں کی۔ یہ سب لوگ اپنے زمانہ میں اہل بیت نبوت کے افضل ترین لوگ تھے، لیکن پھر بھی انہوں نے یزید کے خلاف خروج میں کوئی حصہ نہیں لیا۔ (مواقف المعارضۃ صفحہ ۴۵۸)

خلاصہ یہ کہ ان تمام روایات سے معلوم ہوا کہ یزید میں اہلیت کی تمام خوبیاں پائی جاتی تھیں۔ شجاعت، جانبازی، حسن معاشرت، نظم مملکت میں صائب الرائے وغیرہ ہر خوبی اس

میں پائی جاتی تھی۔ (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو تاریخ الاسلام، ذھبی ۹۳/۲) باپ نے حسن تربیت سے وہ تمام خوبیاں بیٹے میں پیدا کیں جو نظم مملکت چلانے کے لیے ضروری ہوتی ہیں۔ حکومت کے لیے زہد و اتقاء کی اتنی ضرورت نہیں ہوتی (اگرچہ خلیفہ وقت میں زہد و اتقاء کا پایا جانا بھی ضروری ہے) جتنی انتظامی امور میں صلاحیت اور عزم و شجاعت، دانائی و حکمت کی ضرورت اور اہلیت ضروری ہے۔ یہی وجہ تھی کہ امت میں سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے زیادہ بھی زاہدان شب زندہ دار، صائم الدہر اور سنت نبوی کے متبع موجود تھے لیکن کاروبار حکومت چلانے کے لیے جو خوبیاں اللہ تعالیٰ نے ان میں ودیعت فرمائی تھیں وہ نہ تو مسیح الاسلام سیدنا ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ جیسے زاہد شب زندہ دار میں اور نہ قرآن کو بہترین انداز میں پڑھنے والے سیدنا ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ میں، نہ ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ جیسے ''امین الامت'' میں اور نہ سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ جیسے ''سیف من سیوف اللہ'' میں پائی جاتی تھیں۔ کاروبار حکومت میں ''اشد فی امر اللہ'' کی ضرورت ہوتی ہے۔ خود سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں آپ سے زیادہ افضل صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین موجود تھے لیکن کاروبار حکومت چلانے کے لیے جن صفات کی ضرورت ہوتی ہے وہ کسی اور میں نہیں تھیں۔ حکومت چلانے کی خوبیوں کے لیے شام کی گورنری کا بیس سالہ تجربہ بھی ایک بہت بڑی خوبی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے جب کاروبار خلافت ان کے سپرد کیا تو تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین جن میں عشرہ مبشرہ کے کئی حضرات بھی شامل تھے، اور بیعت عقبہ اور بیعت رضوان کے سند یافتہ بھی، ان سب نے بے چون و چرا ان کی بیعت فرمالی اور کسی نے بھی ان پر معمولی سا اعتراض نہیں کیا۔ خود سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنی اس حیثیت کا اعلان ان الفاظ میں فرمایا، آپ نے لوگوں کو مخاطب کر کے فرمایا:

''اے لوگو! میں تم میں سے سب سے بہتر نہیں ہوں بلکہ تم میں عبداللہ بن عمر اور عبداللہ بن عمرو (رضی اللہ عنہما) جیسے کئی حضرات مجھ سے افضل ہیں، لیکن امید ہے کہ کاروبار خلافت چلانے کے اعتبار سے ان سب سے زیادہ تمہارے لیے سود مند ثابت ہوں گا، اور تمہارے دشمنوں کے لیے زیادہ تکلیف دہ اور مالی لحاظ سے زیادہ نفع بخش ثابت ہوں گا۔'' (البدایة والنهایة ۸/۱۳۴)

معلوم ہوا کہ کاروبار حکومت چلانے کی الگ صفات ہیں جو بعض دفعہ بڑے بڑے صاحب تقویٰ بزرگوں میں بھی نہیں پائی جاتیں۔ سیدنا ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کا زہد و تقویٰ میں کس قدر بلند مقام تھا کہ خود جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ میری امت میں ابوذر غفاری میں عیسیٰ ابن مریم جیسا زہد ہے۔ (اسد الغابة ۱۸۷/۸) اور یہ زہد کوئی چند روزہ نہیں تھا بلکہ شروع سے آخر تک ایک ہی طرح کا رہا۔ (الاصابة ۶۲/۷) علم کا یہ حال کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ جیسے علم و عمل کے مجمع البحرین آپ کے بارہ میں فرمایا کرتے تھے کہ ابوذر رضی اللہ عنہ نے اتنا علم محفوظ کر لیا ہے کہ لوگ اس کے حاصل کرنے سے عاجز ہیں، اور اس ہتھیلی کو اس طرح بند کر دیا ہے کہ اس میں کچھ بھی کم نہ ہوا۔ (الاستیعاب ۶۶۵/۲) سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ جیسے ''اشد فی امر اللہ'' آپ کے بارہ میں فرماتے تھے کہ ابوذر رضی اللہ عنہ کا علم عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے برابر ہے۔ (تذکرة الحفاظ ۱۵/۱) اور وہ خود اپنے بارہ میں فرمایا کرتے تھے کہ میں ہر شے کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کرتا تھا حتیٰ کہ کنکری کے متعلق بھی پوچھتا تھا۔

(مسند احمد ۱۶۳/۵)

لیکن یہی ابوذر رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ امارت کی خواہش کرتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ''ابوذر! امارت کا بار بہت گراں اور بھاری ہے اور تم کمزور و ناتواں ہونے کی وجہ سے اس گراں بار کے متحمل نہیں ہو سکتے جس سے قیامت کے روز سوائے ندامت اور رسوائی کے اور کچھ حاصل نہیں ہو سکتا۔ (طبقات ابن سعد ۱۷۰/٤) ایک اور روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ابوذر! اگر دو آدمیوں پر بھی تمہیں امیر مقرر کیا جائے تو اسے قبول نہ کرنا۔''

خلاصہ یہ کہ یزید میں کاروبار خلافت چلانے کی اہلیت موجود تھی کیوں کہ اس نے بچپن ہی سے امارت اور قیادت کے سائے میں تربیت حاصل تھی اور کئی سال تک تجرباتی میدان میں بھی سرگرم عمل رہا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ جب ولی عہدی کے لیے اس کا نام تجویز کیا گیا تو سب نے بلا اختلاف اس کو قبول کر لیا۔ چنانچہ علامہ ابن خلدون نے لکھا ہے کہ:

''یزید کی ولی عہدی کے اتفاقی مسئلہ سے اگر کسی نے اختلاف کیا تو وہ ابن زبیر رضی اللہ عنہما تھے اور اجماع اور اتفاق کے مقابلہ میں شاذ و نادر اختلاف کی کوئی

وقعت نہیں ہوتی۔" (مقدمة ابن خلدون صفحه ۲۴۱)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی کثیر تعداد نے جو حجاز، شام، بصرہ اور کوفہ میں تھی یزید کے خلاف خروج نہیں کیا۔ اس سلسلہ میں صاحب اتمام الوفاء نے لکھا ہے:

((وقد كان في ذالك العصر كثير من الصحابة بالحجاز و الشام و البصرة والكوفة ومصر و كلهم لم يخرج على يزيد ولا وحده ولا مع الحسين.)) (اتمام الوفاء فی سیرة الخلفاء صفحه ۱۴)

"اس زمانہ میں کثیر التعداد صحابہ شام، حجاز، بصرہ، کوفہ اور مصر میں موجود تھے۔ ان میں سے کسی نے بھی یزید کے خلاف خروج نہیں کیا۔ نہ تو از خود اور نہ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ ہی کی معیت میں۔"

ہاں اس زمانہ میں ایک صحابی ایسے تھے جو جہانبانی اور امور مملکت کے اصولوں سے بخوبی واقف اور آشنا تھے، اور وہ تھے فاتح ایران سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ جو عشرہ مبشرہ میں سے تھے۔ لیکن وہ ان دنوں اپنی زندگی کی بالکل آخری منزلوں میں تھے اور سیاسی دنیا سے ریٹائرڈ ہو کر بالکل گوشہ نشین ہو چکے تھے، لہٰذا ان کی نامزدگی کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا۔

متذکرہ بالا بحث کی روشنی میں یہ بات ذہن میں رہے کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ یزید کو اپنا جانشین نامزد کرتے وقت پوری دیانت داری اور نیک نیتی سے یہ سمجھتے تھے کہ یزید خلافت کا اہل ہے۔ اگر وہ اس کو اہل نہ سمجھتے تو اس کو کبھی اپنا ولی عہد مقرر نہ فرماتے۔ چنانچہ جب انہوں نے یزید کو ولی عہد مقرر کیا تو سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے سیدنا سعید بن عثمان نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے یہ شکایت کی کہ "آپ نے یزید کو ولی عہد بنا دیا جب کہ میرا باپ اس کے باپ سے اور میری ماں اس کی ماں سے اور خود میں اس سے افضل ہوں۔" اس پر سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ "خدا کی قسم! تمہارے والد مجھ سے بہتر اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ قریب تھے۔ تمہاری ماں بھی یزید کی ماں سے افضل ہے۔ لیکن جہاں تک یزید کا تعلق ہے، اگر تمام غوطہ تم جیسے آدمیوں سے بھر جائے تو بھی یزید تم سے بہتر اور زیادہ محبوب ہوگا۔" سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ان الفاظ سے صاف پتہ چلتا ہے کہ وہ کسی ذاتی برتری کے تصور

یا رشتے کی وجہ سے یزید کو افضل نہیں سمجھ رہے تھے بلکہ ان کی دیانت دارانہ رائے یہی تھی اور یہ سب کچھ انہوں نے خلوص نیت، مسلمانوں کی خیر خواہی اور یزید کی اہلیت اور اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے اسے اپنا ولی عہد بنایا تھا۔ صرف محبت پدری کی بنا پر یہ سب کچھ نہیں کیا تھا۔ اس کا ثبوت آپ کی اس دعا سے بھی ملتا ہے جو آپ نے یزید کی ولایت عہد کی بیعت کے خاتمہ پر اللہ تعالیٰ کے حضور مانگی تھی۔ آپ نے کہا تھا:

((اللھم ان کنت عھدت لیزید لما رأیت من فضله فبلغه ما املت و اعنه، وان کنت انما حملنی حب الوالد لولده وانه لیس لما صنعت به اھلا فاقبضه قبل ان یبلغ لذالك.))

(تاریخ الاسلام، ذھبی، ۲/۲۶۰۔ تاریخ الخلفاء، سیوطی صفحه ۱۵۷)

''اے اللہ! اگر میں نے یزید کو اس کے فضل و کمال کی وجہ سے اپنا ولی عہد بنایا ہے تو اسے اس عظیم مرتبہ اور کمال تک پہنچا دے جس کی میں نے اس کے لیے امید کی ہے اور اس کی (اپنے فضل و کرم سے) اعانت فرما۔ اور اگر اس بات پر مجھے اس محبت نے آمادہ کیا ہے جو ایک باپ کو اپنے بیٹے سے ہوتی ہے اور درحقیقت یہ اس منصب کا اہل نہیں ہے تو اس کے اس منصب خلافت تک پہنچنے سے پہلے ہی اس کو موت دے دے۔''

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے آپ کی اس دعا کو ان الفاظ میں نقل کیا ہے:

((اللھم ان کنت تعلم انی ولیته لانه فیما اراه اھل لذالك فاتمم له ما ولّیته وان کنت ولیته لانی احبه فلا تتمم له ما ولیته.)) (البداية والنهاية ۸/۸۰)

''اے اللہ! تو جانتا ہے کہ اگر میں نے یزید کو اس کی اہلیت کی وجہ سے ولی عہد بنایا ہے تو اس کی ولی عہدی اور خلافت کو پایہ تکمیل تک پہنچانا، اور اگر میں نے صرف محبت پدری کے تحت ایسا کیا ہے تو اس کی ولی عہدی کو ہرگز پایہ تکمیل تک نہ پہنچانا۔''

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی اس دعا پر غور کرنے کے بعد صاف معلوم ہوتا ہے کہ یزید کی ولی عہدی ہرگز محبت پدری کے تحت نہ ہوئی تھی بلکہ اس کی اہلیت اور صلاحیت کی وجہ سے ہوئی تھی۔ وگرنہ کوئی باپ بھی اپنے بیٹے کے لیے اس قسم کی دعا جمعہ کے روز منبر پر کھڑے ہو کر نہیں کر سکتا۔ اصل بات یہ ہے کہ یزید کے عہد خلافت میں کربلا کا جو المناک سانحہ واقع ہوا، اس نے اس کی تمام خوبیوں پر مٹی ڈال دی ہے۔ جس وقت یزید کو ولی عہد بنایا جا رہا تھا اس وقت کربلا کا سانحہ واقع نہیں ہوا تھا۔ اسی وجہ سے جلیل القدر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین اور تابعین نے اس کی ولی عہدی کو قبول کیا تھا اور اس کے خلیفہ ہونے پر اس کی بیعت کی تھی۔

اس سلسلہ میں ایک سوال اور پیدا کیا جا سکتا ہے کہ اسلام میں ولی عہدی اور نامزدگی نہیں ہے اور اگر ہے تو کیا بیٹے کو ولی عہدی یا خلافت کے لیے نامزد کیا جا سکتا ہے؟ اس سوال کے پہلے حصے کہ ''اسلام میں ولی عہدی ہے ہی نہیں'' کا جواب مورخ اسلام علامہ ابن خلدون نے اپنے مقدمہ میں دیا ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ اسی کو نقل کر دیا جائے۔ ابن خلدون فرماتے ہیں:

> ''امام ولی امت ہوتا ہے اور اس کا امین بھی، جو اپنی پوری زندگی میں اپنے فرائض اور ذمہ داریوں کا لحاظ رکھتا ہے اور اس کے مرنے کے بعد جو حالات پیش آنے والے ہوتے ہیں اس کا انتظام بھی حسب طاقت زندگی ہی میں کر جاتا ہے۔ وہ یہ کہ مثلاً امت کی غور و پرداخت کے لیے اپنا ایک ایسا جانشین مقرر کر جاتا ہے جس پر امت کو ایسا ہی اعتماد اور بھروسہ ہوتا ہے جس طرح اس پر تھا، اور شریعت میں اجماع امت سے اس عمل (ولی عہد مقرر کرنے) کا جواز ثابت ہے کیوں کہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے اجتماع میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو اپنا جانشین اور ولی عہد مقرر کیا تھا جس کو تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے جائز رکھا اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی اطاعت و پیروی اپنے اوپر لازم قرار دی۔ اسی طرح سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی وفات سے قبل ولی عہدی کے مسئلہ کو عشرہ مبشرہ میں سے چھ صحابہ کی صواب دید پر چھوڑا اور ان کو اختیار دیا کہ وہ اپنے میں سے مسلمانوں کے لیے کوئی بھی امام منتخب کر لیں۔ ان صحابہ رضی اللہ عنہم نے مسئلہ انتخاب کو ایک

دوسرے پر ٹالا۔ آخر اس انتخاب کا سہرا سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے سر بندھا۔ آپ نے غور و فکر کر کے مسلمانوں کی دلی منشاء معلوم کی تو سب کا دل سیدنا عثمان اور سیدنا علی رضی اللہ عنہما کی طرف جھکا ہوا پایا۔ اس لیے انہوں نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے بیعت کر لی، کیونکہ سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ خود بھی سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے پیش آمدہ معاملات میں اپنے اجتہاد کو چھوڑ کر اتباع شیخین کو لازم سمجھتے تھے، لہٰذا سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت سب کو تسلیم ہوئی اور وہ خلیفہ مان لیے گئے اور ان کی اطاعت واجب سمجھ لی گئی۔ اب جس مجمع میں یہ مسئلہ انتخاب طے پایا اس میں وہ سب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین موجود تھے جو شیخین سے بیعت کر چکے تھے۔ ان میں سے کسی نے اس مسئلہ ولی عہدی اور جانشینی پر اعتراض نہیں کیا بلکہ خاموش رہے۔ اس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ وہ باتفاق رائے اس طریق جانشینی کے جواز کے قائل تھے اور اس کی مشروعیت کو پہلے ہی جانتے تھے، اور یہ بات معلوم ہو ہی گئی کہ اجماع شرعی مسائل کے لیے حجت مانا گیا ہے۔" (مقدمة ابن خلدون ص ٢٤٠)

یہی بات قاضی ابویعلی نے اس مسئلہ کے بارہ میں لکھی ہے جس کا حوالہ گزشتہ صفحات میں دیا گیا ہے۔ (ملاحظہ ہو: الاحکام السطانية صفحه ٩)

علامہ ابن حزم رحمہ اللہ نے تو صاف اور واضح الفاظ میں لکھا ہے کہ نصب خلافت کے لیے اسلام میں بہترین طریقہ نامزدگی ہی ہے کیوں کہ اس سے بہت ساری خرابیوں کا قلع قمع ہو جاتا ہے۔ علامہ فرماتے ہیں:

((فوجدنا عندنا عقد الامامة يصح بوجوه! اوّلها و اصحها ان يعهد الامام الميت الیٰ انسان يختاره اماماً بعد موته و سواء فعل ذالك فی صحته او فی مرضه او عند موته، اذ لا نص ولا اجماع علی المنع عن عهد هذه الوجوه كما فعل رسول الله ﷺ بابی بكر و كما فعل ابوبكر بعمر و كما فعل سليمان بن عبدالملك بعمر بن عبدالعزيز، وهذ هو الوجه الذی

نختاره ونكره غيره لما في هذه الوجه من اتصال الامامة و انتظام امر الاسلام واهله و رفع ما يتخوف من الاختلاف والشغب مما يتوقع في غيره من بقاء الامة فوضى و من انتشار الامر و ارتفاع النفوس وحدوث الاطماع .))

(الفصل فی الملل والنحل ۴/ ۱۶۹)

''پس ہمارے نزدیک امامت اور خلافت کا انعقاد کئی صورتوں سے صحیح ہوسکتا ہے ان میں سب سے پہلی صورت اور سب سے افضل اور سب سے زیادہ صحیح صورت یہ ہے کہ مرنے والا خلیفہ اپنی مرضی سے کسی کو اپنی موت کے بعد خلیفہ مقرر کر جائے۔ اس نامزدگی میں یہ برابر ہے کہ وہ اپنی حالت صحت میں اس کو نامزد کرے یا اپنی بیماری میں اور یا اس دنیا سے رحلت کرتے وقت کیوں کہ نص اور اجماع کے لحاظ سے اس کی کسی صورت میں بھی عدم جواز اور منع نہیں ہے، اور اسی طریقے سے جناب رسول اللہ ﷺ نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کو نامزد کیا تھا اور سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو اور سلیمان بن عبدالملک نے عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کو نامزد کیا تھا۔ اور یہی وہ صورت ہے جس کو ہم پسند کرتے ہیں اور اس کے سوا دوسری صورتوں کو مکروہ اور ناپسند سمجھتے ہیں کیوں کہ اس صورت میں خلافت کا اتصال اور اسلام اور اہل اسلام کا انتظام قائم رہتا ہے، لیکن اس کے برعکس دوسری تمام صورتوں میں اختلاف اور شور وشغب کا ہر وقت خطرہ رہتا ہے اور انارکی، امور شرعیہ میں انتشار، لوگوں کے اٹھ جانے اور ان کے اندر خلافت کے لیے حرص وطمع کے جذبات پیدا ہونے کا خوف رہتا ہے۔''

اب رہا دوسرا مسئلہ کہ ''بیٹے کو ولی عہد مقرر کرنا جائز ہے یا نہیں؟'' اس کا جواب بھی مورخ اسلام علامہ ابن خلدون مغربی ہی نے دیا ہے۔ علامہ فرماتے ہیں:

''اب اگر امام اپنے باپ یا بیٹے کو اپنا ولی عہد مقرر کر دے تو ہم اس پر بدگمانی نہیں کر سکتے اور اس معاملہ میں ان کو متہم نہیں کر سکتے کیوں کہ جب وہ اپنی

زندگی میں سارے امور و معاملات میں قابل اعتماد مانا گیا ہے تو وہ اپنی زندگی کے بعد کے معاملات میں جو فیصلے دے گیا ہو ان میں بھی ہم کو اس پر بدگمانی نہیں کرنی چاہیے اور اس پر کوئی اتہام نہیں لگانا چاہیے۔ یہ بات ان لوگوں کے مذہب کے خلاف ہے جو کہتے ہیں کہ امام کو اپنے باپ یا بیٹے کو ولی عہد مقرر کرنا باعث اتہام ہے یا جو صرف بیٹے کو ولی عہد بنانا اتہام کا سبب جانتے ہیں اور حقیقت میں یہ عمل بدگمانی اور بدظنی سے بہت دور ہے خصوصاً جب کوئی خاص مصلحت اس کی داعی ہو یا کسی خاص فتنہ و فساد سے تحفظ کے لیے یہ کیا گیا ہو تو ایسے وقت تو بدظنی کی سرے سے گنجائش نہیں ہوتی جیسا کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے جب اپنے بیٹے یزید کو اپنا جانشین بنایا تو ان کے اس فعل پر بنو امیہ کے ارباب حل و عقد کا اتفاق ان کے لیے کافی حجت تھا۔ پھر ان کو یوں بھی متہم نہیں کیا جا سکتا کہ ان کا یزید کو ترجیح دینا امت میں اتفاق و اتحاد قائم کرنے کی مصلحت کے پیش نظر تھا۔ اور یہ حقیقت ہے کہ بنو امیہ اس وقت یزید کے سوا اور کسی کی ولی عہدی پر متفق نہیں ہو سکتے تھے کیوں کہ اہل حل و عقد عموماً بنو امیہ میں سے تھے اور بنو امیہ اس وقت اپنے سے باہر کسی اور کی خلافت پر راضی نہیں ہو سکتے تھے، اور وہ قریش اور تمام مسلمانوں کی عصبیت اپنی پشت پناہی پر رکھتے تھے۔ خود بھی باشوکت تھے اور دوسروں پر بھی بااثر۔ انہی نزاکتوں کے پیش نظر سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان بہتر لوگوں کو چھوڑ کر خلافت کے لیے یزید کا انتخاب کیا اور افضل و بہتر کو چھوڑ کر مفضول کو مسند خلافت پر [1] لائے تا کہ مسلمانوں کا باہمی اتحاد و اتفاق اور

---

[1] مفضول کی امامت کے جواز پر تمام ائمہ حدیث و فقہ کا اتفاق ہے۔ صرف جاحظ نے اس بارہ میں اختلاف کیا ہے، لیکن جاحظ کا یہ اختلاف کچھ بھی مضر نہیں۔ (الاحکام السلطانیة، للماوردی صفحہ ٥) جمہور فقہاء اور متکلمین یہ فرماتے ہیں کہ مفضول کی امامت بالکل جائز ہے اور افضل کو اس کی بیعت کرنا صحیح ہے، اور افضل کا وجود مفضول کی امامت کے مانع نہیں بشرطیکہ مفضول میں امامت کی شرائط پائی جاتی ہوں۔

اس مسئلے کی تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: ابن حزم اندلسی کی کتاب "الامامة المفاضلة" جو ان کی کتاب الفصل فی الملل والنحل کی جلد چہارم میں درج ہے، صفحہ ١٦٢-١٦٧، مصر، نیز علامہ ابوبکر الباقلانی کی کتاب التمہید صفحہ ٢٣١ کا مطالعہ نہایت ضروری ہے۔ نیز ملاحظہ ہو المسایرة لابن همام صفحہ ١٣٦، الاحکام السلطانیة لابی یعلی صفحہ ٧)

ان کی رائے میں یک جہتی کہیں ہاتھ سے نہ جاتی رہے، جس کی بقا کو شارع علیہ السلام نے بہت اہمیت دی ہے ورنہ عدالت اور صحبت نبوی کو دیکھتے ہوئے زبان ان کے بارہ میں بدگمانی کا خیال ظاہر کرنے سے گنگ ہے۔ مزید برآں اکابر صحابہ کی موجودگی اور ان کا اس بارہ میں سکوت اس بات کی کھلی دلیل ہے کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ ہر بدظنی اور بدگمانی سے پاک ہیں اور ان کو الزام نہیں دیا جا سکتا۔ نہ تو صحابہ رضی اللہ عنہم ہی کی وہ شخصیتیں تھیں کہ وہ حق کے اظہار سے خاموش رہتے اور نہ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اس مزاج کے تھے کہ وہ عزت و شان مملکت کی خاطر حق کو اختیار کرنے سے باز رہتے۔ ان بزرگوں کی عدالت ایسی غلط کاریوں سے بہت بلند و بالا ہے...... یزید کی ولی عہدی کے اتفاقی مسئلہ سے اگر کسی نے اختلاف کیا تھا تو وہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما تھے، مگر اجماع و اتفاق کے مقابلہ میں شاذ و نادر اختلاف کو ظاہر ہے کہ کوئی حیثیت حاصل نہیں۔" (مقدمة ابن خلدون صفحه ٢٤٠)

حقیقت یہ ہے کہ ارباب نظر کی بصیرت یہ کام کرتی ہے کہ اگر یزید کے علاوہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کسی اور کو ولی عہد مقرر فرما دیتے تو مسلمانوں کا پچاس سالہ قصر خلافت منہدم ہو جاتا۔ اس کے لیے ایک مرتبہ پھر علامہ ابن خلدونؒ کو نقل کیا جاتا ہے، فرماتے ہیں:

"اسی طرح سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے یزید کو اپنا ولی عہد بنایا لیکن اگر وہ ایسا نہ کرتے تو پوری خلافت اسلامیہ میں ایک شورش برپا ہو جاتی کیوں کہ بنو امیہ اپنے خاندان سے خلافت کے منتقل ہونے کو کسی قیمت پر گوارا کرنے کے لیے تیار نہ تھے۔ اگر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کسی اور کو ولی عہد بناتے تو بنو امیہ خود ان پر پلٹ پڑتے، گو ان کے ساتھ پہلے سے جس قدر بھی حسن ظن ہوتا اور ان کی خوبی میں کسی کو شک و شبہ نہ ہوتا، وگرنہ اس کے برعکس سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارہ میں کوئی اود خیال کرنا عدل و انصاف کا خون کرنا ہے۔" (مقدمة ابن خلدون ص ٢٣٥)

چند صفحات کے بعد علامہ ابن خلدون فرماتے ہیں:

"لہٰذا اگر سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ عصبیت کے تقاضے کے خلاف یزید کے علاوہ کسی

اور کو مسند خلافت پر لاتے تو ان کی خلافت کو کون قبول کرتا اور دیکھتے ہی دیکھتے وہ بالکل ختم ہو جاتی اور ملت اسلامیہ تشتت واختلاف کا شکار ہو جاتی۔ یہ بھی ارباب بصیرت سے پوشیدہ نہیں۔'' (مقدمة ابن خلدون صفحه ٢٤١)

اس بارہ میں مشہور مورخ محمد خضری اپنے خیالات ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

''یزید کو ولی عہد بنانا اور خلافت کو بنوامیہ میں محدود کر دینا اصلاح امت کے لیے ضروری اور ناگزیر تھا تا کہ امت فتنہ و فساد اور خون خرابہ کا شکار ہونے سے بچ جائے کیوں کہ حلقہ انتخاب جس قدر وسیع ہوتا ہے اتنے ہی امیدوار بھی زیادہ ہوتے ہیں، اور جہاں امیدواروں کی کثرت ہو وہاں اختلاف ہونا ایک لازمی امر ہے۔'' (محاضرات تاريخ الامم الاسلامية ٤/٢ ٥٠)

کتابوں سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا پہلے یہ خیال تھا کہ وہ اس کام کے لیے کسی ایک شخص کو نامزد کرنے کے بجائے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی طرح چھ اشخاص کو نامزد کر جائیں گے جن میں سے کسی ایک شخص کو ارباب حل وعقد یا لوگوں کی اکثریت اپنی پسند سے منتخب کر لے گی۔ اس کام کے لیے ان کے ذہن میں جو لوگ تھے ان کے اسمائے گرامی حسب ذیل ہیں:

(۱) سیدنا سعید بن العاص رضی اللہ عنہ
(۲) سیدنا عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ
(۳) سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہما
(۴) سیدنا مروان بن الحکم رضی اللہ عنہ
(۵) سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما
(۶) سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما

(البداية والنهاية ٨٥/٨)

لیکن ابن کثیرؒ ہی کی ایک روایت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کی طبیعت کا زیادہ رجحان ان سب میں سے سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہما کو اپنا ولی عہد بنانے کے لیے تھا کیوں کہ وہ ایک صلح پسند شخصیت اور امت مسلمہ کے لیے اپنے دل میں خاص جذبات رکھتے تھے، اور ملت اسلامیہ میں نظم و ضبط، یک جہتی اور اتحاد و اتفاق کے خواہاں تھے۔ اسی وجہ سے رسول اللہ ﷺ نے ان کے بارہ میں ارشاد فرمایا:

((ان ابنی هذا سید و لعل الله ان یصلح به بین فئتین عظیمتین.)) (بخاری، ۱/۳۷۳، ۲/۵۳۰، ۱۰۵۶۔ ترمذی ۲/۲۴۱۔ ابن عساکر ۴/۲۱۱، ۲۱۲)

"میرا یہ بیٹا سردار ہے اور اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ سے مسلمانوں کے دو بڑے گروہوں کے درمیان مصالحت کرائے گا۔"

لیکن جب سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہما سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی زندگی ہی میں انتقال فرما گئے تو آپ نے ملکی حالات اور بنو امیہ کی عصبیت کے تحت یزید کو اپنا ولی عہد مقرر فرمایا جس میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ جیسے راشد، بردبار، حلیم الطبع، وسیع الظرف اور براعظم افریقہ اور یورپ تک پھیلی ہوئی اسلامی مملکت کے ولی عہد ہونے کے جملہ اوصاف موجود تھے۔ چنانچہ حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے:

"جب سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ سے مصالحت کی تو آپ نے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ ہی کو اپنا ولی عہد بنایا لیکن جب سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوگیا تو سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا یزید کی طرف رجحان قوی ہوگیا کیوں کہ وہ سمجھتے تھے کہ وہ خلافت کی اہلیت رکھتا ہے، اور یہ رائے باپ بیٹے کی شدید محبت کی وجہ سے تھی اور اس وجہ سے بھی تھی کہ وہ یزید میں دنیوی شرافت اور شاہزادوں کی سی خصوصیات، جنگی فنون سے آشنائی، سلطنت کا نظم وضبط اور اس کی ذمہ داری کے بار دوش سے سبک دوش ہونے کی اہلیت دیکھتے تھے، اور ان کا خیال یہ تھا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی اولاد میں سے کوئی اس بارہ میں بہتر انتظام نہیں کر سکے گا۔ اسی وجہ سے انہوں نے سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے فرمایا تھا کہ میں ڈرتا ہوں کہ میں رعیت کو بکریوں کے ایک منتشر اور پراگندہ گلے کی طرح چھوڑ کر نہ چلا جاؤں جس کا کوئی راعی (چرواہا) نہ ہو۔" (البداية والنهاية ۸/۸۰)

اس ساری بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے ولی عہدی کے بارہ میں جو کچھ کیا وہ نیک نیتی سے کیا وہ درست اور صحیح سمجھ کر کیا اور مصلحت وقت اور ملکی حالات کا بھی یہی

تقاضا تھا۔ اسی وجہ سے علمائے اہل سنت نے یزید کی خلافت کو بالکل درست مانا ہے۔ (ملاحظہ ہو: منہاج السنة ۲/۲٤٠، جمهرة الانساب صفحه ۱۰۳) اور اس کو ان بارہ خلفاء میں مانا ہے جن کے زمانہ میں اسلام چار دانگ عالم میں عزیز و محترم رہا۔

(ملاحظہ ہو شرح فقه اکبر ملا علی قاری ص ۱۸٤ ۔ فتح الباری ۱۸۲/۳ ۔ شرح عقیدة الطحاویة ص ۵۵۳)

یزید پر فسق و فجور کے اتہامات و الزامات سراسر غلط ہیں۔ یہ سب چیزیں کچھ تو سبائی تحریک کے ورکروں نے مشہور کیں اور کچھ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے دعویٔ خلافت کے وقت ان کے داعیوں نے یزید کی پوزیشن اور وقار کو کم کرنے کے لیے پھیلائیں جیسا کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے سیدنا محمد بن حنفیہ رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے قبل ازیں ذکر کیا گیا ہے۔ اور پھر بعد کے راویوں نے نہلے پر دہلے کا کام کیا اور اس کے بارہ میں ایسی غلط باتیں مشہور کیں کہ شرافت و انسانیت منہ ڈھانپتی پھرتی ہے۔ (ملاحظہ ہو کتاب الآغانی ۶۱/۱۳)

یزید کے خلافت کے اہل ہونے کے لیے یہی دلیل کافی ہے کہ بڑے بڑے جلیل القدر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس کے ہاتھ پر بیعت کی جن میں سے چند ایک حسب ذیل ہیں:

سیدنا عبداللہ بن عمر، سیدنا عبداللہ بن عباس، سیدنا عبداللہ بن بسر المازنی، سیّدنا اسامہ بن زید، سیدنا جابر بن عتیک انصاری، سیدنا مالک بن ربیعہ، سیدنا ثابت بن ضحاک، سیدنا عبداللہ بن سعد بن خیثمہ انصاری، سیدنا ابوقتادہ انصاری، سیدنا ابوامامہ الباہلی، سیدنا رافع بن خدیج، سیدنا قیس بن سعد بن عبادہ انصاری، سیدنا عثمان بن حنیف انصاری، سیدنا براء بن عازب، سیدنا زید بن ارقم، سیدنا ابوسعید خدری، سیدنا سلمہ بن اکوع، سیدنا معقل بن یسار، سیدنا بریدہ بن الحصیب اسلمی، سیدنا عبداللہ بن ابی اوفی اسلمی، سیدنا نوفل بن معاویہ، سیدنا عوف بن مالک، سیدنا عبداللہ بن عمرو بن العاص، سیدنا عدی بن حاتم، سیدنا نعمان بن بشیر، سیدنا معاویہ بن خدیج، سیدنا مسور بن مخرمہ، سیدنا عبداللہ بن حنظلہ، سیدنا معقل بن سنان، سیدنا جابر بن سمرہ، سیدنا مالک بن حویرث، سیدنا مطلب بن ربیعہ، سیدنا عقبہ بن عامر جہنی، سیدنا عبداللہ بن سائب مخزومی، سیدنا عمر بن ابی سلمہ اور سیدنا عبیداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم اجمعین وغیرہم۔

اگر یزید کا ذاتی کردار یہی ہوتا جو سبائی راویوں کی روایات سے ظاہر ہے، جو خود فسق و

فجور اور کذب و افتراء کی زندگی بسر کرتے تھے، تو جلیل القدر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی اتنی کثیر تعداد کبھی اس کے ہاتھ پر بیعت خلافت نہ کرتی اور کبھی اس کو قرون مشہود لہا بالخیر میں مسلمانوں کا امام اور خلیفہ نہ ہونے دیتی اور عبداللہ بن عباس اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہما کے بھائی سیدنا محمد بن حنفیہ رحمۃ اللہ علیہ کبھی اس کو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کرنے والا، پابند صوم و صلوٰۃ اور صالحین میں سے شمار نہ کرتے۔ اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے چچا زاد بھائی اور بہنوئی سیدنا عبداللہ بن جعفر طیار رضی اللہ عنہما کبھی اپنی صاحبزادی ام محمد کا نکاح یزید سے نہ کرتے۔

(جمهرة الانساب صفحه ٦٢)

اور خود سیدنا حسین رضی اللہ عنہ اس کی زیر قیادت جہاد قسطنطنیہ میں شمولیت نہ فرماتے۔ (البدایة والنهایة جلد٨ ص ١٥١، ہسٹری آف دی سیر سنز از امیر علی ص٢٨۔ تاریخ زوال رومة الکبریٰ ص٢٨٦)

اسی وجہ سے امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب الزہد میں یزید کے بہت سے اقوال سنداً پیش کرتے ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ یزید نے کہا:

((اذا مرض احدكم مرضاً فيشفى ثم تماثل فلينظر الىٰ افضل عمل عنده فليلزمه و لينظر الى اسواء عمل عنده فليدعه .))

(بحواله العواصم من القواصم صفحه ٢٣٣)

"جب کوئی تم میں سے بیمار پڑے اور پھر صحت یاب ہو جائے تو اسے غور کرنا چاہیے کہ اس نے کون سا اچھا عمل کیا ہے۔ چاہیے کہ وہ اس کو لازم جانے اور یہ بھی دیکھے کہ اس نے کون سا برا عمل کیا۔ پس اس کو چھوڑ دے۔"

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول نقل کر کے قاضی ابوبکر ابن العربی فرماتے ہیں کہ

"یہ بات اس کی دلیل ہے کہ امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک یزید کی بہت قدر و منزلت تھی یہاں تک کہ انہوں نے ان کو زہاد صحابہ اور تابعین کے زمرہ میں شامل کیا ہے جن کے اقوال کی اقتداء کی جاتی ہے اور ان کے نصائح و مواعظ سے ہدایت حاصل کی جاتی ہے۔ اور انہوں نے تابعین کے تذکرہ سے پہلے صحابہ کے زمرہ کے ساتھ ہی ان کو شامل کیا ہے۔" (العواصم من القواصم صفحه ٢٣٣)

اس کے بعد قاضی ابوبکر ابن العربیؒ فرماتے ہیں:

((فاین هذا من ذکر المورخین له فی الخمر و انواع الفجور ، الا تستحیون .))

''پس کہاں ہیں شراب نوشی اور فسق و فجور کے وہ اتہامات جن کا مورخین نے اپنی کتابوں میں ذکر کیا ہے۔ کیا ان لوگوں کو (ایسی غلط باتیں کہتے ہوئے) شرم نہیں آتی؟'' (العواصم من القواصم صفحہ ۲۳۳)

یزید نے اپنے معاصرین سے سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی حکومت کے حالات اور خدمت خلق کا جذبہ سنا تھا۔ آپ کے دل میں یہ خواہش تھی کہ اگر کبھی زمام خلافت میرے ہاتھ میں آئی تو میں بھی اسی آئیڈیل کی سی عادلانہ اور صالحانہ حکومت چلاؤں گا۔ چنانچہ حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ ایک مرتبہ باپ بیٹا (سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اور یزید) دونوں بیٹھے ہوئے تھے کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے بیٹے سے پوچھا! ''بیٹا! اگر تمہیں والی بنا دیا جائے تو تم کس طرح حکومت کرو گے؟ باپ کا یہ سوال بیٹے کے قلب کی اتھاہ گہرائیوں میں جھانکنے کے لیے تھا اور یہ معلوم کرنے کے لیے تھا کہ بیٹے کے قلب میں قیصر و کسریٰ کی اتباع کا جذبہ ہے یا ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما کی پیروی کا؟ باپ کا یہ سوال سن کر بیٹے نے فوراً جواب دیا:

((کنت واللہ! یا ابتا عاملا فیھم عمل عمر بن الخطاب .))

''ابا جان! خدا کی قسم میں بھی وہی عمل کروں گا جو سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے (ملت اسلامیہ کے ساتھ) کیا تھا۔''

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

((سبحان اللہ! یا بنی! واللہ! لقد جھدت علی سیرۃ عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ فما اطقتھا ، فکیف بك و سیرۃ عمر .))

(البدایۃ والنہایۃ ۲۲۹/۸)

''اے میرے بیٹے! سبحان اللہ! بخدا! میں نے تو عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی اتباع کی کوشش کی مگر میں اپنی کوشش میں کامیاب نہ ہو سکا کیوں کہ مجھ میں اس کی طاقت نہ تھی پس کہاں تم اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی سیرت کی اتباع اور پیروی۔''

یہ جواب یزید کی صفائی قلب اور نیک نیتی کی غمازی کرتا ہے اور ان لوگوں کی پرزور تردید کرتا ہے جو آپ پر شراب پینے، نماز نہ پڑھنے اور فسق و فجور میں مبتلا ہونے کے اتہامات لگاتے ہیں۔

خلاصہ یہ کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے یزید کو جو اپنا ولی عہد نامزد کیا تھا وہ شریعت کی رو سے بالکل درست تھا اور انہوں نے پوری دیانت اور نیک نیتی سے کیا تھا۔ اور جو لوگ اس پر اعتراض کرتے ہیں وہ نہ صرف سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی تغلیط کرتے ہیں بلکہ ان سب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر بھی معترض ہیں جنہوں نے یزید کی بیعت کر کے اس کو اپنا امیر المومنین سمجھا، اور وہ لوگ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی بھی تکذیب کرتے ہیں جنہوں نے آخر وقت میں یزید کے ہاتھ پر بیعت خلافت کرنے کی رضا مندی کا اظہار کیا۔



خلافت راشدہ

بعض حضرات یہ سوال کرتے ہیں کہ اگر سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت ایسی ہی تھی تو پھر ان کی خلافت ''خلافت راشدہ'' ہونی چاہیے اور وہ خلیفہ راشد ہوں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت واقعی خلافت راشدہ تھی اور وہ خود خلیفہ راشد تھے۔ اس دعویٰ کے اثبات کے لیے ہمارے پاس کتاب اللہ، سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلامی تاریخ سے دلائل موجود ہیں۔ باقی رہا یہ اعتراض کہ جمہور علماء نے انہیں خلفائے راشدین میں سے کیوں شمار نہیں کیا؟ اس کا جواب یہی ہے کہ تدوین تاریخ کے وقت سے ان کی مقدس ذات کے بارہ میں اس قدر غلط پروپیگنڈہ کیا گیا اور عام ذہن سے ان کے محامد و مناقب کو غلط اور جھوٹی روایات کے گرد وغبار کے نیچے دبا دیا گیا۔ ان کی خوبیوں کو برائیاں اور مناقب کو مثالب بنا کر تاریخ کے صفحات کے فریم میں آویزاں کیا گیا اور عوام کو یہ باور کرانے کی کوشش کی گئی کہ انہوں نے برسر اقتدار آکر ''خلافت راشدہ'' کے نظام کو ملوکیت اور جاہلیت کے نظام میں تبدیل کر دیا۔ اس کے علاوہ ان کے صاحبزادے یزید کے دور خلافت میں ''شہادت حسین رضی اللہ عنہ'' کا جو جان گداز واقعہ کوفہ کے سبائیوں کی وجہ سے پیش آیا اور اس کی تمام تر ذمہ داری ایک خاص پروپیگنڈہ کے تحت یزید کے سر منڈھ دی گئی، اس سے بھی سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی شہرت اور نیک نامی بدنامی کی دبیز تہوں کے نیچے دب گئی۔ مدتوں سے ہمارے ذہنوں میں یہ ٹھونسا جا رہا ہے کہ سیدنا علی اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہما کی باہمی چپقلش میں حق اور صواب سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھا اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ راہ خطا پر تھے۔ یہ عقیدہ متقدمین اہل سنت کا نہ تھا بلکہ ان کے نزدیک اسلام کے یہ دونوں بزرگ اپنی اپنی جگہ پر راہ صواب پر تھے کیوں کہ دونوں کا موقف اپنے اپنے مقام پر صحیح اور درست تھا، اور اس کے خلاف اعتقاد رکھنا یعنی سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو راہ صواب اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو راہ خطا پر سمجھنا ''تشیع'' کہلاتا تھا۔ چنانچہ شیخ الاسلام

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

((فالتشیع فی عرف المتقدمین هو اعتقاد تفضیل علی علٰی عثمان، و ان علیاً کان مصیباً فی حروبه و ان مخالفه مخطئ مع تقدیم الشیخین و تفضیلهما .)) (تهذیب التهذیب ۱/ ۹٤)

''متقدمین کے نزدیک اس بات کا اعتقاد رکھنا کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے افضل تھے، اور جنگوں میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ راہ صواب پر تھے اور آپ کے مخالفین (سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی) راہ خطا پر تھے، تشیع کہلاتا تھا، باوجود حضرات شیخین (سیدنا ابوبکر اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہما) کو افضل اور مقدم سمجھنے کے۔''

لیکن اب ہر شخص نے یہ کہنا شروع کر دیا ہے کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ راہ خطا پر تھے جب کہ اہل سنت کا عقیدہ اور مسلک یہ ہے کہ ''کل مجتهد مصیب'' یعنی ہر مجتہد راہ صواب پر ہوتا ہے۔ چنانچہ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

((لان علی إحد المذهبین کل مجتهد مصیب وهذا هو المختار عند کثیر المحققین او اکثرهم و علی المذهب الآخر المصیب واحد و المخطی غیر متعین لنا والاثم مرفوع عنه .)) (نووی شرح مسلم ۱/ ۵۱)

''یعنی (اجتہادی اختلافی مسائل کے ساتھ منکر جیسا معاملہ نہ کیا جائے گا) کیوں کہ ایک مذہب میں تو ہر مجتہد مصیب ہوتا ہے، اور یہی بہت سے بلکہ اکثر محققین کا مذہب مختار ہے، اور دوسرے مذہب میں گو مصیب تو ایک ہی ہوتا ہے لیکن مخطی ہمارے لیے متعین نہیں اور نہ اس کو گناہ ہی ہوتا ہے یعنی ہم نہیں جانتے کہ دونوں میں مخطی کون ہے اور مصیب کون۔''

علامہ سید محمود آلوسیؒ ''کل مجتهد مصیب'' کے بارہ میں فرماتے ہیں:

((وهو قول جمهور المتکلمین منا کالاشعری و القاضی و

من المعتزلة كابی الھذیل و الجبائی و اتباعھم الخ .))

(روح المعانی ۱۷/ ۷۰)

''یعنی وہ ہم اہل سنت میں سے امام اشعری اور قاضی ابوبکر جیسے متکلمین کا اور معتزلہ میں سے ابوہذیل اور جبائی اوران کے پیروکاروں کا مذہب ہے۔''

مسلم الثبوت کی شرح فواتح الرحموت میں ہے کہ

((کل مجتھد فی المسئلہ الاجتھادیۃ مصیب عند القاضی والاشعری و نسب الیٰ الغزالی والمزنی وغیرھما وعلیہ الجبائی و نسبتہ الیٰ جمیع المعتزلۃ لم تصح۔))

(فواتح الرحموت ۱/ ۳۸۰)

''اجتہادی مسئلہ میں قاضی ابوبکر اور امام اشعری کا مذہب یہ ہے اور یہی امام غزالی اور امام مزنی وغیرہما کی طرف بھی منسوب کیا جاتا ہے کہ ہر مجتہد مصیب ہوتا ہے۔معتزلہ میں سے جبائی بھی اسی کا قائل ہے لیکن تمام معتزلہ کی طرف اس کی نسبت درست نہیں ہے۔''

یہی بات قرآن وحدیث سے بھی ثابت ہے کہ ہر مجتہد مصیب ہوتا ہے۔ چنانچہ قرآن حکیم میں ہے کہ

﴿مَا قَطَعْتُمْ مِّنْ لِّيْنَةٍ اَوْ تَرَكْتُمُوْهَا قَآئِمَةً عَلٰٓى اُصُوْلِهَا فَبِاِذْنِ اللّٰهِ﴾

(سورہ حشر : ۵)

''جو کھجوروں کے درخت تم نے کاٹ ڈالے یا ان کو جڑوں پر کھڑا رہنے دیا، سو (دونوں ہی باتیں) خدا کے حکم (اور رضا) کے موافق ہیں۔''

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے دو متضاد اجتہادی اعمال کا ذکر کر کے دونوں کی تصویب فرمائی ہے۔اس آیت کے تحت جصاص رازی نے لکھا ہے:

((وھذا یدل علی ان کل مجتھد مصیب .)) (احکام القرآن ۳/ ۴۲۹)

''یعنی اللہ تعالیٰ کا ہر دو فریق کی تصویب فرمانا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ ہر مجتہد مصیب ہوتا ہے۔''

مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع قدس سرہ نے بھی اس آیت سے ہر اجتہادی حکم کا عنداللہ صحیح اور درست ہونا اخذ کیا ہے۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

''دوسرا اہم اصول اس آیت سے یہ معلوم ہوا کہ جو لوگ اجتہاد شرعی کی صلاحیت رکھتے ہیں اگر ان کا اجتہاد کسی مسئلے میں مختلف ہو جائے، ایک فریق جائز قرار دے اور دوسرا ناجائز، تو عنداللہ یہ دونوں حکم درست اور جائز ہوتے ہیں، ان میں سے کسی کو گناہ اور معصیت نہیں کہہ سکتے، اور اسی لیے اس پر نہی عن المنکر کا قانون جاری نہیں ہوتا کیوں کہ ان میں سے کوئی جانب بھی منکر شرعی نہیں۔''

احادیث نبویہ اور عقلی طور پر بھی یہی اصول ثابت ہوتا ہے کہ ہر مجتہد مصیب ہوتا ہے (كل مجتهد مصيب) جس کی تفصیل کا یہاں موقع نہیں۔ اس اصول کے تحت سیدنا علی اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہما دونوں مجتہد تھے اور دونوں نے اپنے اپنے اجتہاد کے مطابق عمل کیا لہٰذا دونوں میں سے کسی کو مخطی نہیں کہا جا سکتا بلکہ دونوں مصیب ہیں، لیکن آج اکثر کتابوں میں یہی لکھا ہوا ہے کہ سیدنا علی اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہما کی باہمی جنگوں اور تنازعات میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ حق پر تھے اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ راہ خطا پر۔ اس کی وجہ صرف اور صرف یہ ہے کہ ایک زمانہ میں جب مسند اقتدار بنو عباس، آل بویہ اور دوسرے ایسے لوگوں کے ہاتھ میں آئی جن کا تعلق سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے مخالف گروپ اور شیعان علی رضی اللہ عنہ سے تھا تو انہوں نے تاریخ کی جھوٹی اور سراپا کذب روایات کے زور پر یہ عقیدہ ایجاد کروایا کہ سیدنا علی اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہما کی باہمی جنگوں میں اوّل الذکر راہ حق پر تھے اور ثانی الذکر راہ خطا پر۔ اس عقیدہ کی ترویج میں علامہ تفتازانی اور علامہ سیوطی جیسے کئی بزرگوں کا ہاتھ بھی نظر آتا ہے ورنہ حقیقت یہ ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی خلافت اگر ''راشدہ'' ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت ''راشدہ'' نہ ہو، اور جو حضرات ان دونوں خلافتوں کے درمیان ''راشدہ'' اور ''غیر راشدہ'' کا فرق ظاہر کرتے ہیں، ان کے دلائل کسی معقول ذہن کو بالکل متاثر نہیں کر سکتے کیوں کہ خلافت غیر راشدہ کا مارکہ (Brand) لگانے کے لیے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے مقدس دامن پر جن دھبوں کو نمایاں کیا جاتا ہے، تاریخ کی خردبین وہی دھبے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے دامن پر بھی بتاتی ہے۔

پھر ذہن اس بات کو قبول کرنے سے یک قلم ابا کرتا ہے کہ ایک بزرگ صحابی کی خلافت کو راشدہ تسلیم کیا جائے اور دوسرے بزرگ کی خلافت کو غیر راشدہ اور اس کے ساتھ ذہن فوراً اس بات کو اخذ کرتا ہے کہ اس قسم کے بے دلیل دعوے کے پیچھے ضرور کوئی سازشی ہاتھ ہے۔
اس کی ایک عام فہم مثال سیدنا حسن اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہما کے اسمائے گرامی کے ساتھ ''امام'' بطور سابقہ اور ''علیہ السلام'' بطور لاحقہ کے سبائیوں کا ایک ایسا پروپیگنڈہ ہے جس سے بڑے بڑے ائمہ اہل سنت غیر شعوری طور پر متاثر نظر آتے ہیں اور آج یہ لفظ ان کی کتابوں میں جا بجا ملتا ہے۔ حالانکہ امامت کا یہ تصور جس کے تحت حضرات حسنین رضی اللہ عنہما کو امام کہا جاتا ہے، خالص سبائی تصور ہے اور اہل سنت کے ہاں ایسی امامت کا کوئی جواز نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اہل سنت اپنی کتابوں میں ''امام ابوبکرؓ'' اور ''امام عمرؓ'' نہیں لکھتے۔ دوسرے ''علیہ السلام'' کا لفظ اگر غیر نبی کے لیے جائز ہے تو اہل سنت کی کتابوں میں ابوبکر علیہ السلام، عمر علیہ السلام لکھا جانا چاہیے، لیکن یہ لفظ انہوں نے کسی صحابی کے لیے نہیں لکھا۔ یہ بات اس چیز کی غمازی کرتی ہے کہ سبائی پروپیگنڈے نے بڑے بڑے ائمہ اہل سنت کو غیر شعوری طور پر کچھ چیزوں کے بارہ میں متاثر کیا ہوا تھا جن میں ایک چیز سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کا مسئلہ بھی ہے۔ [1]

---

[1] یہاں یہ بات ذہن میں رہے کہ شیعہ حضرات کے نزدیک امامت کی بھی وہی شرائط ہیں جو نبوت کی ہیں۔ چنانچہ ان کی کتابوں میں لکھا ہے:

''ہمارا عقیدہ ہے کہ امامت کی وہی شرائط ہیں جو نبوت کی ہیں۔ رسولوں کی طرح امام بھی بطن مادر ہی سے امام پیدا ہوتا ہے۔'' (عقائد الشیعة صفحہ ۳٤، سید ظفر حسن)

امام تمام گناہوں سے معصوم ہوتا ہے خواہ وہ گناہ عمداً ہوں یا سہواً (حیات القلوب ۱٦/۳) امامت کا مرتبہ پیغمبر کے مرتبہ سے بلند ہوتا ہے۔ (حیات القلوب ۳/۳) اور اکثر علمائے شیعہ کا یہ خیال ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور دوسرے تمام ائمہ طاہرین تمام انبیاء سے افضل ہیں۔ (حق الیقین صفحہ ۸۵) ائمہ حلال وحرام کے اختیارات رکھتے ہیں۔ (اصول کافی صفحہ ۲۷۸) وہ اپنے اختیار سے مرتے ہیں اور انہیں پتہ ہوتا ہے کہ وہ کب مریں گے (اصول کافی صفحہ ۲۳٦) وہ ما کان و ما یکون کا علم جانتے ہیں۔ (اصول کافی صفحہ ۱۵۹) وہ اللہ کی آنکھیں، اس کا ہاتھ، اس کا دروازہ اور اس کی زبان ہوتے ہیں۔ (اصول کافی صفحہ ۸٤)

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے بارہ میں ان حضرات کا عقیدہ ہے کہ ''اگر جناب مولا علی علیہ السلام نہ ہوتے تو جناب رسول اللہ ﷺ نہ ہوتے، تو ''لولاک لما خلقت الافلاک'' زمین و آسمان پیدا نہ ہوتے، لہٰذا علی علیہ السلام نہ ہوتے تو کچھ بھی نہ ہوتا۔'' (ماہنامہ معارف اسلام، لاہور بابت ستمبر ۱۹۷۱ء صفحہ ۸) اسی رسالہ کی ایک اور اشاعت میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا فرمان نقل کیا ہے:
⇦⇦⇦

پھر تاریخ کی تدوین بھی بنوعباس کے دور میں ہوئی جنہوں نے حکومت بنوامیہ سے چھینی تھی اور یہ ایک قدرتی بات ہے کہ ایک گروہ جب کسی دوسرے گروہ سے حکومت چھینتا ہے تو وہ اپنے استحقاق کو (Justify) کرنے کے لیے سابقہ حکومت کی کارروائیوں اور ان کے اعمال میں کیڑے نکالتا ہے، ان کی خوبیوں کو برائیوں میں، ان کے مناقب کو مثالب میں اور فضائل کو معائب میں ظاہر کرنے کے لیے اپنی پروپیگنڈہ کی پوری مشینری کو دن رات کام پر لگائے رکھتا ہے تاکہ لوگوں کے قلوب کو ان سے بدظن کر کے اپنی طرف مائل کر سکے، اور ان کی ہمدردیاں حاصل کر سکے۔ چنانچہ بنوعباس نے حکومت پر قبضہ کرنے کے ساتھ ساتھ جہاں بنوامیہ کو قتل اور سولی سے تباہ و برباد کیا وہاں علمی انداز میں ان کے خلاف مختلف علمی لوگوں سے ان کے خلاف ایسا پروپیگنڈہ کیا کہ آج تک عوام اور خواص کے قلوب میں بنوامیہ کے لیے ہمدردی اور رحم کا کوئی جذبہ اور نرم گوشہ پیدا نہ ہو سکا بلکہ اس کے متعلق نفرت اور حقارت کے جذبات کو تقویت ملتی رہی اور شاید آئندہ بھی ان کے متعلق ایسے ہی حقارت آمیز جذبات لوگوں کے سینوں میں پنپتے رہیں۔ چنانچہ مصر کے ایک فاضل اور محقق علامہ محب الدین خطیبؒ نے بھی ایسے ہی خیالات کا اظہار کیا ہے۔ فرماتے ہیں:

''تاریخ اسلامی کی تدوین بنوامیہ کے زوال کے بعد شروع ہوئی اور ان حکومتوں کے قیام کے زمانہ میں ہوئی جن کا برسراقتدار طبقہ اپنے اس ماضی کے مفاخر اور اس وقت کے ارباب اقتدار کے محاسن سے خوش نہیں تھے۔ چنانچہ تاریخ اسلام

⇦⇦⇦ ''میں خدا کے اسمائے حسنیٰ، امثال علیا اور آیات کبریٰ ہوں، اور میں ہی جنت اور دوزخ کا مالک ہوں۔ میں ہی اہل جنت کو جنت میں داخل کروں گا اور اہل نار کو جہنم میں ڈالوں گا...... اور میں ہی مرکز ہوں اور میری ہی طرف ہر شے بعد قضائے الٰہی رجوع کرتی ہے اور میرے ہی ذمہ ساری مخلوق کا حساب ہے...... جملہ آیات و معجزات اور کتب انبیاء علیہم السلام میری سپرد کی گئی ہیں اور میں ان کا محافظ ہوں، اور میں لاٹھی والا اور نشان والا ہوں، اور میں ہی ہوں جس کے لیے بادل، گرج، بجلی، تاریکیاں، روشنیاں، ہوائیں، پہاڑ، سمندر، ستارے، سورج اور چاند مسخر کر دیے گئے...... اور میں ہی وہ ہوں جس کو خدا نے اپنا نام، اپنا کلمہ، اپنی حکمت اور اپنی فہم عطا فرمائی ہے۔'' (ماہنامہ معارف اسلام، لاہور بابت ستمبر اکتوبر ۱۹۷۲ء، صفحہ ۶۱۔۶۲)

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے اسی قسم کے مناقب و فضائل اسی رسالہ معارف اسلام بابت نومبر ۱۹۶۷ء صفحہ ۹۱، ۹۲ پر بھی مرقوم ہیں جو پڑھنے کے قابل ہیں۔

کی تدوین تین قسم کے گروہوں نے کی۔ پہلا گروہ وہ تھا جس کی زندگی کا مقصد وحید بنو امیہ کے بغض اور مخالفت میں کتابیں تالیف کرنا اور ان کے کاموں میں کیڑے نکالنا اوران کے دشمنوں (بنوعباس) کی نگاہ میں تقرب حاصل کرنا تھا۔''

(العواصم من القواصم صفحہ ۱۷۷، تعلیقه)

اسی طرح کے خیالات ندوہ کے فاضل شاہ معین الدین ندوی نے بھی تحریر فرمائے ہیں:

''بنوعباس کی حکومت قائم ہوئی، یہ سب بنو امیہ کے دشمن تھے۔ اسی زمانہ میں تاریخ نویسی کا آغاز ہوا۔ اس لیے ایسی بہت سی غلط روایات جو عرصہ سے زبانوں پر چڑھی چلی آرہی تھیں، تاریخوں میں داخل ہوگئیں کیوں کہ ایسے ابتدائی دور میں جب کہ تاریخ نویسی کا آغاز ہوا تھا، روایات کی اتنی تحقیق وتنقید جس سے افسانہ وحقائق میں پورا امتیاز ہو سکے، مشکل تھی، گو بہت سی بے سروپا روایات جن کا لغو ہونا بالکل عیاں تھا، تنقید سے مسترد ہوگئیں، لیکن پھر بھی بہت سے غلط واقعات تاریخ کا جز بن گئے حتیٰ کہ مورخ ابن جریر اپنی محدثانہ تنقید کے باوجود اپنی کتاب کو غلط روایات سے محفوظ نہ رکھ سکا اور آغاز تاریخ اسلام میں جو واقعات پولیٹیکل مقاصد کے لیے تراشے گئے تھے، ان میں داخل ہو گئے۔''

(سیر الصحابة ٦/٩٣)

اسی سیاسی اور گروہی پروپیگنڈہ کا بنو امیہ پر جو اثر ہوا وہ عیاں ہے۔ ہر زمانہ کے لوگوں کے ذہن اس سے غیر شعوری طور پر متاثر ہوئے۔ چنانچہ محاضرات تاریخ الامم الاسلامیہ کے مولف کا یہ بیان بھی ہمارے اس دعویٰ کی دلیل بن سکتا ہے جو اس نے ۳۵۱ھ کا وہ واقعہ لکھا ہے جس کو پڑھ کر اہل ایمان کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ وہ لکھتا ہے:

''آل بویہ کی حکومت کے قیام سے قبل بغداد کے لوگ مذہب اہل سنت و الجماعت پر تھے اور ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما کو سب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر فضیلت دیتے تھے اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی شان میں کسی قسم کی کوئی گستاخی نہ کرتے تھے اور نہ گزرے ہوئے مسلمانوں کی کوئی برائی کرتے تھے، لیکن جب یہ فرقہ پرست غالی حکومت آئی تو بغداد میں تشیع پروان چڑھا اور اقتدار کے بل بوتے پر اس

کے انصار و اعوان پیدا کیے گئے اور سنہ ۳۵۱ھ میں بغداد کی تمام مساجد پر یہ عبارت لکھوائی گئی:

اللہ تعالیٰ معاویہ بن ابی سفیان پر لعنت کرے۔

اور اس پر لعنت کرے جس نے فاطمہ (رضی اللہ عنہا) کے فدک کا حصہ غصب کر لیا (مراد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تھے)

اور اس پر لعنت کرے جس نے حسن (رضی اللہ عنہ) کو ان کے نانا جان کے پاس دفن نہ ہونے دیا (مراد سیّدنا مروان رضی اللہ عنہ تھے)

اور اس پر لعنت کرے جس نے ابوذر غفاری (رضی اللہ عنہ) کو شہر بدر کیا (مراد سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ تھے)

نیز اس پر لعنت ہو جس نے عباس (رضی اللہ عنہ) کو شوریٰ سے خارج کر دیا۔ (مراد سیدنا عمر رضی اللہ عنہ تھے)

یہ کس نے کیا؟ اور کس کے ایما پر ہوا؟ تاریخ اس کے نام کو چھپاتی نہیں۔ وہ معز الدولہ تھا جو امت کے ان پاک بازوں کی تنقیص اور تذلیل کرنے پر ادھار کھائے بیٹھا تھا۔ اس کے مذہب نے اس کے کوزۂ ذہن میں یہ بات ڈالی تھی کہ اسلام کے ان محسنوں کے احسانات کے تصور کو لوگوں کے ذہنوں سے کھرچ کھرچ کر مٹا دو تا کہ کوئی ان کے لیے کلمہ خیر نہ کہہ سکے۔ لیکن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے متوالوں نے رات کے وقت ان مکروہ اور غلیظ الفاظ کو کھرچ کر مٹا دیا۔ معز الدولہ دوبارہ یہ حرکت کر کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارہ میں اپنے خبث باطن کا اظہار کرنا چاہتا تھا کہ اس کے وزیر ابومحمد المہلبی نے اس کو مشورہ دیا کہ پہلی عبارت کا اعادہ نہ کیا جائے بلکہ اس کے بجائے یہ الفاظ لکھ دیے جائیں گویا زہر کو شکر چڑھا کر (Sugar Coated) اہل سنت کو نگلوایا جائے تا کہ ان کو زہر کا احساس نہ ہو۔ وہ الفاظ یہ تھے:

((لعن اللہ الظالمین لآل رسول اللہ ﷺ.))

"اللہ تعالیٰ رسول اللہ ﷺ کی آل پر ظلم کرنے والوں پر لعنت کرے۔"

اسی کتاب میں لکھا ہے کہ اس مرتبہ جن پر لعنت کی گئی ان کا نام تو ظاہر نہ کیا گیا لیکن سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا نام اب کی دفعہ بھی بغداد کی مسجدوں پر لعنت کے ساتھ لکھوا دیا گیا۔ چنانچہ لکھا ہے کہ

((ولا یذکر فی اللعن الا معاویة .))

"اور لعنت میں کسی نام کا ذکر نہ کیا جائے مگر سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا۔"

یہ سب کچھ خلیفہ کے ہوتے ہوئے اس کے ایک وزیر معز الدولہ الدیلمی نے کیا اور خلیفہ وقت اپنی آنکھوں کے سامنے اپنے مذہب کے اساطین کی یہ توہین برداشت کرتا رہا کیوں کہ

((والخلیفة کان محکوماً علیه لایقدر علی المنع .))

"اور خلیفہ بغداد بے دست و پا تھا اور معز الدولہ کو ان حرکات شنیعہ سے روکنے کی اس میں طاقت اور قدرت نہ تھی۔"

معز والدولہ الدیلمی نے جب ظاہری طور پر سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف اپنے بغض اور عداوت کا اس طرح اظہار کیا تو اس نے زیر زمین اہل سنت کے مذہب کو برباد کرنے کا کیا کیا حربہ اختیار نہ کیا ہو گا، کیوں کہ تاریخ بتاتی ہے کہ اہل تشیع نے اس قسم کی زیر زمین علمی سرگرمیاں اپنے مذہب کی تعمیر اور مذہب اہل سنت کی تخریب کے لیے ہمیشہ جاری رکھی ہیں۔

تاریخ کے اوراق بتاتے ہیں کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے خاندان کے دیگر افراد ہمیشہ اس قسم کے لوگوں کی تیغ ستم کا تختہ مشق بنتے رہے۔ ظالموں نے ان کے بارہ میں جناب رسول اللہ ﷺ کی جانب کئی اقوال منسوب کر دیے جن میں ان کی قدح اور برائی پائی جاتی تھی۔ مثال کے طور پر دشمنان صحابہ نے جناب رسول اللہ ﷺ کی طرف سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارہ میں ایک قول منسوب کر دیا کہ آپ نے فرمایا:

((اذا رأیتم معاویة علی منبری فاقتلوه .))

"جب تم معاویہ کو میرے منبر پر دیکھو تو اسے قتل کر دو۔"

چنانچہ علامہ حافظ مقدسیؒ نے اس حدیث کو موضوع اور جھوٹی قرار دیتے ہوئے اس کے

ایک راوی عباد بن یعقوب الرواجنی کے بارہ میں لکھا ہے:

((وهو عن غلاة الروافض...... و ترك الرواية عن عباد جماعة من الحفاظ .))

''وہ غالی رافضی تھا اور حفاظ حدیث کی ایک جماعت نے اس سے روایت کرنا ترک کر دیا ہے۔''

(تذکرة الموضوعات صفحه ٢٨ ۔ الفوائد الحموعة فی الاحادیث الموضوعة صفحه ٤٠٧)

یہ عبارت صاف بتا رہی ہے کہ بنو عباس کے خلفاء کی مدح اور تعریف میں اور ان سے سابق خلفائے بنو امیہ کی مذمت اور قدح میں احادیث وضع کرنے کے لیے وضاعین کا ایک ادارہ قائم کیا گیا تھا جو جانے والی حکومت کی مذمت اور عباسیوں کی حکومت کے استحکام کے لیے کوشش کرتے۔ پھر جو تاریخ کی کتابیں اس دور میں مدون ہوئیں ان کی روشنی میں لوگوں کی رائے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے بیٹے یزید کے بارہ میں اچھی نہ رہی اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارہ میں اہل سنت کا عقیدہ وہی ہو گیا جس کا ذکر آج کل کیا جاتا ہے کہ وہ راہ خطا پر تھے۔ اس عقیدہ کی آبیاری ان لوگوں نے بھی کی جنہوں نے اہل سنت کا لبادہ اوڑھ کر مختلف کتابیں لکھیں جن میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اور بنو امیہ کے دوسرے خلفاء کے بارہ میں مسلمانوں کے اعتقاد کو مخدوش کرنے کے لیے موضوع احادیث ان میں گھسیٹر دیں، اور اس انداز میں ان کو بیان کیا کہ اچھے اچھے لوگوں نے ان کتابوں کو بنیاد بنا کر بنو امیہ کے بارہ میں اپنے اعتقاد کی عمارت تعمیر کی۔ مثال کے طور پر محمد بن جریر طبری جو بنو عباس کے دور حکومت کی پیداوار ہے، یہ تاریخ، حدیث اور تفسیر میں یکتائے روزگار تھا لیکن تھا سبائی اور رافضی۔ اس نے قرآن حکیم کی تفسیر اور تاریخ اسلام پر دو ضخیم کتابیں لکھیں اور ان میں زیادہ تر مسائل تو اہل سنت کے نقطہ نظر کے مطابق لکھے لیکن درمیان میں اہل سنت کے اذہان کو زہر آلود کرنے کے لیے کچھ ایسی باتیں بھی لکھ دیں تا کہ غیر شعوری طور پر مسلمان انہیں قبول کر لیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور علمائے اہل سنت کی اس کے بارہ میں آراء مختلف ہو گئیں۔ بعض علماء اسے اکابر اہل سنت میں شمار کر کے اس کی ہر بات کو بطور دلیل پیش کرنے لگے اور یہاں تک کہنا شروع کر

راویوں کی درج کی ہیں تا کہ لوگوں کے جذبات کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے خلاف برانگیختہ کیا جائے۔ چنانچہ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے کہ:

''ابن جریر نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے مدینہ طیبہ سے تمام شہروں میں خطوط لکھے جن میں لوگوں کو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف قتال پر اکسایا گیا تھا۔ (البداية والنهاية ۷/۱۷۵)

ابن جریر کے یہ الفاظ نقل کرنے کے بعد حافظ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں:

((هذا كذب على الصحابة .)) (ایضا)

''یہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر افترا اور جھوٹ ہے۔''

اس طرح کی بے شمار روایات نقل کر کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے خلاف لوگوں کے جذبات کو اکسایا گیا ہے جو خالص اہل رفض کا کام ہے۔ پھر جن راویوں سے یہ روایات نقل کی گئی ہیں وہ پکے سبائی تھے جیسے ابو مخنف لوط بن یحییٰ، محمد بن السائب کلبی اور اس کے بیٹے ہشام کی روایات۔ ان لوگوں کی روایات محدثین قبول نہیں کرتے کیوں کہ وہ کذاب تھے اور نا قابل اعتماد۔ (ملاحظہ ہو تذكرة الموضوعات صفحه ۲۸٦۔ لسان الميزان ٤/٤٩٢۔ ميزان الاعتدال ۲/۳۹۰۔ تاج العروس شرح القاموس جز ٦ فصل ٥ صفحه ١٠٥ وغيره)

یہ تو صرف ایک طبری ہے لیکن تاریخ اسلام میں ایسے کئی طبری گزرے ہیں جنہوں نے اندرون خانہ رفض کے عقائد کی تشہیر کی اور ہمارے بزرگوں نے ان کی کتابوں کے حوالے دے کر لوگوں میں ان باتوں کو پھیلایا۔ چنانچہ حافظ ابن کثیرؒ جیسا شخص باوجود اپنی محققانہ شان کے صرف اس اکابر پرستی کی وجہ سے اپنی کتاب کو ایسی روایات سے پاک نہ رکھ سکے۔ چنانچہ وہ خود لکھتے ہیں:

''سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بارہ میں رافضیوں کی بہت زیادہ جھوٹی اور باطل خبریں ہیں، ہم نے جن کا تذکرہ کیا ہے وہ کافی ہے اور ان میں سے بعض حصہ محل نظر ہے۔ اگر ابن جریر طبری اور دوسرے ائمہ وحفاظ ان کو نقل نہ کرتے تو ہم بھی ان کو نقل نہ کرتے بلکہ ترک کر دیتے۔ ان میں اکثر روایات لوط بن یحییٰ ابو مخنف سے مروی ہیں اور وہ شیعہ تھا اور

دیا کہ "لاتسمعوا المؤرخ کلاماً الا للطبری" یعنی طبری کے سوا کسی اور مورخ کی بات نہ سنو۔ (العواصم من القواصم صفحہ ۲۴۸) لیکن محققین اور تہ تک پہنچنے والے بزرگوں نے اس کی کتابوں کا مطالعہ کر کے فوراً کہہ دیا: "کان یضع للروافض" وہ رافضیوں کے لیے حدیثیں وضع کیا کرتا تھا۔ (لسان المیزان ۵/۱۰۰) اگرچہ بعض حضرات نے محدث احمد بن علی سلیمانی کے اس قول کو ابن جریر طبری کے بارہ میں بدگمانی پر محمول کیا لیکن پھر خود اقرار کرنا پڑا کہ

''اس میں فی الجملہ تشیع تھا لیکن مضر نہیں تھا۔

(لسان المیزان ۵/۱۰۰۔ میزان الاعتدال ۳/۲۵)

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے ایک بزرگ کا یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ

((ابو جعفر الطبری و هو امام من ائمة الامامية .))

(لسان المیزان ۵/۱۰۰)

''ابو جعفر طبری امامیہ کے ائمہ میں سے ایک امام تھے۔''

اب اندازہ فرمائیں کہ جو شخص خم غدیر جیسے خالص شیعی واقعہ پر دو ضخیم جلدیں مرتب کرے، وضو میں جواز مسح رجلین (پاؤں پر مسح کرنے) کا قائل ہو، اور ان کا دھونا واجب اور ضروری نہ سمجھتا ہو اور اپنی تاریخ الامم والملوک جلد ۱۳ کے صفحہ ۲۴ کی سطر ۲۵ پر سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ پر لعنت بھیجے، پھر اسی جلد کے صفحہ ۲۹ سطر ۱ پر معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما اور یزید بن معاویہ دونوں پر لعنت بھیجے، وہ شخص اہل سنت کا امام کیسے ہو سکتا ہے؟ اہل سنت تو سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو صحابی رسول اور ایک جلیل القدر خلیفہ رسول تصور کرتے ہیں جس نے براعظم افریقہ تک اسلام کی اشاعت کے لیے تگ و دو کی۔ یہی وجہ ہے کہ ابن جریر طبری کی زندگی ہی میں اکثر لوگ ان کے شیعی فکر کی وجہ سے مخالف ہو گئے تھے اور ان کے رفض ہی کی وجہ سے وفات کے وقت ان کی لاش کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن نہ ہونے دیا۔ چنانچہ ان کو ان کے گھر کی چار دیواری ہی میں دفن کیا گیا۔'' (البدایة والنهایة ۱۱/۱۴۶)

اس کے علاوہ طبری نے اپنی کتاب میں قریباً ۹۰ فی صد روایات کذاب اور سبائی

ائمہ فن کے نزدیک وہ ضعیف ہے۔" (البدایہ والنہایۃ ۷/۲۰۲)

غور کرنے کا مقام ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارہ میں غلط روایات حافظ ابن کثیرؒ صرف اس وجہ سے اپنی کتاب میں نقل کر رہے ہیں کہ ان کو ابن جریر طبری وغیرہ نے اپنی کتاب میں نقل کیا ہے۔ ہمارے نزدیک یہ کوئی درست اور معقول بات نہیں ہے، اور اسی چیز کا سہارا لے کر موجودہ زمانہ کے بعض مفکرین مختلف مضامین اور کتابوں میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے متعلق امت کے صحیح معتقدات میں کتر و بیونت کی کوششیں کر رہے ہیں۔ غلط چیز غلط ہی ہے خواہ اس کو کتنا بڑا امام اور محدث نقل کرے اور صحیح چیز صحیح ہی ہے خواہ وہ کسی چھوٹی سی کتاب ہی میں کیوں نہ ہو۔

اس ساری بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کے بارہ میں اگر قرآن وسنت اور تاریخ اسلام کی صحیح روایات کی روشنی میں کوئی نتیجہ نکالا جائے تو وہ یہی نکلتا ہے کہ ان کی خلافت ''خلافت راشدہ'' تھی لیکن اگر وہ مخصوص شرطیں ہی لگائی جائیں جو ہمارے بعض حضرات نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کو ''غیر راشدہ'' ثابت کرنے کے لیے لگائی ہیں تو پھر خلافت راشدہ خلفائے اربعہ میں مخصوص ہو کر نہیں رہ جاتی بلکہ پھر خلافت راشدہ کا دور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے ساتھ ہی ختم ہو جاتا ہے۔ چنانچہ اسی وجہ سے شاہ ولی اللہ کو یہ لکھنا پڑا کہ

((بموت حضرت عثمان خلافت خاصہ منقطع گشت و اکثر احادیث ہمیں مضمون وارد شدہ۔)) (ازالۃ الخفا مقصد اوّل ص ۶۱)

''سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت سے خلافت خاصہ منقطع ہو گئی اور اکثر احادیث اسی مضمون کی وارد ہوئی ہیں۔''

یعنی اس لحاظ سے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی خلافت بھی ''راشدہ'' نہیں رہتی۔ اور اگر وہ شرائط ذرا ڈھیلی کر دی جائیں تو پھر سیدنا علی اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہما دونوں کی خلافتیں خلافت راشدہ شمار ہوتی ہیں۔ لہٰذا قرآن وسنت اور اسلامی تاریخ اسی بات کی تائید کرتے ہیں کہ خلافت راشدہ چار خلفاء میں محصور نہیں بلکہ اس کا دائرہ بہت وسیع ہے۔

اگر قرآن حکیم کا بغور مطالعہ کریں تو کئی آیات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے تقدس اور ان کے رشد و ہدایت کے مینار ہونے پر دلالت کرتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو رضا کا سرٹیفکیٹ عطا ہوا ہے۔ (التوبہ: ۱۰۰) اور اللہ تعالیٰ جن سے راضی ہو جائے ان سے پھر کبھی ناراض نہیں ہوتا۔ قرآن حکیم میں ایک مقام پر ان کے مقام عظمت کو ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے:

﴿وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ وَزَيَّنَهٗ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَكَرَّهَ اِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْيَانَ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الرّٰشِدُوْنَ ۝ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَنِعْمَةً ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ﴾ (حجرات: ۷۔۸)

”لیکن اللہ نے ایمان کو تمہارے لیے محبوب کر دیا اور اس کو تمہارے دلوں میں مزین بنا دیا اور کفر، فسوق اور نافرمانی کو تمہارے لیے مکروہ اور ناپسندیدہ بنا دیا۔ یہی لوگ راشدین ہیں اللہ کے فضل اور اس کی نعمت سے، اور اللہ تعالیٰ خوب جاننے والا اور حکمت والا ہے۔“

یہ خوش خبری حق تعالیٰ نے چند صحابہ کرام کو نہیں دی بلکہ بلا استثناء سب صحابہ رضی اللہ عنہم کو دی اور اس آیت میں تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کے لیے تین باتیں بیان فرمائیں:

۱: ایمان کو ان کے لیے محبوب بنا دیا۔

۲: ایمان کو ان کے دلوں میں مزین کر دیا۔

۳: کفر، فسوق اور عصیان کو ان کے لیے مکروہ اور ناپسندیدہ بنا دیا۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت کے بارہ میں ارشاد فرمایا:

”یہاں ایمان میں فرائض اور مستحباب وغیرہ کی کوئی تفصیل ذکر نہیں کی گئی اور اس کے مقابلہ میں کفر، فسوق اور عصیان کی تفصیل اختیار کی گئی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایمان کامل فرائض و مستحبات کے مجموعہ کا نام ہے، اس لیے ایمان کی محبت یہ ہے کہ بلا تفصیل اس کے تمام احکام کی محبت ہو۔ اس کے مقابل حالت بعض مرتبہ کفر ہو گی اور بعض مرتبہ صرف فسوق و عصیان کی حد تک رہے گی۔ مومن کامل کے لیے ضروری ہے کہ وہ کفر ہی نہیں بلکہ فسق و عصیان سے بھی

نفرت رکھے۔ یہ تین الفاظ اس لیے رکھے گئے ہیں کہ ہر فسق وعصیان کفر نہیں اور نہ ہر عصیان فسق ہے۔'' (کتاب الایمان صفحہ ۱۷)

آیت کے آخر میں فرمایا اور یہ خطاب بھی تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ہے:

﴿اُولٰٓئِكَ هُمُ الرّٰشِدُوْنَ﴾

''یہی لوگ راشدین (ہدایت یافتہ) ہیں۔''

معلوم نہیں یہ کہاں کی منطق اور سوچ ہے کہ حق تعالیٰ شانہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو تو ''راشدین'' کہہ رہے ہیں اور راشد اس کو کہتے ہیں جو رشد و ہدایت سے مالا مال ہو اور ہم بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو غیر راشد ہونے کا فتویٰ دے رہے ہیں۔ بخاری میں سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارہ میں ایک شکایت پر فرمایا کہ:

((انه قد صحب رسول الله ﷺ .)) (بخاری ۱/۵۳۱۔ الاصابة ۳/۴۱۲)

''معاویہ رضی اللہ عنہ نے جناب رسول اللہ ﷺ کی صحبت کا شرف حاصل کیا۔''

اور قرآن حکیم کہہ رہا ہے کہ تمام صحابہ ''راشدین'' میں سے ہیں لیکن ہم ایک ہی بات کہے جا رہے ہیں کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ تک تو تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ''راشدین'' تھے اس وجہ سے ان کی خلافت بھی راشدہ تھی لیکن سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے بعد والے لوگ صحابی ہونے کے باوجود راشد نہ تھے لہٰذا ان کی خلافت بھی غیر راشدہ تھی۔

یہاں یہ بات ذہن میں رہے کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں سلطنت اسلامی کے اکثر صوبوں کے گورنر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے تھے اور جو غیر صحابی تھے وہ بھی وہ تھے جو سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں بھی گورنر رہے تھے جیسے زیاد بن ابی سفیان جو سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں خراسان کا گورنر تھا۔ جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس زمانے میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے گورنر تھے ان میں اکثریت ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تھی جنہوں نے سیدنا ابوبکر اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہما کے زمانوں میں بھی کاروبار حکومت چلایا تھا۔ (خلافة معاوية للعقيلى صفحه ۷۴)

چنانچہ آپ کے زمانہ میں سنہ ۴۱ھ میں بسر بن ارطاۃ بصرہ کے گورنر تھے۔ پھر سیدنا عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ ۴۱ھ تا ۴۴ھ تک گورنر رہے۔ (طبری ۶/۱۳۳) پھر سنہ ۴۵ھ سے ۵۳ھ تک زیاد بن

ابی سفیان بصرہ کے گورنر رہے۔ زیاد نے اپنی گورنری کے زمانہ میں رسول اللہ ﷺ کے مختلف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مدد اور ان کے مشورہ سے کاروبارِ حکومت چلایا۔ عمران بن حصین خزاعی رضی اللہ عنہ (التقریب صفحہ ۴۲۹) کو آپ نے بصرہ کا قاضی مقرر کیا۔ حکم بن عمرو انصاری رضی اللہ عنہ کو خراسان کا عامل بنایا۔ (تقریب صفحہ ۱۷۵) اسی طرح سمرہ بن جندب، انس بن مالک، عبدالرحمن بن سمرہ رضی اللہ عنہم کو بھی مختلف محکمے دیے۔ عمران بن حصین رضی اللہ عنہما کے استعفاء دینے کے بعد عبداللہ بن فضالہ لیثی رضی اللہ عنہ کو والی مقرر کیا۔ ان کے بعد ان کے بھائی عاصم بن فضالہ رضی اللہ عنہ کو مقرر کیا گیا (التقریب ۳۱۷۔ الاصابۃ صفحہ ۲۱۵) پھر ان کے بعد زرارہ بن اوفی الجرشی رضی اللہ عنہ کو اس عہدہ پر مقرر کیا گیا۔ (التقریب لابن حجر ۲۱۵) زرارہ رضی اللہ عنہ کی بہن لبابہ زید کی اہلیہ تھی۔ (انساب الاشراف ۳۷۰/۴) گورنری کے اس زمانہ میں زیاد بن ابی سفیان نے رفاہ عام کے لیے بہت سے کام کیے۔ اس کے عہد گورنری میں عراق میں اتنا امن وامان تھا کہ لکھا ہے کہ

((ان المرأة كانت تنام و باب بيتها مفتوحاً .))

''عورت سوئی ہوتی تھی اور اس کے گھر کا دروازہ کھلا ہوتا تھا۔''

کوئی چور کسی کا مال چوری نہیں کرتا تھا اور نہ کوئی ڈاکو کسی کا مال لوٹتا تھا۔ اگر کسی کی کوئی شے گر جاتی تو کوئی اس کو اٹھاتا نہیں تھا۔ (الطبری نقلاً عن خلافة معاويه للعقيلي صفحه ۸۸) حکومت کی طرف سے وظائف کا نظام نہایت اعلیٰ طریقے کا تھا۔ جونہی رمضان آتا تو شعبان کے مہینے ہی میں لوگوں کے گھر خور ونوش کے سامان سے بھر دیے جاتے تاکہ انہیں رمضان میں سحری و افطار میں کوئی تکلیف نہ ہو۔ اسی طرح ذی الحجہ میں بھی لوگوں کو کثیر رقم عطیات کے طور پر دی جاتی۔ (انساب الاشراف ۲۱۹/۴) زیاد نے بصرہ کے پانچ سو خاص آدمیوں کو بڑے بڑے اداروں کی حفاظت کے لیے ملازم رکھا ہوا تھا جن کی تنخواہ تین سو سے پانچ سو درہم ماہوار ہوتی تھی۔ ان کی قیادت شیبان بن عبداللہ سعدی کے ہاتھ میں تھی۔ یہ مساجد کا انتظام بھی چلاتے تھے۔ (خلافة معاوية صفحه ۸۹۔ انساب الاشراف ۲۲۱/۴) زیاد نے بصرہ میں بہت سی مسجدیں بھی بنوائیں جن میں مسجد بنی عدی، مسجد بنی مجاشع اور مسجد الاساور: (مختصر کتاب البلدان صفحه ۱۹۱) ابن فقیہ کا بیان ہے کہ زیاد نے سات مسجدیں بنائیں

اور بصرہ میں جو بھی گول مسجد ہوتی تھی وہ زیاد کی تعمیر کردہ ہوتی تھی۔ (الادارة فی العصر الاموی صفحہ ۱۶۰) پھر زیاد نے بصرہ کی جامع مسجد کی بہت زیادہ توسیع کی اور اس کو چونے اور گچ سے پکا بنوایا اور اس کی چھت ساخ کی لکڑی کی بنوائی اور پتھر کا ایک اونچا سا مینار بنوایا۔

(فتوح البلدان صفحه ٣٤٦ ۔ خلافة معاوية صفحه ٨٩)

زیاد نے شہر کی صفائی کا بھی بہت اہتمام کیا۔ اور لوگ بھی اپنے اپنے مکانوں کی صفائی کے ذمہ دار ہوتے اور جو صفائی میں سستی سے کام لیتا اس کو سزا دی جاتی۔ ہر مکان کا مالک بارش کے ختم ہونے کے بعد اس بات کا ذمہ دار تھا کہ اپنے مکان کے سامنے کیچڑ اور غلاظت کی صفائی کرے، اور وہ لوگوں سے راستوں اور گلیوں کی صفائی کی بھی ذمہ داری لیتا تھا۔ اس نے راستوں اور گلیوں کی صفائی کے لیے عملہ رکھا ہوا تھا۔ (الادارة فی العصر الاموی صفحه ٢١٤ ـ خلافة معاويه للعقيلي صفحه ٨٩) مختصر یہ کہ زیاد کی گورنری کے زمانہ میں عراق (بصرہ اور کوفہ) نے زرعی، معاشی، تمدنی اور عمرانی اعتبار سے بہت ترقی کی جس کے نتیجہ میں مرکز اور صوبہ دونوں کو ٹیکس، لگان اور دوسرے ذرائع آمدنی سے بہت سا مال جمع ہوتا جو پبلک کے رفاہی کاموں میں صرف کیا جاتا۔ زیاد کے بعد اس کا بیٹا، عبیداللہ بن زیاد گورنر ہوا تو اس نے عراق سے چھ لاکھ درہم مرکز کو بھیجے تو یہ رقم دیکھ کر سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ((اللهم ارض عن ابن اخی)) ''اے اللہ! میرے بھتیجے سے راضی ہو جا۔''

(انساب الاشراف ٤/٢١٨ ـ ٢١٩)

زیاد کے بعد سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے سیدنا سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ کو بصرہ کا گورنر مقرر کیا۔ ان کے بارہ میں سبائیوں نے امیر المومنین کو غلط خبر پہنچائی کہ وہ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو برا بھلا کہتے ہیں۔ چنانچہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کو چھ ماہ کے بعد معزول کر دیا۔ اس صحابی کریم کے بارہ میں یہ خبر بالکل غلط تھی۔ چنانچہ حافظ ابن کثیرؒ نے لکھا ہے کہ ''وهذا لا يصح عنه'' ان کے بارہ میں یہ خبر درست نہیں ہے۔

(البداية والنهاية نقلا عن مرويات معاوية رضي الله عنه في تاريخ الطبرى صفحه ٢٦٢)

سنہ ۵۴ھ میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے سیّدنا سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ کو معزول کر کے عبداللہ بن غیلان کو والی بنا دیا۔ (طبری ٦/٢١٢) طبری ہی کے بیان کے مطابق سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے

عبیداللہ بن زیاد کو خراسان کا گورنر بنا دیا اور پھر سنہ ۵۵ میں عبداللہ بن عمرو بن غیلان کو معزول کر کے بصرہ بھی عبیداللہ بن زیاد کی تحویل میں دے دیا اور اس کو بڑی نصیحتیں کیں کہ وہ پبلک کے ساتھ اچھا سلوک کرے۔ (طبری ٦/٢١٤)

اسی طرح کوفہ میں بھی آپ کے عہد خلافت میں پہلے سیدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ گورنر تھے۔ سیدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ جلیل القدر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے تھے۔ بڑے بہادر اور شجاع تھے۔ بیعت رضوان میں بھی شریک ہوئے۔ جنگ یرموک میں آپ کی ایک آنکھ ضائع ہوگئی۔ بعض روایات میں ہے کہ یوم قادسیہ میں ضائع ہوئی۔ (سیر اعلام النبلاء ٣/٢١) فرمایا کرتے تھے کہ میں وہ شخص ہوں جو سب سے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے الگ ہوا تھا۔ ہوا یہ کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دفن کر رہے تھے تو انہوں نے اپنی انگوٹھی قبر مبارک میں پھینک دی اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے عرض کیا کہ میری انگوٹھی قبر مبارک میں گر گئی ہے۔ انہوں نے کہا کہ آپ اتر کر نکال لیں۔ انہوں نے نیچے اتر کر آپ کے کفن مبارک کو پکڑا اور پھر باہر نکل آئے۔ (سیر اعلام النبلاء ٣/٢٦) سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے آپ کو بحرین کا گورنر بھی مقرر کیا۔ لیکن لوگوں نے اس کو ناپسند فرمایا لہٰذا سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو معزول فرما دیا۔ وہاں کے لوگوں کو یہ خدشہ پیدا ہوا کہ کہیں وہ پھر نہ آ جائیں۔ لہٰذا انہوں نے ایک ترکیب سوچی۔ وہ یہ کہ ان کے رئیس نے کہا کہ اگر تم لوگ میری تجویز پر عمل کرو تو وہ پھر کبھی واپس نہیں آئیں گے۔ لوگوں نے کہا: ''آپ حکم کریں۔'' رئیس نے کہا کہ تم لوگ ایک لاکھ اکٹھا کرو۔ میں وہ ایک لاکھ درہم سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے پاس لے کر جاتا ہوں اور ان سے کہتا ہوں کہ مغیرہ بن شعبہ نے اموال مملکت میں خیانت کر کے یہ ایک لاکھ روپیہ میرے پاس رکھوایا تھا۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا اور وہ رئیس ایک لاکھ درہم لے کر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے پاس گیا اور ان سے جا کر کہا کہ مغیرہ (رضی اللہ عنہ) نے خیانت کر کے یہ لاکھ روپیہ میرے پاس رکھوایا تھا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سیدنا مغیرہ رضی اللہ عنہ کو بلایا اور پوچھا یہ کیا ہے؟ سیدنا مغیرہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ یہ شخص غلط کہتا ہے، میں نے تو دو لاکھ رکھوائے تھے۔ ایک لاکھ یہ کھا گیا ہے۔ یہ سن کر وہ رئیس سخت پریشان ہوا۔ آخر کار اس نے اصل بات سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے کہہ دی۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سیدنا مغیرہ رضی اللہ عنہ سے کہا کہ تم نے

ایسا کیوں کیا؟ سیدنا مغیرہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ اس خبیث نے مجھ پر جھوٹ بولا تھا لہٰذا میں نے بھی اس کو رسوا کر دیا۔ (سیر اعلام النبلاء ۲۶/۳) امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ عرب کے دانشور اور دشمن کے مکر وفریب کو بخوبی جاننے والے چار حضرات تھے: معاویہ رضی اللہ عنہ، عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ، مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ اور زیاد بن ابی سفیان۔ (البدایۃ والنہایۃ ۲۲/۱۱) سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کو سنہ ۴۱ھ میں کوفہ کا گورنر مقرر کیا۔ انہوں نے وہاں خوارج سے سخت لڑائیاں کیں اور مسجد کوفہ کی توسیع فرمائی۔ چنانچہ اس میں چالیس ہزار افراد ایک وقت میں نماز پڑھ سکتے تھے۔ (خلافۃ معاویۃ للعقیلی صفحہ ۸۵) آپ ۴۹ھ یا ۵۰ھ تک وہاں کے گورنر رہے۔ وہیں آپ کا انتقال ہوا۔ آپ کے بعد کوفہ کی گورنری زیاد کے سپرد کی گئی۔ چنانچہ وہ پہلا شخص ہے جو بصرہ اور کوفہ دونوں کا ایک وقت مین اکٹھا گورنر تھا۔
(طبری ۱۵۰/۶)

زیاد سنہ ۵۰ھ تک بصرہ کا گورنر رہا۔ سیدنا مغیرہ رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد کوفہ بھی اس کی تحویل میں دے دیا گیا۔ اس نے بصرہ میں سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ کو اپنا قائم مقام بنایا اور خود وہ چھ ماہ بصرہ اور چھ ماہ کوفہ میں رہتا تھا۔ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ زیاد بہترین رائے کا مالک تھا، ذہانت و فطانت میں یکتائے روزگار۔ اس کی سیادت و قیادت اور ذہانت و فطانت کی مثالیں دی جاتی تھیں۔ وہ کاتب اور فصیح و بلیغ شخصیت کا حامل تھا۔ وہ سیدنا مغیرہ رضی اللہ عنہ اور سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کا بھی پرائیویٹ سیکریٹری رہا تھا اور بصرہ میں سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کا نائب بھی رہا۔ (طبری ۱۵۰/۶) امام شعبیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے زیاد سے بڑا خطیب نہیں دیکھا۔
(سیر اعلام المنبلاء ۴۹۵/۳)

عبداللہ بن خالد بن اسید زیاد کی طرف سے فارس کے گورنر تھے۔ پھر زیاد نے اپنی وفات کے وقت ان کو کوفہ کا گورنر بنا دیا اور انہوں نے ہی زیاد کی نماز جنازہ پڑھائی تھی۔ سنہ ۵۵ھ میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے عبداللہ بن خالد بن اسید کو کوفہ کی گورنری سے معزول کر کے ان کی جگہ ضحاک بن قیس فہری رضی اللہ عنہ کو وہاں کا گورنر مقرر کر دیا۔ سنہ ۵۸ھ میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے کوفہ کی گورنری پر عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن عثمان بن ربیعہ ثقفی کو متعین فرما دیا، یہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی ہمشیر ام الحکم بنت ابی سفیان کا بیٹا تھا، اور ضحاک بن قیس رضی اللہ عنہ کو کوفہ

کی گورنری سے معزول کر دیا۔ پھر کچھ عرصہ کے بعد سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے عبدالرحمٰن بن ام الحکم کو کوفہ کی گورنری سے معزول کر دیا کیوں کہ انہوں نے ایک ذمی کو ناحق قتل کر دیا تھا (التاریخ الکبیر، بخاری ۶/۵۳۳۔ العلل و معرفۃ الرجال ۲/۲۴) پھر سنہ ۵۹ھ میں عبدالرحمٰن بن ام الحکم کی معزولی کے بعد سیدنا نعمان بن بشیر انصاری رضی اللہ عنہما کو کوفہ کا گورنر مقرر کیا گیا۔ (طبری ۶/۲۲۳)

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں کوفہ کے یہ حضرات گورنر تھے۔ ان میں سے کئی وہ تھے جو خلفائے اربعہ کے زمانہ میں بھی گورنر رہے تھے۔

مدینہ منورہ کا ملکی سیاست میں نہایت اہم مقام تھا کیوں کہ یہ مسلمانوں کی روحانی اور دینی زندگی کا مرکز تھا۔ یہاں مہاجرین و انصار اور ان کے صاحبزادے رہائش پذیر تھے اور اہل حل و عقد کی اکثریت بھی یہیں مقیم تھی۔ سنہ ۴۱ھ کے بعد مدینہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی حکومت میں شامل ہوا جب سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح کی۔ اس کے بعد سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ تشریف لائے اور اہل مدینہ کو اکٹھا کر کے ایک خطبہ دیا۔
(البدایۃ والنہایۃ ۱۱/۴۳۲)

۴۲ھ میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے سیدنا مروان بن الحکم رضی اللہ عنہ کو مدینہ منورہ کا گورنر مقرر فرمایا اور سیّدنا مروان رضی اللہ عنہ نے عبداللہ بن حارث بن نوفل رضی اللہ عنہ کو مدینہ کا قاضی مقرر کیا۔ (طبری ۶/۸۷) سنہ ۴۹ھ میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے سیدنا مروان رضی اللہ عنہ کو معزول کر کے ان کی جگہ سیدنا سعید بن العاص رضی اللہ عنہ کو مدینہ کا گورنر مقرر کیا اور آپ سنہ ۵۴ھ تک مدینہ منورہ کے گورنر رہے۔ (طبری ۶/۱۴۸) پھر سنہ ۵۴ھ میں سیدنا سعید بن العاص رضی اللہ عنہ کو معزول کر کے سیدنا مروان بن الحکم رضی اللہ عنہ کو دوبارہ مدینہ منورہ کا گورنر مقرر کیا۔ آپ سنہ ۵۷ھ تک وہاں کے گورنر رہے۔ پھر سنہ ۵۷ھ میں سیدنا مروان رضی اللہ عنہ کی جگہ ولید بن عتبہ بن ابی سفیان کو مدینہ منورہ کا گورنر مقرر کیا گیا۔

مکہ مکرمہ میں سیدنا خالد بن العاص بن ہشام رضی اللہ عنہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے گورنر بنے۔ انہیں سنہ ۴۲ھ میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے مکہ کا گورنر بنایا تھا۔ (خلافۃ معاویۃ صفحہ ۲۷۸) طائف کے گورنروں کے بارہ میں تفصیلی معلومات حاصل نہیں ہوسکیں۔ بلاذری نے یہ لکھا ہے

کہ عنبسہ بن ابی سفیان اور عتبہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کو طائف کا گورنر بنایا گیا۔

سنہ ۴۱ھ میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو مصر کا گورنر مقرر کیا۔ اس کی وجہ مورخین نے یہ بیان کی ہے کہ سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے سیدنا عمر اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہما کے عہد ہائے خلافت میں مصر کو فتح کیا تھا۔ سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کا سنہ ۴۳ھ میں انتقال ہو گیا۔ ان کی وفات کے بعد ان کے صاحبزادے سیدنا عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ مصر کے گورنر بنے۔ یہ صرف دو ماہ کے لیے گورنر بنے تھے۔ چنانچہ جب سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی وفات کی خبر پہنچی تو سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کی جگہ عتبہ بن ابی سفیان کو مصر کا گورنر مقرر کر دیا۔ پھر سنہ ۴۵ھ میں سیدنا عقبہ بن عامر جہنی رضی اللہ عنہ کو مصر کا گورنر بنا دیا گیا۔ یہ بڑے عالم و فاضل، قاری، فقیہ اور بڑے فصیح و بلیغ انسان تھے۔ بڑے خوش الحان تھے اور قرآن حکیم بڑی خوب صورت آواز میں پڑھتے تھے۔ ایک روز انہوں نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی مجلس میں قرآن پڑھا تو وہ رونے لگے۔ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی تھے اور اصحاب صفہ میں سے تھے۔ آپ نے سنہ ۵۸ھ میں وفات پائی۔ (سیر اعلام النبلاء ۲/ ٤٦٨)

سنہ ۴۷ھ میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کو معزول کر کے ان کی جگہ مسلمہ بن مخلد انصاری رضی اللہ عنہ کو گورنر مقرر فرمایا۔ یہ سنہ ۶۲ھ تک مصر کے گورنر رہے۔ انہوں نے اپنے زمانہ گورنری میں شمالی افریقہ کا بہت سا علاقہ فتح کر کے اسلامی قلمرو میں شامل کیا۔

(مصر فی العصر الاموی صفحہ ۸۳)

ان گورنروں نے نام ہم نے اس لیے لکھے ہیں کہ اس سے اندازہ لگایا جا سکے کہ اتنے اچھے لوگ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں گورنر تھے اور پوری انتظامیہ قریباً وہی تھی جو سیدنا علی اور سیدنا حسن رضی اللہ عنہما کے زمانوں میں تھی پھر کیا وجہ ہے کہ ان کی خلافتیں راشدہ ہو گئیں اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت یک دم غیر راشدہ اور ملوکیت میں شمار ہونے لگی۔ کیا انہوں نے پہلے خلفاء کے آئین اسلامی کو تبدیل کر دیا تھا؟ آئین بھی وہی اور آئین چلانے والوں میں اکثریت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جن کو اللہ تعالیٰ نے راشدین کہا ہے تو پھر کیا وجہ ہے کہ ان کی خلافت غیر راشدہ ہو گئی؟

حدیث میں آتا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا زمانہ بہترین زمانہ تھا اور پھر اس کے بعد تابعین کا زمانہ اور پھر اس کے بعد تبع تابعین کا زمانہ۔ ان تینوں زمانوں کے بارہ میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے خیریت کی خبر دی ہے۔ چنانچہ صحیح حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((خیر امتی قرنی ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم حتی یجیئ اقوام تسبق شھادۃ احدھم یمینہ و یمینہ شھادتہ .))

(مسلم ۲/۳۰۹۔ ترمذی ۲/۴۵)

''بہترین لوگ میرے زمانے کے ہیں، بعد ازیں وہ جو ان کے بعد آئیں گے، پھر جو ان کے بعد آئیں گے جن کی شہادت قسم سے آگے اور قسم شہادت سے پیش پیش ہوگی۔''

ایک اور روایت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک شخص نے دریافت کیا: سب سے اچھے لوگ کون ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((القرن الذی انا فیہ، ثم الثانی ثم الثالث .)) (مسلم ۲/۳۱۰)

''میرے زمانے کے پھر دوسرے کے پھر تیسرے کے۔''

ان تین زمانوں کے بارہ میں محدثین میں کچھ اختلاف ہے، لیکن ہمارے نزدیک صحیح بات وہ ہے جو علامہ نووی رحمہ اللہ نے فرمائی ہے:

((والصحیح ان قرنہ ﷺ والصحابۃ والثانی التابعون و الثالث تابعوھم .)) (نووی شرح مسلم ۴/۳۰۹)

''صحیح بات یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا زمانہ ہے دوسرا تابعین کا اور تیسرا تبع تابعین کا۔''

شیخ الاسلام حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے بھی شرح بخاری میں لکھا ہے کہ

''حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قرن سے مراد صحابہ کا زمانہ ہے۔'' (فتح الباری ۱/۴۴)

صحابہ کے زمانہ کو کیوں سب سے بہتر زمانہ قرار دیا گیا، اس کی وجہ شیخ الاسلام علامہ

ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ ان الفاظ میں بیان فرماتے ہیں:

''ان تینوں دوروں میں بہترین دور ان لوگوں کا ہے جن کی نگاہوں نے جمال جہاں آرا کا بحالت ایمان مشاہدہ کیا ہے۔ یہی لوگ حق و باطل میں فرق کو سب سے اچھا جاننے والے، حق کے سب سے زیادہ ماننے والے، حق کے سب سے زیادہ شیدا اور فریفتہ، باطل کے سب سے زیادہ بیری اور دشمن، حق کی خاطر سب سے زیادہ جان کھپانے والے، بعد میں آنے والوں کے مقابلہ میں علم و دیانت، سرفروشی و حق آشنائی، حق پذیری اور حق کی خاطر مصائب کے استقبال میں سب سے زیادہ پیش پیش تھے۔'' (النبوات صفحه ۸۵)

نواب صدیق حسن خان رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے:

''یہی صدر اوّل اور سلف صالح ہیں۔ ان ہی کو ہر موضوع پر بطور دلیل پیش کیا جا سکتا ہے۔ انہی پر دین کی زندگی میں اعتماد کیا جا سکتا ہے۔ دینی زندگی کے سارے احوال، اعمال و اخلاق اور احکام میں یہی لوگ سند کی حیثیت رکھتے ہیں۔'' (الحطة فی ذکر الصحاح الستة صفحه ۲۲)

علامہ ابن حجر ہیتمیؒ نے بھی ''قرن'' سے مراد یہی لیا ہے۔ فرماتے ہیں!

''ان سب اقوال میں سب سے معتدل قول صاحب المحکم کا ہے کہ ''قرن'' سے ہر زمانے کی عمریں ہیں اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قرن سے مراد اس حدیث میں صحابہ رضی اللہ عنہم کا زمانہ ہے، اور صحابہ میں سے بلا اختلاف سب سے آخر میں جس کا انتقال ہوا وہ ابوطفیل عامر بن واثلہ اللیثی رضی اللہ عنہ صحابی رسول ہیں جیسا کہ صحیح مسلم میں جزم اور یقین کے ساتھ لکھا اور صحیح قول کے مطابق ان کی وفات سنہ ۱۰۰ھ میں ہوئی۔'' (الصواعق المحرقة صفحه ۲۱۲)

ہمارے نزدیک اس سلسلہ میں صحیح روایت سنہ ۱۱۰ھ کی ہے اور اس کی تائید ایک حدیث نبوی سے بھی ہوتی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی وفات سے ایک ماہ قبل فرمایا تھا:

''جو لوگ آج زمین پر رہ رہے ہیں (یعنی آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم) ان میں

سے سو سال کے بعد کوئی زمین پر زندہ نہ رہے گا۔"

(الصواعق المحرقة صفحه ۲۱۲۔ مسلم ۲/ ۳۱۰)

اس حدیث کی رو سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا زمانہ سب سے بہتر تھا اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اپنا زمانہ قرار دیا۔ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے سب سے آخری صحابی سیدنا ابو طفیل رضی اللہ عنہ تھے جو جنگ احد کے روز پیدا ہوئے۔

((فات سنة عشر و مائة)) (تقريب التهذيب صفحه ۱۸۷)

"سنہ ۱۱۰ھ میں ان کا انتقال ہوا۔"

اس لحاظ سے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے بعد پورے سو سال تک صحابہ کا دور تھا جو سب سے بہتر اور سب سے افضل دور تھا۔ اسی دور میں یعنی سنہ ۴۱ھ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ مسند خلافت پر متمکن ہوئے اور تمام امت جن میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک کثیر تعداد شامل تھی بلکہ ان میں سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ جو عشرہ مبشرہ کے صحابی تھے، ان کے علاوہ اور بے شمار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی اور پوری امت مسلمہ نے پانچ چھ سال کے تفرقہ اور انتشار کے بعد آپ کی خلافت پر اجماع کیا۔ اسی وجہ سے اس سال کو "عام الجماعۃ" کا نام دیا گیا ہے۔ ((تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو فتح البارى ۱۳/ ۵۳۔ البداية والنهاية ۸/ ۲۱، ۱۳۱۔ اسد الغابة ۲/ ۳۸۷۔ تاريخ الخلفاء صفحه ۱۹۴))

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا ایسے شخص کی خلافت صحیح اور راشدہ نہیں؟ کیا سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ بقول قرآن حکیم "اولئك هم الراشدون" خود راشد نہیں؟ کیا ان کے گورنر جو اکثر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے تھے، وہ راشد نہیں تھے؟ کیا ان کے دست حق پرست پر بیعت کرنے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم راشدین کی جماعت کے لوگ نہیں تھے؟ جن سینکڑوں بلکہ ہزاروں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ان کے ہاتھ پر بیعت کی کیا انہوں نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی حکومت کو "ملک عضوض" سمجھ کر بیعت کی تھی؟ اور اگر انہوں نے ان کی خلافت کو غیر راشدہ سمجھ کر ان کے ہاتھ پر بیعت کی تھی تو انہوں نے کسی ایک موقع پر اس بات کا سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے اظہار کیوں نہ کیا کہ جناب آپ خلیفہ نہیں بلکہ آپ تو ایک بادشاہ ہیں اور ہم

آپ کی اطاعت نہیں کریں گے اور آپ کے حکموں کی تعمیل نہیں کریں گے۔ لیکن تاریخ کے اوراق سے یہ پتہ چلتا ہے کہ ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر اسی طرح بیعت کی تھی جس طرح سیدنا ابوبکر، سیدنا عمر اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہم کے ہاتھوں پر بیعت کی تھی۔ انہوں نے ان سب خلافتوں میں کوئی فرق نہیں کیا لیکن بعد والوں نے اتنا فرق کیا کہ بغیر دلیل کے خلافت راشدہ کو سنہ ۴۰ھ کے اختتام کے ساتھ ہی ختم کر دیا اور جونہی سنہ ۴۰ھ کا آخری سورج حجلہ مغرب میں چھپا اور سنہ ۴۱ھ کے پہلے روز کا سورج مشرق سے طلوع ہوا خلافت راشدہ سے غیر راشدہ ہو گئی۔ ہمارے خیال میں یہ ایک غیر منطقی دلیل ہے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مقام سے ناواقفیت کی دلیل بھی۔ کیا اچھا فرمایا سیّدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہ:

''جو شخص اقتداء کرنی چاہتا ہے اسے اصحاب رسول کی اقتداء کرنی چاہیے، کیونکہ یہ حضرات ساری امت سے زیادہ اپنے قلوب کے اعتبار سے پاک، علم کے لحاظ سے گہرے، تکلف سے الگ تھلگ، عادات کے لحاظ سے معتدل اور حالات کے لحاظ سے سب سے بہتر ہیں۔ یہ وہ قوم ہیں کہ اللہ جل وعلا شانہ نے ان کو اپنے نبی کی صحبت اور دین کی اقامت کے لیے پسند فرمایا۔ لہٰذا تم ان کی قدر پہچانو اور ان کے قدموں کی اتباع کرو کیونکہ یہی لوگ سیدھے راستہ پر ہیں۔''

(شرح عقيدة شفارينية جلد٢، صفحه ٢٨٠، اعلام الموقعين ١٣٩/٤)

اس بارہ میں سیدنا عمر بن عبد العزیزؒ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارہ میں بڑی پیاری بات فرمائی:

((فارض لنفسك ما رضى به القوم لانفسهم فانهم على علم وقفوا ببصر نافذ كفوا وهم على كاشف الامور كانوا اقوىٰ وبفضل ما كانوا فيه اوّلىٰ .)) (ابو داؤد جلد ۱)

''اپنے لیے وہی طریقہ اختیار کرو جس کو قوم (صحابہ کرام رضی اللہ عنہم) نے پسند فرمایا، اس لیے کہ وہ جس حد پر ٹھیرے علم کے ساتھ ٹھیرے اور انہوں نے جس چیز

سے لوگوں کو روکا ایک دوربین نگاہ کی بنا پر روکا۔ بلاشبہ وہ دقیق حکمتوں اور علمی الجھنوں کو کھولنے پر قادر تھے اور جس کام میں تھے اس میں سب سے زیادہ فضیلت کے وہی مستحق تھے۔''

اب جو لوگ اپنی طہارت قلب اور گہرائی علم کے لحاظ سے ساری دنیا بلکہ قیامت تک آنے والے لوگوں کے لیے ایک روشنی کا مینار ہوں وہ کسی ایسے شخص کو جو رسول اللہ ﷺ کی سنت کی پوری پوری اتباع اور اطاعت نہ کرتا ہو، کس طرح اپنا امام اور خلیفہ بنا سکتے ہیں؟ اور اگر وہ خلیفہ کی حیثیت سے کسی کے ہاتھ پر بیعت کریں گے تو وہ یقیناً بلاشک وشبہ صحیح طور پر خلیفہ رسول ہوگا اور اس کی خلافت ''خلافت راشدہ'' ہوگی۔ (حافظ ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ نے اعلام الموقعین جلد۴ صفحہ ۱۲۸ تا ۱۵۲ پر اس سلسلہ میں بڑی نفیس بحث کی ہے جو علماء کے لیے پڑھنے کے قابل ہے۔)



ایک حدیث اور اس کا جواب

خلافت راشدہ کو تیس سال میں محدود کرنے کے لیے صرف ایک حدیث ہے جس پر اس عقیدہ کی بنیاد رکھی گئی ہے۔ وہ حدیث یہ ہے کہ سیدنا سفینہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((الخلافة فی امتی ثلاثون سنة ، ثم ملك بعد ذالك ، ثم قال لی سفینة امسك خلافة ابی بکر ، ثم قال و خلافة عمر و خلافة عثمان ، ثم قال امسك خلافة علی ، فوجدناها ثلاثین سنة ، قال سعید فقلت له ان بنی امیة یزعمون ان الخلافة فیهم ، قال: کذبوا بنو الزرقاء ، بل هم ملوك من شر الملوك .)) (ترمذی ۲/۴۵)

''خلافت میرے بعد تیس سال تک رہے گی، اس کے بعد ملوکیت ہو جائے گی۔ پھر سیدنا سفینہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آپ خلافت ابوبکرؓ، خلافت عمرؓ، خلافت عثمانؓ اور خلافت علیؓ کا حساب کر لیں۔ ہم نے جب حساب کیا تو وہ تیس سال بنتے تھے۔ سعید (راوی حدیث) نے کہا کہ میں نے سیدنا سفینہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ بنو امیہ یہ گمان کرتے ہیں کہ ان میں بھی خلافت ہے۔ سیدنا سفینہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''وہ جھوٹ کہتے ہیں بلکہ وہ برے بادشاہوں میں سے بادشاہ ہیں۔''

یہ وہ حدیث ہے جس کی بنیاد پر خلافت راشدہ کو چار خلفاء میں محصور و محدود کر دیا گیا: چنانچہ جس نے بھی سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کو راشدہ شمار نہیں کیا اس نے اسی حدیث کو اپنے اس فیصلہ کی بنیاد بنایا ہے حالانکہ یہ حدیث روایت و درایت کے لحاظ سے غیر صحیح ہے اور اس کو کسی صورت بھی اس اہم فیصلے کی بنیاد نہیں بنایا جا سکتا، کیوں کہ ایک غیر صحیح خبر واحد پر

اتنے اہم مسئلہ کی بنیاد نہیں رکھی جا سکتی۔

اس حدیث کے غیر صحیح ہونے کے بارہ میں محدث قاضی ابوبکر بن عربی نے لکھا ہے:

((هذا حديث لا يصح .)) (العواصم من القواصم صفحه ٢٠١)

''یہ حدیث صحیح نہیں ہے۔''

مشہور فاضل علامہ محب الدین خطیبؒ نے اس حدیث کی سند پر بحث کر کے یہ ثابت کیا ہے کہ محدثین کرام نے اس حدیث کو جو غیر صحیح کہا ہے وہ درست ہے۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

(العواصم من القواصم صفحه ٢٠١ - تعليقه)

''سیّدنا سفینہ رضی اللہ عنہ سے اس کے راوی سعید بن جمہان ہیں۔ ان کے بارہ میں محدثین کا اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ ان کی حدیث لینے میں کوئی حرج نہیں اور بعض نے توثیق کی ہے۔ اور شیخ ابو حاتم فرماتے ہیں کہ ان کی حدیث سے حجت نہیں پکڑی جا سکتی۔ اس کی سند میں حشرج بن نباتہ ایک راوی ہیں ان کی بھی بعض نے توثیق کی ہے، لیکن امام نسائیؒ فرماتے ہیں کہ قوی نہیں ہے، اور عبداللہ بن احمد بن حنبلؒ یہ حدیث سوید الطحان سے روایت کرتے ہیں جن کے بارہ میں حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ تقریب التہذیب میں فرماتے ہیں ''لین الحديث'' یعنی حدیث میں کمزور ہے۔''

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے سعید بن جمہان کے بارہ میں لکھا ہے:

((قال ابن معين روى عن سفينة احاديث لا يرويها غيره .))

(تهذيب التهذيب ٤/ ١٤)

''محدث یحییٰ بن معینؒ فرماتے ہیں کہ اس نے سیدنا سفینہؓ سے بہت سی احادیث ایسی روایت کی ہیں جو ان کے سوا کسی اور نے نہیں کیں۔'' [1]

ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے بارہ میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا بھی ایک قول نقل فرمایا ہے کہ:

((قال البخاری فی حديثه عجائب .)) (ایضاً)

---

[1] یہ بات بھی ذہن میں رہے کہ سیدنا سفینہ رضی اللہ عنہ کا انتقال ۷۴ھ میں ہوا جب کہ سعید بن جمہان کا انتقال ۱۳۶ھ میں ہوا۔ پھر اوّل الذکر مدینہ میں رہے اور ثانی الذکر بصرہ کے رہنے والے ہیں۔ ان کی ملاقات بھی آپس میں ثابت نہیں۔

''امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس کی حدیث میں عجیب وغریب باتیں ہوتی ہیں۔''

ان عجیب وغریب باتوں میں سے اور ان مخصوص احادیث میں سے جن کو سوائے اس راوی کے اور کسی نے سیدنا سفینہ رضی اللہ عنہ سے روایت نہیں کیا، ایک یہ حدیث بھی ہے جس میں خلافت کو تیس سال میں محدود و مقید کر دیا گیا ہے۔ اس حدیث کو سوائے سعید بن جمہان کے اور کسی نے سیدنا سفینہؓ سے نقل نہیں کیا۔ یہ خبر جس کو سیدنا سفینہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کر رہے ہیں، کوئی معمولی اور غیر اہم خبر نہیں ہے بلکہ ایک نہایت اہم خبر ہے جس سے امت مرحومہ کا مستقبل وابستہ ہے، لیکن تعجب کا مقام ہے کہ سوائے سیدنا سفینہ رضی اللہ عنہ کے اور کوئی صحابی اس کو نقل نہیں کر رہا اور نہ سعید بن جمہان کے سوا کسی اور شخص نے سیدنا سفینہ رضی اللہ عنہ سے اس کو روایت کیا ہے۔ پھر حدیث کا انداز بیان یہ بتا رہا ہے کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قول نہیں ہے بلکہ بعد کے کسی ذہن کی اختراع ہے، اور سیدنا ابوبکر، سیدنا عمر، سیدنا عثمان، اور سیدنا علی رضی اللہ عنہم کی خلافتوں کی مدت کو جمع کر کے اس حدیث کے الفاظ بنائے گئے ہیں۔ حالانکہ ان چاروں خلفاء کی خلافت میں جب تک سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی خلافت کے چھ ماہ درج نہ کیے جائیں، اس وقت تک تیس سال مکمل نہیں ہوتے لیکن حدیث کے الفاظ میں ان کی خلافت کے چھ ماہ کو تیس سالوں میں شمار نہیں کیا گیا بلکہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی خلافت پر ہی تیس سال پورے کر دیے ہیں جو خلاف واقعہ ہے۔

دوسری بات اس حدیث میں یہ ہے کہ سعید بن جمہان کہتے ہیں کہ میں نے سیدنا سفینہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ بنو امیہ یہ کہتے ہیں کہ ہم میں بھی خلافت ہے تو جواب میں سیدنا سفینہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا

((هم ملوك من شر الملوك.))

''یعنی وہ برے بادشاہوں میں سے بادشاہ ہیں۔''

اگر سیدنا سفینہ رضی اللہ عنہ کی رائے بنو امیہ کے بارہ میں یہی ہوتی جس کا اظہار انہوں نے اس حدیث میں فرمایا ہے تو وہ کبھی سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اور یزید کے ہاتھوں پر بیعت نہ فرماتے۔ ان کا ان دونوں کے ہاتھوں پر غیر مشروط بیعت فرما لینا اس بات کی بین دلیل ہے کہ وہ ان

دونوں کو خلیفہ سمجھتے تھے شر الملوک نہیں سمجھتے تھے۔

اس حدیث کے غیر صحیح ہونے کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ یہ متعدد صحیح احادیث کے مخالف اور معارض ہے۔ ان میں سے ایک صحیح ترین حدیث وہ ہے جس کو امام بخاری، امام مسلم اور دوسرے کئی ایک محدثین نے اپنی اپنی کتابوں میں نقل کیا ہے۔ یہ حدیث سیدنا جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں اپنے باپ کے ساتھ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا!

((ان هـذا الامر لا ينقضى حتى يمضى فيهم اثنا عشر خليفة، قال: ثم تكلم بكلام خفى على، قال: فقلت لابى ما قال؟ قال كلهم من قريش.))

''اسلامی حکومت اس وقت تک ختم نہ ہوگی جب تک ان میں بارہ خلفاء نہ ہوں۔ سیدنا جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ پھر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آہستہ آواز سے کوئی بات کہی جس کو میں نہ سن سکا، لہٰذا میں نے اپنے والد سے پوچھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا فرمایا؟ انہوں نے کہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ وہ (خلفاء) سب قریش میں سے ہوں گے۔''

ایک اور روایت میں یہ الفاظ ہیں!

((لا يـزال هـذا الامـر عـزيـزاً الىٰ اثنى عشرة خليفة، قال ثم تـكـلـم بشـىء لـم افهـمه فقلت لابى ما قال فقال كلهم من قريش.)) (مسلم ۲/۱۱۹۔ بخاری مع فتح الباری ۳/۱۷۹)

''اسلام بارہ خلفاء کے زمانے تک برابر عزت والا رہے گا۔ سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آپ نے پھر کچھ اور بھی ارشاد فرمایا جس کو میں نہ سمجھ سکا۔ میں نے اپنے باپ سے پوچھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا فرمایا تھا؟ انہوں نے کہا کہ آپ نے فرمایا تھا کہ وہ بارہ خلفاء سب کے سب قریش میں سے ہوں گے۔''

ایک روایت میں یہ الفاظ بھی منقول ہیں:

((لا یزال امر امتی صالحاً .)) (فتح الباری ۳/ ۱۸۰)

"میری امت کے معاملات بہتر رہیں گے۔"

اسی قسم کی ایک اور روایت سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے کہ ان سے ایک مرتبہ ایک شخص نے پوچھا: "اے ابوعبدالرحمٰن! کیا تم لوگوں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ پوچھا تھا کہ اس امت پر کتنے خلیفہ حکومت کریں گے؟ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"جب سے میں عراق آیا ہوں تجھ سے پہلے کسی نے یہ سوال مجھ سے نہیں کیا۔ پھر آپ نے فرمایا: "ہاں، ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارے میں پوچھا تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ بارہ خلیفہ، بنی اسرائیل کے نقیبوں کی تعداد کے برابر (فقال اثنا عشر کعدۃ نقباء بنی اسرائیل)

(مجمع الزوائد ۵/ ۱۹۰۔ مسند ابی داؤد الطیالسی رقم ۱۲۷۸،۹۶۷۔ مسند احمد میں بھی یہ حدیث کئی مقامات پر مرقوم ہے۔ تفسیر ابن کثیر ۲/ ۳۲، فتح الباری ۱۳/ ۸۱)

سنن ابی داؤد میں سیدنا جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ان بارہ خلفاء کی ایک خاص صفت یہ منقول ہے۔

((کلھم تجتمع علیه الامة .)) (سنن ابی داؤد مع عون المعبود ٤/ ١٧٠)

"ان سب پر امت جمع ہو گی۔"

تاریخ اسلام پر نگاہ ڈالنے سے پتہ چلتا ہے کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد امت تشتت و افتراق کا شکار ہوئی اور بجائے دشمنان اسلام کے ساتھ جہاد کرنے کے مسلمان خود آپس میں جنگ و قتال کرنے لگے اور جمل اور صفین کے معرکوں میں مسلمانوں کا قیمتی خون بہا اور اسلام کی ترقی کا ستارہ غروب ہونے لگا۔ آخر ۵۔ ۶ سال کی بدنظمی اور افراتفری کے بعد سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت میں تمام امت نے ایک خلیفہ کے ہاتھ پر بیعت کی اور ایک جھنڈے تلے جمع ہو کر کفار اور دشمنان اسلام کے ساتھ جہاد شروع کیا اور اسلام کی ترقی کا وہی دور شروع ہوا جو سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے دور خلافت اور ان سے پہلی خلافتوں کے دور

میں تھا۔ چنانچہ اس سال کو تاریخ میں ''عام الجماعۃ'' کے نام سے پکارتے ہیں۔

(فتح الباری ۵۳/۱۳۔ البدایۃ النہایۃ ۱۲۰/۸۔ اسد الغابہ ۳۸۷/٤)

علامہ شمس الحق عظیم آبادیؒ اس بارہ میں فرماتے ہیں:

''سنہ ۳۵ھ میں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کا واقعہ پیش آیا اور مسلمانوں میں تفرقہ پیدا ہوا اور سنہ ۳۶ھ میں جنگ جمل اور جنگ صفین کے حادثات رونما ہوئے۔ ان حادثات میں اسلامی سلطنت میں فساد اور افراتفری پیدا ہوگئی اور مسلمانوں کے مابین جنگ و جدال شروع ہوگیا۔ کفار سے کچھ مدت تک جہاد بالکل متروک ہوگیا اور ظاہری نگاہ میں ایسا محسوس ہونے لگا کہ اسلام کمزور اور مضمحل ہوگیا ہے اور اس کا کوکب ترقی غروب ہونے کو ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے (اس تشتت و افتراق کے دور کے بعد) خلافت کے کام کو منتظم فرمایا اور بنوعباس کی خلافت کے ظہور تک جہاد کا سلسلہ پھر جاری رہا۔''

(عون المعبود شرح ابی داؤد ١٧١/٤)

گویا کہ سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد کفار سے جہاد اور اسلام کی نشر و اشاعت میں جو تعطل پیدا ہوگیا تھا اس سے پوری امت کو چھٹکارا مل گیا۔ آپس میں جو دلی منافرت پیدا ہوچکی تھی وہ آپ کے دور میں کلیتًا جاتی رہی اور تمام مسلمان ایک پلیٹ فارم پر اسی طرح اکٹھے ہوگئے جس طرح سیدنا ابوبکر، سیدنا عمر، اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہم کی خلافتوں کے دور میں تھے۔ چنانچہ غیر مسلم مورخین کو بھی یہ کہنا پڑا کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ دولت اسلامیہ کے دوسرے ''مؤسس کبیر'' ہیں۔ (سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارہ میں غیر مسلم مورخین کی آراء کے لیے ملاحظہ ہو ہماری ''کتاب سیرت امیر معاویہؓ'')۔

اس کے مقابلہ میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی بیعت سے اکثر صحابہ رضی اللہ عنہم نے گریز کیا۔ (خطط الشام ۱۳٦/۱) جن میں سیدنا اسامہ بن زید، سیدنا ابوسعید خدری، سیدنا قدامہ بن مظعون، سیدنا صہیب، سیدنا زید بن ثابت، سیدنا محمد بن مسلمہ، سیدنا حسان بن ثابت، سیدنا کعب بن مالک، سیدنا مسلمہ بن مخلد، سیدنا سعد بن ابی وقاص، سیدنا عبداللہ بن عمر، سیدنا طلحہ بن عبیداللہ، سیدنا زبیر بن عوام، سیدنا نعمان بن ثابت، سیدنا فضالہ بن عبید، سیدنا عبداللہ بن سلام، سیدنا

رافع بن خدیج اور سیدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہم وغیرہم کے نام خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: البدایة والنهایة ۲۲۶/۷۔ المحاضرات للخضری ۳۳۷/۲ وغیرہ)

سیدنا جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ کی بارہ خلفاء کے بارہ میں جو روایتیں اوپر نقل کی گئی ہیں ان میں ان خلفاء کی تعداد بتائی گئی ہے جن کے زمانہ میں کلمہ اسلام عزت والا اور مستحکم ہوگا اور اسلام کا نور کرۂ ارض کو منور کرے گا اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور قرآن حکیم کی عظمت کا پھریرا چاردانگ عالم میں لہرائے گا۔ ان خلفاء کا دور دراصل خلافت راشدہ کا دور ہوگا اور اس دور میں اسلام کو دن دگنی رات چوگنی ترقی ہوگی۔ اسی وجہ سے حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے:

((و معنی هذا الحدیث البشارة بوجود اثنا عشر خلیفة صالحاً یقیم الحق و یعدل فیهم .)) (تفسیر ابن کثیر ۳۲/۲)

''اس حدیث کے معنی میں بارہ نیک اور صالح خلفاء کی بشارت مضمر ہے جو حق کو قائم کریں گے اور لوگوں میں عدل وانصاف برپا کریں گے۔''

اب یہ نیک دل اور صالح بارہ خلفاء جن کے دور حکومت میں اسلام عزیز اور مستحکم ہوگا اور ان کا نظام حکومت قرآن وسنت کے مطابق ہوگا اور دنیا میں ہر جانب رشد و ہدایت اور عدل وانصاف کا دور دورہ ہوگا، وہ ہیں کون؟ احادیث میں اگرچہ ان کے نام مذکور نہیں ہیں البتہ علماء نے اپنی کتابوں میں ان کے نام ذکر کیے ہیں۔

((فالا ثنا عشر هم الخلفاء الراشدون ، الاربعة و معاویة وابنه یزید و عبدالملك بن مروان واولاد الاربعة و بینهم عمر بن عبدالعزیز .))

''بارہ خلفاء سے مراد سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ، سیدنا عمر رضی اللہ عنہ، سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ، سیدنا علی رضی اللہ عنہ، سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ، یزید بن معاویہ۔ عبدالملک بن مروان، ولید بن عبدالملک، سلیمان بن عبدالملک، یزید بن عبدالملک، ہشام بن عبدالملک اور عمر بن عبدالعزیز ہیں۔''

(شرح فقه اکبر صفحه ۱۸۴۔ شرح عقیدة الطحاویه صفحه ۵۵۳۔ فتح الباری ۱۸۲/۳)

ملا علی قاریؒ کی اس عبارت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ ایک خلیفہ راشد تھے اور خلافت راشدہ صرف چار خلفاء میں محدود نہیں بلکہ بہت سے خلفاء ہیں جن کی تعداد حدیث میں بارہ ہے جیسا کہ حدیث صحیح میں آتا ہے۔

اس بات کی تائید ایک اور حدیث سے بھی ہوتی ہے جو سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((كانت بنو اسرائيل تسوسهم الانبياء، كلما هلك نبي خلفه نبي وانه لانبي بعدي، و سيكون خلفاء فيكثرون، قالوا! ما تامرنا قال: فوا بيعة الاوّل فالاوّل .))

(بخاری ۱/۴۹۱۔ مسلم ۲/۱۲۶۔ مسند احمد ۲/۲۹۷)

''بنی اسرائیل کی سیاست ان کے انبیاء کیا کرتے تھے، جب کسی نبی کی وفات ہو جاتی تو اللہ تعالیٰ کسی اور نبی کو بھیج دیتے، لیکن میرے بعد کوئی نبی نہیں، البتہ خلفاء ہوں گے اور وہ بہت ہوں گے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ آپ ان کے بارہ میں ہمیں کیا حکم دیتے ہیں؟ فرمایا: ''یکے بعد دیگرے ہر بیعت پر وفا کرو۔''

اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ''یکثرون'' کا لفظ استعمال کر کے یہ واضح کیا کہ آپ کے بعد جو خلفاء ہوں گے، وہ دو چار نہیں بلکہ کثرت سے ہوں گے۔ اس سے معلوم ہوا کہ خلفائے راشدین کو چار میں محدود کرنا صحیح نہیں ہے بلکہ ان کی تعداد کثیر ہے جس کو دوسری حدیث میں ۱۲ کے عدد سے واضح کیا گیا ہے۔ انہی خلفاء کو ایک اور روایت میں ''خلفائے راشدین'' کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ چنانچہ فرمایا:

''جو شخص میرے بعد زندہ رہا وہ بہت زیادہ اختلاف دیکھے گا۔ سو تم پر لازم ہے کہ تم میری اور میرے خلفائے راشدین کی سنت کو جو ہدایت یافتہ ہیں مضبوط پکڑو اور اپنی ڈاڑھوں اور کچلیوں سے محکم طور پر اس کو قابو رکھو۔ اور تم نئی نئی چیزوں سے بچو کیوں کہ ہر نئی چیز بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔''

(ترمذی ۲/۹۲۔ ابن ماجہ صفحہ ۵۔ ابوداؤد ۲/۲۷۹۔ مستدرک حاکم ۱/۹۵۔ مسند الدارمی صفحہ ۲۶۔ مسند احمد ۴/۲۷)

وہ خلفاء جن کو سرکار دو عالم ﷺ نے ''راشدین اور مہدیین'' کے الفاظ سے تعبیر کیا ہے ان میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ بھی شامل ہیں کیوں کہ ان کو رسول اللہ ﷺ نے "اللھم اجعله هادياً مهدياً واهدبه" یعنی اے اللہ! معاویہ کو ہدایت دینے والا اور ہدایت یافتہ بنا دیجیے اوراس کے ذریعہ سے لوگوں کو ہدایت دیجیے۔

(ترمذی ۲/۲٤۷۔ اسدالغابہ ٤/۳۸٦۔ تاریخ بغداد ۱/۲۰۸)

جس شخصیت کو آپ نے ہادی اور مہدی فرمایا ہو اگر وہ ''راشدین اور مہدیین'' میں شامل نہیں تو پھر میں نہیں سمجھتا کہ اس زمرہ میں اور کون شامل ہے۔ یہ صرف تعصب اور رافضی پروپیگنڈے کا اثر ہے کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو راشدین ومہدیین میں شمار نہیں کیا جاتا۔

معلوم ہوا کہ خلافت راشدہ کو تیس سال میں محدود کرنے والی حدیث سفینہ روایتاً اور درایتاً غیر صحیح ہے۔ اس کے علاوہ اور کوئی دلیل خلافت راشدہ کو تیس سال میں محدود کرنے والی نہیں ہے بلکہ ذخیرہ حدیث میں کئی ایسی روایات ہیں جو اس روایت کی تردید کرتی ہیں۔ ان میں ایک روایت تو بارہ خلفاء والی ہے جس کا تذکرہ گزشتہ سطور میں ہو چکا ہے۔ اس سلسلہ میں ایک اور روایت سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے جس میں صحیح حقیقت حال کو ان الفاظ میں واضح کیا گیا ہے۔ سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''اسلام کی چکی ۳۵ یا ۳٦ سال کے بعد بند ہو جائے گی۔ پھر اگر لوگ ہلاک ہو گئے تو ان کا بھی وہی راستہ ہے جو اور ہلاک ہونے والوں کا ہے۔ اور اگر ان کا دین ان کے لیے قائم رہ گیا تو ستر سال تک قائم رہے گا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: ''یا رسول اللہ! گزشتہ زمانہ ملا کر (ستر سال) یا صرف آئندہ کے؟ فرمایا: ''صرف آئندہ کے۔'' (ازالۃ الخفا ۱/۲٦۷۔ فتح الباری ۳/۱۸۱)

اس حدیث کے بارہ میں شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

((ومضمون این حدیث در خارج ظہور یافت زیرا کہ در سن خمس وثلاثین حضرت عثمان مقتول شد وامر جہاد برہم خورد و باز در زمان معاویہ بن ابی سفیان امر جہاد قائم گشت واز اں تاریخ بعد ہفتاد سال دولت بنوامیہ متلاشی شد.))

(ازالۃ الخفا ۱/۲٦۷)

''اس حدیث کا مضمون خارج میں ظاہر ہو گیا کیوں کہ سنہ ۳۵ھ میں سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ شہید ہوئے اور جہاد کا انتظام بگڑ گیا۔ پھر سیّدنا معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کے عہد خلافت میں جہاد کا انتظام قائم ہوا اور اس تاریخ سے ستر برس کے بعد بنو امیہ کی سلطنت ختم ہو گئی۔''

اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ خلافت راشدہ کی بھی دو قسمیں ہیں۔ خلافت راشدہ کا ایک دور تو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت پر ختم ہو گیا اور دوسرا دور خلفائے بنو امیہ پر ختم ہو گیا۔ لہٰذا جس طرح کی خلافت راشدہ پہلے دور کی تھی خلافت راشدہ کا دوسرا دور اس طرح کا نہیں تھا جس کی کئی وجوہات ہیں جن کا تذکرہ آئندہ کیا جائے گا۔ چنانچہ شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((بنقل متواتر کہ در شرعیات نقلے معتمد تر ازاں یافتہ نمی شود بثبوت پیوستہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فتنہ را کہ نزدیک مقتل حضرت عثمان پیدا شد مطمح اشارہ ساختہ اند و آن را بتفصیلے کہ زیادہ ازاں در شرائع یافتہ نشود بیان فرمودہ اند و آن را حد فاصل نہادہ اند درمیان زمان خیر و زمان شر و گواہی دادہ اند کہ دریں وقت خلافت علی منہاج النبوت منقطع شود و ملک عضوض پدید آید و معنی لفظ عضوض دلالت می کند بر حروب و مقاتلات و جھیدن یکے بعد دیگرے در ملک، و لہٰذا در احادیث بسیار خلفائے ثلاثہ را در یک حکم جمع کردند تا آنکہ ظن قوی بہم رسید کہ ہر سہ بزرگ فی مرتبۃ من المراتب متفق اند و غیر ایشاں در آں مرتبہ شریک ایشاں نیست و در بعض احادیث لفظے کہ مشعر بانقطاع خلافت باشد ارشاد فرمودند.))

(ازالۃ الخفا ۱/۳۰۶)

''یعنی نقل متواتر سے کہ جس سے زیادہ معتبر شرعیات میں کوئی نقل نہیں ہے، یہ امر ثابت ہو چکا ہے کہ جو فتنہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے قریب پیدا ہوا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی جانب اشارہ کیا اور ایسی تفصیل کے ساتھ بیان فرمایا جس سے زیادہ تفصیل دوسرے احکام شرعیہ میں نہیں پائی جاتی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کو زمانہ خیر اور زمانہ شر کے درمیان

حد فاصل قرار دیا اور فرمایا کہ بعد شہادت عثمان کے خلافت علیٰ منہاج النبوت نہ رہے گی اور کاٹنے والی سلطنت ظاہر ہوگی۔ ''کاٹنے والی'' کے لفظ سے واقعات حرب و قتال کا پیش آنا اور ایک کا دوسرے پر حملہ کرنا اور سلطنت کے لیے ایک کا دوسرے کے ساتھ جھگڑنا بخوبی معلوم ہوتا ہے اور اسی وجہ سے (کہ پہلی خلافتیں بر طریق نبوت تھیں اور فتنہ سے محفوظ تھیں) اکثر احادیث میں خلفائے ثلاثہ کو ایک ہی حکم میں جمع کیا گیا ہے یہاں تک کہ ظن قوی کے ساتھ معلوم ہوا کہ یہ تینوں بزرگوار کسی نہ کسی مرتبہ میں (یعنی خلافت کے برحق نبوت ہونے اور فتنہ سے محفوظ رہنے میں) باہم برابر ہیں اور ان کے ساتھ اس مرتبہ میں ان کا کوئی شریک نہیں ہے۔ اور رسول اللہ ﷺ نے بعض احادیث میں صاف صاف ایسے الفاظ فرما دیے ہیں جن سے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد خلافت علیٰ منہاج النبوۃ کا ختم ہو جانا مفہوم ہوتا ہے۔''

شاہ ولی اللہ رضی اللہ عنہ کی اس عبارت سے مندرجہ ذیل امور ثابت ہوئے:

(۱) خلافت علیٰ منہاج النبوۃ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت پر ختم ہوگئی تھی، اس کے بعد والی خلافتیں اس پایہ کی نہ تھیں جس پایہ کی یہ پہلی تین خلافتیں تھیں۔

(۲) ملک عضوض (کاٹنے والی سلطنت) سے مراد مسلمانوں کی باہمی چپقلش اور آویزش ہے جس کا آغاز سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ہوا۔

(۳) سیدنا علی اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہما کی خلافتیں دونوں باہم برابر تھیں۔ اگر سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت ''خلافت راشدہ'' نہ تھی تو پھر سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی خلافت بھی خلافت راشدہ کیسے ہوسکتی ہے؟

شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے اپنی اسی کتاب میں اس مسئلہ کو ان الفاظ میں حل کیا ہے۔ آپ حدیث ((الخلافة بعدی ثلاثون سنة)) ''خلافت میرے بعد تیس سال ہوگی'' پر بحث فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ خلافت خاصہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت

سے ختم نہیں ہوئی بلکہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا زمانہ بھی اس میں داخل ہے کیوں کہ ان کا زمانہ شامل کیے بغیر تیس سال مکمل نہیں ہوتے، لہٰذا اس حدیث کے معنی کی تحقیق بھی سمجھ لو۔ بات دراصل یہ ہے کہ خلافت خاصہ دو وصف سے مرکب ہے۔ پہلا وصف خلیفہ خاص کا موجود ہونا۔ دوسرا وصف اس کے تصرف یعنی احکام کا جاری ہونا اور سب مسلمانوں کا اس پر متحد و متفق ہو جانا۔'' (ازالة الخفا ۱/۳۰۷)

اس بحث کے بعد شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے یہ ثابت کیا ہے کہ خلافت خاصہ کے ان دو اوصاف میں سے پہلا وصف سیدنا علی رضی اللہ عنہ میں پایا جاتا تھا اور دوسرا ان میں مفقود تھا، اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ میں دوسرا وصف پایا جاتا تھا جب کہ پہلا ان میں مفقود تھا۔ اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت بالکل سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کی طرح تھی [1] اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کو چونکہ راشدہ مانا جاتا ہے لہٰذا کوئی وجہ نہیں کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کو بھی راشدہ نہ مانا جائے۔

شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے جلیل القدر پوتے شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ نے بھی خلافت راشدہ کی دو قسمیں بیان فرمائی ہیں:

(۱) خلافت منتظمہ

(۲) خلافت غیر منتظمہ

پہلی خلافت کا اختتام سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت پر ہو گیا جب کہ دوسری خلافت غیر منتظمہ میں انہوں نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی مثال دی ہے لیکن ہمارے خیال میں اسی خلافت

---

[1] سیدنا علی اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہما کے مابین ایک خاص مناسبت معلوم ہوتی ہے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد ان کے فرزند ارجمند سیدنا حسن رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے اور ان کے بعد خلافت سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے خاندان میں چلی گئی، اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے انتقال کے بعد بھی ان کا بیٹا یزید خلیفہ ہوا اور اس کے بعد خلافت دوسرے خاندان یعنی بنو مروان میں چلی گئی۔ لہٰذا سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ پر یہ اعتراض کہ انہوں نے خلافت کو موروثی بنایا، سراسر غلط ہے کیوں کہ ان کی نسل میں تو صرف یزید تک خلافت رہی اس کے بعد تو دوسرے خاندان کے پاس چلی گئی۔ اگر کوئی یہ کہے کہ سیدنا مروان رضی اللہ عنہ بھی تو بنو امیہ میں سے تھے تو اس کا جواب یہ ہے کہ بنو امیہ ایک بہت بڑا خاندان تھا۔ سیدنا مروان رضی اللہ عنہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے زیادہ قریبی تھے۔ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے ان کا دور کا تعلق تھا۔ اور اس لحاظ سے تو بنو امیہ اور بنو ہاشم بھی آپس میں ملتے ہیں۔

راشدہ غیر منتظمہ میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت بھی آتی ہے کیوں کہ شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ جس کو خلافت غیر منتظمہ کا نام دیتے ہیں، وہ وہی خلافت ہے جس کو شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے "ازالۃ الخفاء" صفحہ ۳۰۷ میں لکھا ہے کہ خلافت کے دو وصفوں میں ایک وصف اس میں نہ پایا جاتا ہو۔ اور خلافت کے دو وصف یہ ہیں!

(۱) خلیفہ خاص کا موجود ہونا۔

(۲) اس کا تصرف یعنی احکام کا جاری ہونا اور سب مسلمانوں کا اس پر متفق ہونا۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ میں وہ تمام صفات پوری طرح موجود تھیں جو خلافت خاصہ (خلافت راشدہ) کے لیے شرط اوّل ہیں لیکن اجتماع کلمہ مسلمین اور انتظام مملکت کی وہ دوسری شرط نہیں پائی جاتی تھی جو اس کے لیے ضروری ہے کیوں کہ ان کے دور میں مسلمانوں میں باہمی افتراق وانتشار رہا اور ان کا تصرف اقطار ارض میں نافذ نہیں ہوا یہاں تک کہ اہل حل وعقد کی کثیر تعداد نے ان کی بیعت نہیں کی۔ چنانچہ شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

((آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم در بسیارے از احادیث متواترہ مرویہ بطریق متعددہ بیان فرمودند کہ امت بر حضرت مرتضٰی جمع نشود۔)) (ازالۃ الخفاء ۲/۲۷۵)

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد طریقوں سے مروی بہت سی احادیث متواترہ میں بیان فرمایا ہے کہ امت سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی خلافت پر جمع نہ ہوگی۔"

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی بیعت کے بارہ میں فرماتے ہیں:

((فان اکثر من المسلمین اما النصف و اما اقل أو اکثر لم یبایعوہ ولم یبایعوا سعد ابن ابی وقاص ولا ابن عمر ولا غیرھما .)) (منھاج السنۃ ۲/۲۳۷)

"مسلمانوں کی ایک اچھی خاصی تعداد یا اس سے کم یا زیادہ نے (سیدنا علی رضی اللہ عنہ) کی بیعت نہیں کی تھی اور سعد بن ابی وقاص اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اور نہ دوسرے جلیل القدر صحابہ نے ان کی بیعت کی۔"

چنانچہ یہی وجہ تھی کہ جنگ صفین کے لیے جب آپ نے فوج تیار کی تو اہل مدینہ نے

پ کے ساتھ چلنے سے انکار کر دیا۔ تواریخ میں ہے کہ:

((فندب اهل المدينة للمسير هم فتثاقلوا .))

(ابن اثیر جلد ۳ صفحہ ۱۰۵۔ طبری جلد ۵ صفحہ ۱٦٤)

''اہل مدینہ کو ساتھ چلنے کے لیے آپ نے بلایا لیکن انہوں نے اپنا پہلو بچایا۔''

مہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے اور زیادہ واضح الفاظ میں اہل مدینہ کے طرز عمل کو بیان کیا ہے کہ:

((وكان على لما عزم على قتال اهل الشام قد ندب اهل المدينة الى الخروج معه فابوا عليه .)) (البداية والنهاية جلد ٧ ص ٢٣٠)

''سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے جب اہل شام کے ساتھ جنگ کا عزم کیا تو انہوں نے اہل مدینہ کو ساتھ چلنے کے لیے کہا لیکن انہوں نے انکار کر دیا۔''

اور تو اور، خود سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے بڑے حقیقی بھائی سیّدنا عقیل بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے بھی پ کو چھوڑ دیا اور وہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس شام چلے گئے اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ھ مل کر صفین کی جنگ لڑی۔ چنانچہ شیعی مورخ لکھتا ہے:

((وفارق (عقيل) اخاه علياً امير المومنين فى ايام خلافته و هرب الى معاوية و شهد صفين معه .))

(عمدة المطالب فى انساب آل ابى طالب صفحه ١٥)

''اور عقیل (رضی اللہ عنہ) اور اپنے بھائی علی (رضی اللہ عنہ) امیر المومنین سے ان کے ایام خلافت میں علیحدہ ہو گئے اور معاویہ (رضی اللہ عنہ) کے پاس چلے گئے اور معاویہ (رضی اللہ عنہ) ہی کے ساتھ مل کر انہوں نے (علی رضی اللہ عنہ سے) صفین کی جنگ لڑی۔''

اس کے مقابلہ میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور میں خلیفہ خاص کی صفات اگرچہ ویسی نہ ں جیسی سیدنا علی رضی اللہ عنہ میں تھیں کیونکہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ بہرحال سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے افضل اور ق فی الاسلام تھے، لیکن دوسری شرط ان کے دور میں بدرجہ اتم پائی جاتی تھی۔ ان کے زمانہ تمام لوگ ایک خلیفہ پر مجتمع ہو گئے تھے اور امت میں انتشار و افتراق یک قلم ختم ہو گیا تھا ں تک کہ اس سال ہی کو ''عام الجماعت'' کہا جاتا ہے۔ (ملاحظہ ہو: فتح الباری ۱۳ صفحہ ۵۳۔

ایة والنهاية جلد ٨ صفحه ٢١، ١٣١۔ اسدالغابة جلد ٤ صفحه ٣٨٧)

امام ابوزرعہ رازی رحمۃ اللہ علیہ نے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح کے بعد سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع نقل کیا ہے، اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہے کہ:

((لا تجتمع امتی علی الضلالة .))

''میری امت گمراہی پر کبھی جمع نہیں ہو گی۔''

جب امت گمراہی پر جمع نہیں ہو سکتی تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جو ''خیر الناس'' ہیں وہ گمراہی پر کیسے جمع ہو سکتے ہیں۔ چنانچہ امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پائی ہے جن میں سیدنا سعد بن ابی وقاص، سیدنا اسامہ، سیدنا جابر، سیدنا عبداللہ بن عمر، سیدنا زید بن ثابت، سیدنا مسلمہ بن مخلد، سیدنا انس بن مالک اور ان کے علاوہ اور بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، یہ سب حضرات اندھیروں کے چراغ، علم کے مٹکے تھے، نزول قرآن کے موقعوں پر یہ حضرات موجود تھے اور انہوں نے براہ راست سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے مراد قرآن سمجھی ہے۔ (ان سب نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کی اور انہیں امیر المومنین اور خلیفہ اسلام تسلیم کیا)۔ (تاریخ ابوزرعہ ۱/۳۰۹۔ البدایة والنهاية ۸/۱۳۳)

اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا کسی مسئلہ پر اکٹھے ہو جانا ایسا ہی ہے جیسا کہ یہ مسئلہ قرآن و سنت سے ثابت ہے۔ چنانچہ امام سرخسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

((ان ما اجمع عليه الصحابة فهو بمنزلة الثابت بالكتاب و السنة .)) (اصول سرخسی ۱/۳۱۸)

''جس مسئلہ پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجماع کر لیں وہ کتاب و سنت سے ثابت شدہ حقیقت کی طرح ہوتا ہے۔''

اسی سلسلہ میں حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی قدس سرہ نے فرمایا:

''جو لوگ ترمذی کی حدیث ''الخلافة بعدی ثلاثون سنة'' کہ خلافت میرے بعد تیس سال رہے گی سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کو ملوکیت قرار دیتے ہیں وہ ذرا اس حدیث پر بھی غور فرمائیں جس کو امام ترمذی، ابوداؤد رحمہم اللہ

نے حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے:

ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: ''میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ ایک ترازو آسمان سے اتری اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر رضی اللہ عنہ تولے گئے تو آپ کا وزن زیادہ رہا۔ پھر ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما تولے گئے تو ابوبکر رضی اللہ عنہ کا وزن زیادہ رہا۔ پھر عمر اور عثمان رضی اللہ عنہما تولے گئے تو پھر عمر رضی اللہ عنہ کا وزن زیادہ رہا۔ پھر وہ ترازو اٹھالی گئی۔

اس خواب کو سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رنجیدہ ہوئے اور فرمایا:

((خلافة نبوة ثم يؤتى الملك من يشاء .))

(مشکوٰۃ، مناقب ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما)

''یہ خلافت نبوت ہے، اس کے بعد اللہ تعالیٰ جسے چاہے گا بادشاہت عطا فرمائے گا۔''

اس حدیث کے بارہ میں چند معروضات ہیں!

(۱) اس سے معلوم ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بعد خلافت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا درجہ ہے جس سے ان لوگوں کا خیال رد ہو گیا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنانا اچھا ہوتا۔

(۲) حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد ملوکیت ہو گی، ہر چند کہ خلافت راشدہ کا اختتام سیدنا علی رضی اللہ عنہ پر ہوتا ہے اور بالاتفاق آپ کی خلافت بھی خلافت راشدہ ہے لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ سیدنا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت تک خلافت راشدہ کا ایک خاص اعلیٰ درجہ تھا جسے لسان نبوت نے ''خلافت نبوت'' فرمایا ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی اصطلاح میں اس کا نام ''خلافت راشدہ خاصہ'' ہے جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر ختم ہو گئی۔

(۳) اگرچہ یہ ایک صحابی کا خواب ہے مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو رد نہیں فرمایا بلکہ اس کو صحیح مان کر اس کی تعبیر بھی ارشاد فرمائی، اس لیے اس کے حجت ہونے میں کلام نہیں ہو سکتا۔

(۴) رسول اللہ ﷺ اس خواب کو سن کر رنجیدہ کیوں ہوئے؟ اس کا سبب، واللہ اعلم، یہ ہے کہ حضور ﷺ کو یہ معلوم کر کے رنج ہوا کہ ''خلافت راشدہ خاصہ'' کی مدت تین خلفاء پر ختم ہو جائے گی۔ اس کے بعد خلافت کی وہ شان نہ رہے گی جو خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم کے عہد میں ہوگی۔ چنانچہ اس کے بعد مسلمان کافروں سے لڑنے کے بجائے آپس میں لڑنے لگے تا آنکہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے خلافت کی باگ ڈور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں دے دی تو پھر بحر و بر میں اسلامی جھنڈا لہراتا ہوا نظر آنے لگا اور فتوحات اسلامیہ کا دروازہ کھل گیا۔ (براءۃ عثمان صفحہ ٦٣۔٦٤)

ایک اور مقام پر حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

''کہا جاتا ہے کہ ترمذی کی ایک حدیث میں ہے کہ

((الخلافة بعدی ثلاثون سنة ثم تکون ملکا .))

''میرے بعد خلافت تیس سال رہے گی پھر بادشاہی ہوگی۔''

اگر اس حدیث کے ضعف سے قطع نظر کر لی جائے ❶ جیسا کہ ناقدین حدیث نے تصریح کی ہے تو ایک دوسری حدیث میں یہ بھی ہے:

((تدور رحی الاسلام لخمس و ثلاثین أو ست و ثلاثین أو سبع و ثلاثین .)) (رواہ ابوداؤد، مشکوٰۃ صفحہ ٤٦٥)

''اسلام کی چکی میرے بعد پینتیس یا چھتیس یا سینتیس سال تک چلتی رہے گی۔''

اس کا مطلب یہ تو نہیں ہوسکتا ہے کہ سینتیس سال کے بعد حکومت اسلام ختم ہو جائے گی۔ یہ تو واقعہ کے خلاف ہے۔ بس یہی مطلب ہوسکتا ہے کہ اسلام اپنی پوری شان کے ساتھ صحیح طریقہ پر اپنی مدت تک یہی رہے گا تو اس میں سات سال خلافت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بھی شامل ہیں۔ پھر ان کو خلفاء سے الگ کیوں کر کیا جا سکتا ہے۔ نیز مسلم شریف کی حدیث صحیح میں حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے

---

❶ مولانا کی اس عبارت سے معلوم ہوا کہ آپ کے اور ناقدین حدیث کے نزدیک بھی یہ حدیث صحیح نہیں ہے جس پر ہم نے خلافت راشدہ کو تیس سال میں محدود کر دیا ہے اور اس کو ایک عقیدہ کی حدیث دے دی ہے۔

روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا

((لایزال ھذا الدین عزیزاً منیعاً الیٰ اثنا عشر خلیفة کلھم من قریش .)) (مسلم ۲/۱۱۹)

”یہ دین اسلام معزز اور مضبوط رہے گا بارہ خلفاء تک جو سب قریش سے ہوں گے۔“

ان بارہ میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ یقیناً داخل ہیں کہ وہ یقیناً صحابی ہیں اور ان کی خلافت میں اسلام کو عروج بھی بہت تھا، فتوحات بھی ہوئیں۔ حدیث میں ان بارہ کو ”خلیفہ“ کہا گیا ہے، ”ملک“ نہیں کہا گیا۔ مجمع الزوائد اور جامع صغیر میں ہے:

((ان عدة الخلفاء بعدی عدة نقباء موسیٰ .))

”میرے خلفاء کی تعداد موسیٰ علیہ السلام کے نقباء کے برابر ہے۔“

اس سے بھی بارہ خلفاء کا ”خلیفہ“ ہونا ثابت ہے۔ قرآن حکیم میں بھی آیا ہے کہ

﴿وَ بَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَيْ عَشَرَ نَقِيبًا﴾ (المائدہ: ۱۲)

”اور ہم نے قوم موسیٰ میں بارہ نقیب مقرر کیے تھے۔“

(براءة عثمان صفحہ ۴۵۔ ۴۶)

اعلیٰ حضرت جناب احمد رضا خان صاحب بریلوی بھی سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو خلیفہ راشد تسلیم کرتے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ خلافت راشدہ کو تیس سال میں محدود نہیں سمجھتے تھے۔ چنانچہ ان کے ملفوظات میں ہے کہ

عرض: خلافت راشدہ کس کس کی خلافت تھی؟

ارشاد: ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، عمر فاروق رضی اللہ عنہ، عثمان غنی رضی اللہ عنہ، مولا علی رضی اللہ عنہ، امام حسن رضی اللہ عنہ، امیر معاویہ رضی اللہ عنہ، اور عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کی خلافت ”خلافت راشدہ“ تھی۔“

(ملفوظات احمد رضا خان ۳/۳۱۹)

داخلی انتشار ختم ہوتے ہی دشمنانِ اسلام سے جہاد جو سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کے دوران بند ہو گیا تھا، پھر سے شروع ہو گیا اور پوری سلطنت میں کامرانی اور شادمانی کا پھریرا لہرانے لگا۔ چنانچہ علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے:

((الجهاد فی بلاد عدو قائم و کلمة اللّٰه عالیة و الغنائم ترد الیه من اطراف الارض والمسلمون معه فی راحةٍ و عدلٍ وصفحٍ و عفوٍ .)) (البدایة والنہایة ، جلد ۸ ، ص ۱۱۹ .)

''(سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں)دشمن کے ممالک میں جہاد کا سلسلہ جاری تھا اور اللہ کا کلمہ بلند ہو رہا تھا اور غنیمتیں زمین کے سب گوشوں سے سمٹ کر آپ کے پاس آتی تھیں اور مسلمان آپ کے دورِ خلافت میں عدل و انصاف اور راحت و آرام سے اپنی زندگی کے دن گزارتے تھے۔''

گویا کہ ہر جانب مرفہ حالی کا دور دورہ تھا، سلطنت کی پنہائیوں میں ہر جانب اضافہ ہو رہا تھا۔ سمندر پار کے علاقوں میں بھی اسلامی پھریرا لہرانے لگا۔ رعیت کی گرویدگی اور شیفتگی آپ کے ساتھ پوری طرح وابستہ تھی اور آپ کے حسن سلوک نے رعایا کے ہر متنفس کے دل کو موہ لیا ہوا تھا۔ چنانچہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

((کانت سیرة معاویة مع رعیتهٖ من خیار امیر الولاة و کان رعیته یحبونه و قد ثبت فی الصحیحین عن النبی ﷺ انه قال خیار ائمتکم الذین تحبونهم و یحبونکم و تصلون علیهم ویصلون علیکم وشرار ائمتکم الذین تبغضونهم یبغضونکم و تلعونهم و یلعنونکم .))

''سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا رعایا سے سلوک بہترین حکمرانوں کی طرح تھا اور آپ کی رعایا کو آپ سے انتہائی محبت تھی اور صحیحین کی حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تمہارے بہترین امام وہ ہیں جن سے تم محبت کرو اور وہ تم سے محبت کریں، تم ان کے لیے دعائیں کرو اور وہ تمہارے لیے دعائیں کریں اور تمہارے بدترین امام وہ ہیں جن سے تم بغض رکھو اور وہ تم سے بغض رکھیں اور تم ان پر لعنتیں بھیجو اور وہ تم پر لعنتیں بھیجیں۔''

(منہاج السنة جلد ۳ صفحہ ۱۸۹)

ہمارے اس نظریہ کی تائید مشہور مورخ بلکہ فلسفہ تاریخ اور عمرانیات کے امام علامہ ابن خلدون نے بھی اپنی تاریخ میں کی ہے۔ علامہ فرماتے ہیں کہ:۔

((وقد كان ينبغي ان تلحق دولة معاوية و اخباره بدول الخلفاء و اخبارهم فهو تأليهم في الفضل و العدالة و الصحبة، ولا ينظر في ذالك الى حديث "الخلافة بعدى ثلاثون" فانه لم يصح و الحق ان معاوية في عداد الخلفاء وانما اخره المورخون في التأليف عنهم لامرين.))

''چاہیے یہ تھا کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی حکومت اور ان کے حالات و واقعات کو ان سے پہلے خلفاء (سیدنا ابوبکر، سیدنا عمر، سیدنا عثمان، سیدنا علی، اور سیدنا حسن رضی اللہ عنہم اجمعین) کی حکومت اور حالات و واقعات کے ساتھ ذکر کیا جاتا کیونکہ آپ عظمت و فضیلت، عدالت اور شرف صحابیت میں ان کے ساتھ ہیں اور اس بارہ میں حدیث "والخلافة بعدى ثلاثون سنة" (میرے بعد خلافت تیس برس تک رہے گی) کی طرف کوئی توجہ اور التفات نہیں کیا جائے گا کیونکہ وہ حدیث (روایت و درایت کے لحاظ سے) صحیح نہیں۔ سچی بات یہ ہے کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اپنے پہلے خلفاء کے زمرہ میں شامل ہیں اور مورخین نے انہیں جو اپنی کتابوں اور تالیفات میں الگ اور بعد میں ذکر کیا ہے اس کے دو سبب ہیں:

(۱) پہلا سبب یہ کہ ان کے زمانۂ خلافت میں مغالبہ کی صورت پیدا ہوگئی تھی حالانکہ اس سے پہلے وہ ایک اختیاری اور اجماعی چیز تھی۔ چنانچہ مورخین اسلام نے ان دونوں حالتوں میں فرق کر دیا ہے۔ اس وجہ سے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ ان خلفاء میں سے سمجھے جانے لگے جن میں مغالبے اور عصبیت کا پہلو شامل ہے۔ اس شے کو ''اہل الاہواء'' ملوکیت سے تعبیر کرتے ہیں۔ لیکن سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو ان لوگوں کے ساتھ کوئی مماثلت اور مشابہت نہیں ہے۔ وہ خلفائے راشدین میں سے ہیں۔ اسی طرح ان کے بعد والے خلفاء کا حال ہے۔

اس معاملہ میں قانون شرعی یہ ہے کہ ان کے افعال و اعمال کو قرآن حکیم اور احادیث صحیحہ کی روشنی میں دیکھا جائے۔ پس جس کے افعال و اعمال اس کے مطابق ہوں وہ نبی اکرم ﷺ کا صحیح خلیفہ (خلیفہ راشد) ہے اور جس کے افعال و اعمال احادیث صحیحہ اور قرآن حکیم کے مطابق نہیں تو وہ ''بادشاہ'' ہے اگر چہ اس کو مجازی طور پر لوگ ''خلیفہ'' ہی کیوں نہ کہیں۔'' (تاریخ ابن خلدون جلد ۲ صفحہ ۱۱٤۱ ملخصاً)

(۲) علامہ ابن خلدون نے دوسرا سبب جس کی وجہ سے مورخین نے ان کا ذکر خلفائے راشدین کے ساتھ نہ کیا اور جس کی وجہ سے لوگوں کو ان کے خلیفۂ راشدہ ہونے میں غلط فہمی ہوگئی ہے، یہ بیان کیا ہے کہ:

((فی ذکر معاویة مع خلفاء بنی امیة دون الخلفاء الاربعة فانهم كانوا اهل نسب واحد، عظیمهم معاویة فجعل مع اهل نسبه۔ والخلفاء الاوّلون مختلفو الانساب فجعلوا فی نمط واحد۔ والحق بهم عثمان و ان کان من اهل هذا النسب للحوقة بهم قريباً فی الفضل۔ والله نحشرنا فی زمرتهم ويرحمنا بالاقتداء بهم.))

''دوسرا سبب جس کی وجہ سے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو خلفائے اربعہ کے بجائے خلفائے بنوامیہ کے ساتھ ذکر کیا گیا یہ ہے کہ بنوامیہ کے خلفاء سب ایک ہی سلسلہ نسب سے تعلق رکھتے تھے اور ان سب میں عظیم اور بڑے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ تھے اس وجہ سے پہلے چاروں خلفاء مختلف سلسلہ ہائے نسب سے تعلق رکھتے تھے، لہٰذا انہیں ایک ہی سلسلہ میں ذکر کیا گیا اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اگر چہ بنوامیہ میں سے تھے لیکن انہیں پہلے خلفاء کے ساتھ شرف وفضل میں قرابت کی وجہ سے ملا دیا گیا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان کے زمرے میں سے اٹھائے اور اور ان کی اقتداء پر ہمیں اپنی رحمت سے نوازے۔'' (تاریخ ابن خلدون جلد ۲ صفحہ ۱۱٤۲)

علامہ ابن خلدون کی اس عبارت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی

خلافت اسی درجہ کی خلافت تھی، جس درجہ کی خلافت سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور دوسرے خلفائے راشدین کی خلافت تھی اور ان دونوں خلافتوں میں کوئی فرق نہیں تھا۔ ان خلافتوں میں حکومت کی کلیدی آسامیوں پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم فائز تھے اور ملک میں کتاب وسنت کا قانون جاری و ساری تھا اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت میں بھی حکومت کے اعلیٰ عہدوں اور کلیدی آسامیوں پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہی تھے اور تمام مملکت اسلامیہ میں شریعت اسلامیہ کا قانون نافذ تھا اور ہر طرف رشد و ہدایت کا دور دورہ تھا۔ بلکہ یہ بھی بتایا کہ ان کے بعد بھی وہ خلفاء جنہوں نے اپنی حکومت کو قرآن وسنت کے مطابق چلایا وہ خلیفہ راشد تھے۔ اور خلافت راشدہ کو تیس سال میں محدود و مقید کرنے کی بھی پر زور تردید کی ہے اور یہ بھی واضح کیا ہے کہ وہ حدیث جس کی رو سے خلافت راشدہ کو تیس سالوں میں محدود کیا جاتا ہے روایت و درایت کی رو سے صحیح نہیں ہے۔ اس حدیث کے علاوہ خلافت کو تیس سال میں محدود کرنے والوں کے پاس اور کوئی دلیل نہیں۔ اگر ہے تو پیش کریں۔ اس حدیث پر تفصیلی بحث ہم نے گزشتہ صفحات میں کر دی ہے۔

جیسا کہ گزشتہ صفحات میں ذکر کیا جا چکا ہے کہ خلافت راشدہ کے دو دور تھے۔ ایک دور تو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت پر ختم ہو گیا جیسا کہ شاہ ولی اللہ دہلوی نے ذکر فرمایا ہے (ملاحظہ ہو ازالۃ الخفاء جلد ۱ صفحہ ۳۰۷) اور دوسرا دور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی خلافت سے شروع ہوا اور ان کے بعد کئی سال تک رہا۔ کیونکہ جوں جوں زمانہ نبوت سے بعد ہوتا گیا خلافت کے خصائص و اوصاف میں بھی تغیر آتا گیا۔ زمانہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ میں جو خصوصیات تھیں وہ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی خلافت کے دوران میں نہ تھیں اور سیدنا فاروق رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں جو خصوصیات تھیں وہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں نہ تھیں۔ اور سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کا زمانہ تو فتنہ و آشوب کا زمانہ تھا۔ اس میں تو اور بھی خلافت راشدہ کی خصوصیات میں کمی واقع ہو گئی۔ اسی طرح سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں کچھ اور زیادہ کمی آئی لیکن جس طرح سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی خلافت ''خلافت راشدہ کی خصوصیات'' کی کمی کے باعث خلافت راشدہ ہی رہی حالانکہ اکثریت نے آپ کے دست مبارک پر بیعت نہیں کی تھی اسی طرح سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ

کی خلافت بھی خلافت راشدہ ہی تھی اگرچہ زمانہ نبوت سے مزید بعد کے باعث اس میں خلافت راشدہ کی خصوصیات میں کچھ کمی تھی، لیکن وہ روح باقی تھی جو خلافت راشدہ کی جان ہے۔ اسی وجہ سے علماء نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ تک کی خلافت راشدہ کے مقام اور اس کے بعد کی خلافتوں کے مقام میں کچھ فرق کیا ہے۔ چنانچہ امام اہل مدینہ سیدنا مالک بن انس سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی سنت کو وہ مقام نہیں دیتے تھے جو سیدنا ابوبکر، سیدنا عمر اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہم کی سنت کو دیتے تھے۔ چنانچہ علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ

((احمد بن حنبل و کثیر من العلماء یتبعون علیاً فیما سنه کما یتبعون عمر و عثمان فیما سناه و اٰخرون من العلماء کمالك وغیره لایتبعون علیاً فیما سنه و کلهم متفقون علی اتباع عمر و عثمان فیما سناه.))

"امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ اور اکثر علماء سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی سنت کی اسی طرح اتباع کرتے ہیں جس طرح سیدنا عمر اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہما کی سنت کی اتباع کرتے ہیں اور دوسرے علماء جیسے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی سنت کی اس طرح اتباع نہیں کرتے ہیں، لیکن سیّدنا عمر اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہما کی سنت کی اتباع میں وہ سب متفق و متحد ہیں۔"

(منهاج السنة جلد ٤ صفحه ٥١۔ انهاء السکن صفحه ١١١ مولانا ظفر احمد عثمانی)

اس سلسلہ میں کہ ہر خلیفہ راشد سیدنا ابوبکر اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ ہی کی طرح ہو، مصر کے مشہور فاضل شیخ محب الدین خطیب نے کیا اچھی بات ارشاد فرمائی ہے۔ لکھتے ہیں:

"اگر اہلیت کا پیمانہ اور مقیاس یہ ہے کہ خلیفہ اپنی مجموعی سیرت کے لحاظ سے سیدنا ابوبکر اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ ہی کی مانند ہو تو پھر اسلام کی تاریخ میں اس طرح کا کوئی خلیفہ آپ کو ڈھونڈنے سے نہیں ملے گا۔ یہاں تک کہ عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ (جن کو سب خلیفہ راشد کہتے ہیں) بھی اس مقام کو نہیں پہنچ سکتے۔ اور اگر ہم کسی ناممکن اور محال شے کی آس لگائے بیٹھے رہیں اور ہم ایک اور ابوبکر اور ایک اور عمر

جو پہلے گزر چکے ہیں۔ کیونکہ وہ جس معاشرہ اور ماحول کی پیداوار تھے وہ ہی اب سرے سے مفقود ہے (لہٰذا ابوبکراور عمر رضی اللہ عنہما جیسا ہونا ناممکن اور محال ہے) اور اگر اہلیت کا پیمانہ اور مقیاس سیرت و کردار میں راست روی اور استقامت، حرمت شریعت کی پاسداری اور احترام، احکام شریعت پر عمل اور اتباع، لوگوں کے ساتھ عدل و انصاف اور ان کے مصالح کا خیال، دشمنان اسلام کے ساتھ جہاد اور اسلامی دعوت کی اس کرۂ عالم میں توسیع اور نشر و اشاعت، تمام افراد اور جماعتوں کے ساتھ نرمی اور حسن سلوک، تو جس روز لوگ صحیح تاریخ اور حقیقت حال سے واقف ہوں گے، ان پر یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہو جائے گی کہ یزید بھی ان بہت سے افراد و اشخاص سے کسی طرح کم نہیں جن کے قابل تعریف کارناموں اور محامد و فضائل سے اسلامی تاریخ کے اوراق بھرے پڑے ہیں۔" (العواصم من القواصم صفحه ٢١٤ تعليقه)

خلاصہ یہ کہ اگر ہم سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کو ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کی خلافت کے معیار پر جانچنا شروع کر دیں گے تو پھر تو واقعی ان کی خلافت اس معیار کی ثابت نہیں ہو سکتی جس معیار کی خلافت ابوبکراور عمر رضی اللہ عنہما کی خلافت تھی۔ یہاں تک کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی خلافت بھی اس معیار پر پوری نہ اترے گی۔ اور اس کی وجہ وہی ہے جو ہم گزشتہ سطور میں نقل کر چکے ہیں یعنی زمانہ نبوت سے بعد، کیونکہ زمانہ نبوت میں معاشرہ اور ماحول میں جو نورانیت تھی وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے بعد بتدریج کم ہوتی گئی۔ اسی چیز کو سیدنا انس رضی اللہ عنہ نے ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے کہ:

((لما كان اليوم الذى قدم فيه رسول الله ﷺ المدينه واضاء منها كل شيء فلما كان اليوم الذى مات فيه اظلم منها كل شي .))

"جس روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ تشریف لائے تو آپ کی تشریف آوری

سے مدینہ کی ہر شے روشن اور منور ہوگئی اور جس روز آپ کا انتقال ہوا اس روز مدینہ کی ہر شے تاریک ہوگئی۔" (العواصم صفحہ ۲۷ تعلیقہ)

جوں جوں زمانہ نبوت سے دوری ہوتی گئی معاشرہ اور مسلم سوسائٹی میں برکات کی محرومی اور بدعات وفتن کا ظہور ہوتا گیا۔ چنانچہ مولانا ابوالکلام رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"نبوت و رحمت کی برکات کی محرومی وفقدان ایک تدریجی تنزل تھا اور بدعات و فتن کے ظہور اور احاطہ کی ایک تدریجی ترقی تھی، کالحصیر عوداً عوداً، جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت سے شروع ہوئی اور جس قدر عہد نبوت سے دوری بڑھتی گئی اتنی ہی عہد نبوت اور خلافت رحمت کی سعادتوں سے امت محروم ہوتی گئی۔ یہ محرومی صرف امامت اور خلافت کبریٰ کے معاملے میں ہی نہیں ہوئی بلکہ قوام و نظام امت کے مبادیات اور اساسات سے لے کر حیات شخصی وانفرادی کی اعتقادی اور عملی جزئیات تک ساری باتوں کا یہی حال ہوا۔"

(مسئلہ خلافت صفحہ ۱٤)

معلوم ہوا ارباب اقتدار معاشرے ہی کی پیداوار ہوتے ہیں اور جب معاشرے میں بگاڑ پیدا ہو تو یقینی بات ہے کہ ارباب حکومت کی زندگیاں بھی اس سے متاثر ہوں گی اور معاشرے کے اچھے اور برے اثرات اخلاقیات، معاملات، عبادات، دیانات، اقتصادیات، معیشت اور معاشرت سب پر ہوں گے اور زندگی کا کوئی شعبہ ان سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکے گا۔ چنانچہ ایک شخص نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ آپ کے عہد خلافت میں وہ رنگ نظر نہیں آتا جو آپ سے قبل سیدنا ابوبکر اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہما کی خلافتوں کے دور میں تھا، آپ کے عہد خلافت میں تشتت وافتراق پیدا ہوگیا ہے جب کہ ان کے زمانہ میں امت کے تمام افراد میں اجتماع و ایتلاف تھا تو آپ نے اس شخص کو جو جواب دیا وہ ہمارے اس خیال کی پرزور تائید کرتا ہے۔ آپ نے فرمایا:

"ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما کے عہد کی رعایا مجھ جیسے لوگ تھے اور میری رعایا تم جیسے لوگوں پر مشتمل ہے۔" (مقدمہ ابن خلدون صفحہ ۳۷٤)

ہماری اس بات کی تائید اس روایت سے بھی ہوتی ہے جو علامہ ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ نے درج فرمائی ہے کہ عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ جب خلیفہ ہوئے تو انہوں نے سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے پوتے سیدنا سالم رحمۃ اللہ علیہ کو ایک خط لکھا کہ آپ مجھے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی ایک سیرت لکھ بھیجیں تاکہ میں اس کے مطابق عمل کروں۔ سیدنا سالم رحمۃ اللہ علیہ نے انہیں جواب میں لکھا کہ اگر آپ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی سیرت کے مطابق عمل کر لیں تو اس کا یہ مطلب ہے کہ آپ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے افضل اور بہتر ہیں کیونکہ

((زمانك ليس كزمان عمر ، ولا رجالك كرجال عمر .))

(الصواعق المحرقة صفحه ٢١٠)

''نہ تو آپ کا زمانہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ جیسا ہے اور نہ آپ کے ساتھی سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں جیسے ہیں۔''

سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے اس زمانہ کے سب علماء اور فقہاء کو یہ بات لکھی تو سب نے وہی جواب دیا جو سیدنا سالم بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ نے دیا تھا۔

خلاصہ یہ کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کے بعد چونکہ معاشرہ کے ہر گوشہ میں بگاڑ کے اثرات پیدا ہو گئے تھے لہٰذا نظام حکومت بھی اس سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا، لیکن تمام خلفاء جو عہدۂ خلافت پر متمکن ہوئے ان کا نظریہ یہی تھا کہ حفظ دین و سیاست دنیا کی غرض سے امت کا سیاسی نظام شریعت اسلامیہ کے مطابق ہو کیونکہ خلافت اسلامیہ کی غرض و غایت جو قرآن حکیم نے بیان کی ہے وہ یہی ہے۔ چنانچہ حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِى الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ﴾

(الحج: ٤١)

''وہ لوگ کہ اگر ہم ان کو زمین میں حکومت عطا فرمائیں تو وہ نماز قائم کریں اور (نظام) زکوٰۃ قائم کریں اور نیکی کا حکم دیں اور برائی سے روکیں اور تمام امور کا انجام اللہ تعالیٰ ہی کے ہاتھ میں ہے۔''

کیونکہ خلافت کی تعریف ہی یہ ہے:

((ھی الریاسة العامة فی التصدی لاقامة الدین باحیاء العلوم الدینیة واقامة ارکان الاسلام و القیام بالجهاد وما یتعلق به من ترتیب الجیوش والفرض للمقاتلة و اعطاء هم من الفیء و القیام بالقضاء و اقامة الحدود ورفع المظالم والامر بالمعروف و نهی عن المنکر نیابة عن النبی ﷺ .))

(ازالة الخفاء جلد ۱ صفحه ۹)

"خلافت وہ ریاست عامہ ہے جو (بذریعہ) علوم دینیہ کے زندہ رکھنے اور (بذریعہ) ارکان اسلام کے قائم کرنے اور (بذریعہ) جہاد اور متعلقات جہاد کے قائم رکھنے کے جیسے لشکروں کا مرتب کرنا، مجاہدین کو وظائف دینا، مال غنیمت کو ان پر تقسیم کرنا، اور (بذریعہ) عہدۂ قضا کے فرائض انجام دینے اور حدود کو قائم کرنے اور مظالم کو دور کرنے اور لوگوں کو اچھے کاموں کا حکم دینے اور برے کاموں سے منع کرنے کے، بحیثیت نائب نبی اکرم ﷺ کے بالفعل حاصل ہوئی ہو۔"

خلافت کی یہ تعریف سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت پر ہر لحاظ سے صادق آتی ہے، کیونکہ ان کا عہد گورنری اور عہد خلافت دونوں صرف اور صرف دین اسلام کی سربلندی کے لیے تھے اور خلافت سے ان کی کوئی ذاتی غرض یا ذاتی مفاد وابستہ نہ تھا، پھر ایک صحابی رسول سے اس بات کی توقع بھی نہیں کی جا سکتی کہ وہ دنیا کو دین پر ترجیح دے گا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کی پوری زندگی اس بات کی بین دلیل ہے کہ دین و دنیا میں سے کسی ایک کو ترجیح دینے کی جب بھی کوئی صورت پیدا ہوئی، انہوں نے ہمیشہ دین کو ترجیح دی اور دنیا کو پائے استحقار سے ٹھکرا دیا۔

چنانچہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ بھی اپنے متعلق خود بیان فرماتے ہیں:

((ماکنت لاخیر بین الله وغیره الا اخترت الله علی غیره مما سواه .)) (البدایة والنهایة جلد ۸ صفحه ۱۳٤ ـ الاستیعاب جلد ۱ صفحه ۲۵۵ ـ منهاج السنة جلد ۲ صفحه ۲۰۳)

"حق تعالیٰ کی رضا اور دوسرے دنیوی مفادات میں جب بھی کوئی ٹکراؤ پیدا ہوا تو میں نے دوسرے تمام مفادات کو یک قلم ٹھکرا کر اللہ کی رضا کو اپنے لیے پسند کرلیا۔"

پھر مختلف احادیث میں جناب رسول اللہ ﷺ نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلیفہ ہونے کے بارے میں بشارت بھی دی۔ چنانچہ ایک مرتبہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ جناب رسول اللہ ﷺ کو وضو کروا رہے تھے۔ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ خود فرماتے ہیں کہ وضو فرماتے ہوئے آپ ﷺ نے میری طرف نگاہ اٹھائی اور فرمایا:

((یا معاویة! ان ولیت امراً فاتق اللہ واعدل .))

(البدایة والنهایة جلد ٨ صفحه ١٢٣ ۔ تطهیر الجنان صفحه ١٥)

"اے معاویہ! اگر تجھے حکومت ملے تو اللہ سے ڈرنا اور عدل وانصاف سے کام لینا۔"

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

((ما زلت اظن انی مبتلی بعمل لقول رسول اللہ ﷺ حتی ولیت .)) (تطهیر الجنان صفحه ١٥)

"مجھے ہمیشہ یہ یقین رہا کہ میں ضرور حکومت کے کاموں میں مبتلا ہوں گا حتیٰ کہ میں خلیفہ ہو گیا۔"

اسی طرح کی ایک اور حدیث امام ابوبکر بن ابی شیبہ نے نقل کی ہے کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے اس وقت سے یقین تھا کہ مجھے خلافت ضرور ملے گی جب سے رسول اللہ ﷺ نے مجھے فرمایا تھا کہ

((اذا ملکت فاحسن .)) (الصواعق المحرقة صفحه ٢١٦)

"معاویہ! جب تجھے خلافت حاصل ہو تو اچھے طریقے سے حکومت کرنا۔"

ان روایات پر بحث کرتے ہوئے علامہ ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

((وتأمل انه ﷺ اخبر معاویة بانه یملك وامره بالاحسان تجد فی الحدیث اشارة الی صحة خلافته و انها حق بعد

تمامها له بنزول الحسن له عنها فان امرة بالاحسان المترتب على الملك يدل على حقيقة ملك و خلافته و صحة تصرفه و نفوذ افعاله من حيث صحة الخلافة لا من حيث التغلب لان المتغلب فاسق معاقب لايستحق ان يبشر ولا ان يؤمر بالاحسان فيما تغلب عليه بل انما يستحق الزجر و المقت والاعلام بقبيح افعاله و فساد احواله فلوكان معاوية متغلباً لاشارله ﷺ الیٰ ذالك اوصرح له به فلما لم يشرله فضلا عن ان يصرح الا بما يدل على حقية ما هو عليه علمنا انه بعد نزول الحسن له خليفة حق و امام صدق .))

(الصواعق المحرقة فی الرو علی اهل البدع و الزندقة صفحه ۲۱۷)

''غور فرمائیے جناب رسول اللہ ﷺ نے سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو اس بات کی خبر دی کہ ان کو حکومت حاصل ہوگی اور اس کے ساتھ نیک سلوک اور عفو و درگزر سے کام لینے کی بھی تلقین فرمائی۔ یہ حدیث سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی صحت خلافت پر دلالت کرتی ہے اور یہ کہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی خلافت سے دست برداری اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت ہو جانے کے بعد ان کی خلافت صحیح اور برحق ہے اس لیے کہ جناب رسول اللہ ﷺ کا ان کو حسن سلوک کا حکم ارشاد فرمانا جو حکومت کے حصول کے بعد ممکن تھا، اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ ان کی خلافت برحق اور ان کے افعال اور تصرفات اسی طرح صحیح تھے جس طرح خلافت صحیح طریقہ سے حاصل کرنے کے بعد کسی خلیفہ کے ہوتے ہیں، نہ کہ غلبہ اور استیلاء سے کرسی حکومت پر متمکن ہونے والے کے۔ کیونکہ غلبہ اور استیلاء سے خلافت حاصل کرنے والا شخص تو فاسق اور سزا اور عقوبت ہوتا ہے۔ وہ نہ تو کسی بشارت کا مستحق ہوتا ہے اور نہ اس بات کا کہ اس کو حسن سلوک اور عفو و درگزر کی تلقین کی جائے۔ ہاں زجر و توبیخ کا وہ ضرور مستحق ہوتا ہے، اور یہ کہ اس کو اس کے برے اعمال

اور فساد احوال کی اطلاع دی جائے۔ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ بھی اگر غلبہ و استیلاء سے

مسند خلافت پر قابض ہوئے ہوتے تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ضرور صراحت کے ساتھ یا کم از کم اشارتاً بیان فرما دیتے۔ جب آپ نے ایسا کوئی اشارہ بھی نہیں فرمایا بلکہ صراحت کے ساتھ ایسے امور کی خبر دی ہے جو ان کی خلافت کے برحق اور صحیح ہونے پر دلالت کرتے ہیں تو اس سے صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی خلافت سے دست برداری کے بعد سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ خلیفہ برحق اور صحیح اور سچے امام تھے۔''

ایک اور مقام پر علامہ ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کے صحیح اور حق ہونے پر بحث کرتے ہوئے آخر میں فرماتے ہیں کہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو امور خلافت سپرد کرنے کے بعد سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ صحیح معنوں میں خلیفہ ہو گئے تھے اور وہ خلیفہ برحق اور امام صادق تھے۔ علامہ کے الفاظ ہیں:

((فالحق ثبوت الخلافة لمعاوية من حينئذٍ وانه بعد ذالك خليفة حق و امام صدق.)) (الصواعق المحرقة صفحه ۲۱۶)

''صحیح اور حق بات یہ ہے کہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی صلح کے بعد سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت صحیح معنوں میں ثابت ہے اور اس صلح کے بعد وہ خلیفہ حق اور امام صادق ہیں۔''

اس ساری بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ ایک خلیفہ راشد تھے اور ان کی خلافت انہی معنوں میں خلافت راشدہ تھی جن معنوں میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور دوسرے خلفاء کی خلافت ''خلافت راشدہ'' تھی۔ اور خلافت راشدہ کو تیس سال میں محدود کرنے کی کوئی دلیل نہیں سوائے ایک حدیث کے جس کے روایتاً اور درایتاً غیر صحیح ہونے کو ہم نے بدلائل واضحہ ثابت کیا ہے۔ اس کے علاوہ اور کوئی دلیل ''خلافت راشدہ'' کو تیس سال میں مقید اور محدود کرنے کی نہیں ہے۔ اب صرف ایک غیر صحیح حدیث پر ''خلافت راشدہ'' کو محدود کرنے کا نظریہ قائم کرنا ہمارے نزدیک نہ صرف صحیح نہیں بلکہ قرآن وسنت کے بھی خلاف ہے۔ اور اگر

اس حدیث کو کسی صورت میں صحیح بھی مان لیا جائے تو سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی خلافت بھی راشدہ ثابت نہیں ہوتی جیسا کہ خود سیّدنا سفینہ رضی اللہ عنہ نے مدت شمار کرنے میں ان کی خلافت کو نکال دیا۔ اور اگر ان کی خلافت کو بھی ''خلافت راشدہ'' میں شامل کر لیا جائے تو پھر سمجھ میں نہیں آتا کہ بعض بزرگوں نے کس دلیل سے سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کو بھی خلفائے راشدین میں شمار کر لیا ہے حالانکہ عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کا سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے کوئی مقابلہ ہی نہیں۔ اوّل الذکر ایک تابعی ہیں حالانکہ آخر الذکر ایک فقیہ و مجتہد صحابی رسول، ایک کاتب وحی، اللہ کی وحی کے امین، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے برادر نسبتی اور خال المومنین، سیاست میں نابغہ روزگار ہادی اور مہدی۔ چنانچہ عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ سے ایک مرتبہ کسی نے پوچھا کہ معاویہ رضی اللہ عنہ اور عمر بن عبدالعزیز دونوں میں کون افضل ہے؟ آپ نے جواب میں فرمایا کہ

((واللہ! ان الغبار الذی دخل فی انف فرس معاویۃ مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم افضل من عمر بالف مرۃ۔ صلی معاویۃ خلف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سمع اللہ لمن حمدہ، فقال معاویۃ رضی اللہ عنہ ربنا لک الحمد فما بعد ھذا الشرف الاعظم.)) (تطہیر الجنان صفحہ ۱۰۔۱۱)

''خدا کی قسم! وہ غبار اور مٹی جو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے گھوڑے کے نتھنوں میں آ کر جم گئی وہ عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ سے ہزار درجہ افضل ہے۔ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نمازیں پڑھیں۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کہتے تھے ''سمع اللہ لمن حمدہ'' تو سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کہتے تھے ''ربنا لک الحمد'' اس شرف کے بعد اور بڑا شرف کیا ہو سکتا ہے۔''

اسی طرح کا ایک واقعہ قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے بھی نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ ایک شخص نے معافی بن عمران رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے سامنے عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کا کیا مقام ہے؟

((فغضب غضباً شديداً وقال لايقاس باصحاب النبی ﷺ احد، معاوية صاحبه و صهره و كاتبه وامينه علی وحی الله .)) (تطهیر الجنان صفحه ۱۰)

''آپ کو یہ سوال سن کر سخت غصہ آیا اور فرمایا اصحاب رسول ﷺ کے مقابلہ میں کسی اور کو قیاس نہیں کیا جا سکتا۔ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے صحابی، آپ کے برادر نسبتی، اللہ کی وحی کے کاتب اور امین ہیں۔''

اگر سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کی خلافت ''خلافت راشدہ'' ہو سکتی ہے تو سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کیوں راشدہ نہیں ہو سکتی؟

قرآن حکیم نے ایک بڑی بنیادی بات مسئلہ خلافت کے بارہ میں بیان فرمائی ہے کہ

﴿وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ص وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْ م بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ط يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْئًا ط وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ٥﴾ (النور: ۵۵)

''اللہ نے وعدہ فرمایا ہے تم میں سے ان لوگوں کے ساتھ جو ایمان لائیں اور نیک عمل کریں کہ وہ ان کو اسی طرح زمین میں خلیفہ بنائے گا جس طرح ان سے پہلے گزرے ہوئے لوگوں کو خلیفہ بنا چکا ہے، ان کے لیے ان کے اس دین کو مضبوط بنیادوں پر قائم کر دے گا جسے اللہ تعالیٰ نے ان کے حق میں پسند کیا ہے، اوران کی حالت خوف کو حالت امن سے بدل دے گا۔ پس وہ میری بندگی کریں اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں۔''

اس آیت میں اللہ جل شانہ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بلاواسطہ اور قیامت تک آنے والے مسلمانوں سے بالواسطہ ''خلافت'' کا وعدہ کیا ہے، لیکن اس کے لیے دو شرائط ذکر کیں اور دو ثمرات بیان فرمائے:

پہلی شرط یہ ہے کہ مومن ہو......اور
دوسری شرط یہ ہے کہ وہ عمل صالح کا حامل ہو۔

جب یہ دو شرطیں پائی جائیں تو اللہ رب العزت کا وعدہ ہے کہ حق تعالیٰ انہیں ''استخلاف فی الارض'' (زمین میں خلافت) عطا فرمائیں گے اور اس کے نتیجے میں دو ثمرات انہیں حاصل ہوں گے:

(۱) اللہ تعالیٰ ان کے پسندیدہ دین کو مضبوط بنیادوں پر قائم کر دے گا۔
(۲) ان کی حالت خوف کو حالت امن میں بدل دے گا۔

اب یہاں دو باتیں اور ذہن میں رکھیے:

(۱) اس آیت میں خلافت سے مراد ایسی حکومت ہے جو اللہ تعالیٰ کے امر شرعی کے مطابق اس کی نیابت کا ٹھیک ٹھیک حق ادا کرنے والی ہو۔ چنانچہ اس آیت کی تفسیر میں سید مودودی لکھتے ہیں:

''اب جو شخص بھی یہاں اس سیاق وسباق میں آیت استخلاف کو پڑھے گا وہ ایک لمحہ کے لیے بھی اس امر میں شک نہیں کر سکتا کہ اس جگہ خلافت کا لفظ اس حکومت کے معنی میں استعمال ہوا ہے جو اللہ کے اس امر شرعی کے مطابق (نہ کہ محض قوانین فطرت کے مطابق) اس کی نیابت کا حق ٹھیک ٹھیک ادا کرنے والی ہو۔ اس لیے کفار تو درکنار اسلام کا دعویٰ کرنے والے منافقوں تک کو اس وعدے میں شریک کرنے سے انکار کیا جا رہا ہے۔ اسی لیے فرمایا جا رہا ہے کہ اس کے مستحق صرف ایمان اور عمل صالح کی صفات سے متصف لوگ ہیں۔''

(تفهيم القرآن جلد ۳ صفحه ۴۱۸)

(۲) دوسری بات یہ ذہن میں رہے کہ یہ وعدہ بعد کے مسلمانوں کو تو بالواسطہ پہنچتا ہے بلا واسطہ اس کے مخاطب وہ لوگ ہیں جو نبی اکرم ﷺ کے عہد میں موجود تھے۔

(تفيهم القرآن جلد ۳ صفحه ۴۱۹)

یہ ساری باتیں ذہن میں رکھنے کے بعد اب دیکھیے کہ کیا سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں موجود نہیں تھے؟ یقیناً تھے۔ اور آپ کاتب وحی اور ایک فقیہ

صحابی تھے۔ (بخاری جلد ۱ صفحہ ۵۳۱۔ اصابہ جلد ۲ صفحہ ۴۱۲۔ ابن ابی الحدید جلد ۱ صفحہ ۲۳۸۔ کنز العمال جلد ۲ صفحہ ۲۴۹۔ البدایۃ والنھایۃ جلد ۸ صفحہ ۱۱۸) **ایمان اور عمل** صالح میں روشنی کا مینار تھے اور سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ جیسا خلیفہ راشد ان کے گھوڑے کے نتھنوں میں جمی ہوئی مٹی کا درجہ بھی حاصل نہیں کر سکتا۔ (تطہیر الجنان صفحہ ۱۰) عمرۃ القضاء کے روز ایمان لائے۔ چنانچہ علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے خود ان کی زبانی نقل فرمایا ہے کہ:

((اسلمت یوم عمرۃ القضاء و لکنّی کتمت اسلامی من ابی الیٰ یوم الفتح.)) (البدایۃ والنھایۃ جلد ۸ صفحہ ۲۱،۱۱۸)

''میں عمرۃ القضاء کے روز ایمان لایا تھا لیکن اپنے والد کے ڈر سے اپنے ایمان کو فتح مکہ تک چھپائے رکھا۔''

شیخ الاسلام ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی لکھا ہے:

((معاویہ بن ابی سفیان خلیفۃ صحابی اسلم قبل الفتح و کتب الوحی.)) (تقریب التھذیب صفحہ ۳۵۷)

''معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ ایک صحابی اور خلیفہ راشد ہیں۔ فتح مکہ سے قبل مشرف باسلام ہوئے اور آپ کاتب وحی بھی تھے۔''

گویا کہ آپ میں ایمان اور عمل صالح کی دونوں شرطیں بدرجہ اتم پائی جاتی تھیں۔ ان شرائط کے ساتھ خلافت راشدہ کے دونوں ثمرات بھی ان کے زمانہ خلافت میں مرتب ہوئے۔

پہلا ثمرہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کا پسند کردہ دین یعنی اسلام ان کے زمانہ میں مضبوط بنیادوں پر قائم ہوا۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد اسلامی فتوحات کا سلسلہ یک قلم بند ہو گیا تھا یہاں تک کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ایک شہر بھی اسلامی قلمرو میں داخل نہ ہوا۔ آپ نے اپنے زمانے میں جس قدر جنگیں بھی لڑیں وہ اسلام کی خاطر نہیں تھیں بلکہ صرف طلب خلافت کے لیے تھیں۔

فتوحات کا وہ سلسلہ جو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں بند ہوا، سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے دورِ خلافت میں اس کو دوبارہ جاری کیا اور اپنے بہترین کمانڈر عقبہ بن نافع رضی اللہ عنہ کے

توسط سے ۴۱ھ میں شمالی افریقہ کے ایک وسیع علاقے کو اسلامی سلطنت میں شامل کیا اور آپ کے جرنیل مہلب بن ابی صفرہ رحمۃ اللہ علیہ نے ۴۴ھ میں سندھ اور ترکستان کے علاقے پر اسلامی پرچم لہرایا۔ پھر اپنے صاحبزادے یزید بن معاویہ کی زیر قیادت قسطنطنیہ پر حملہ کروایا۔ ۵۳ھ میں بحری لڑائی کے ذریعہ سے آپ کے جرنیل جنادہ بن ابی امیہ رضی اللہ عنہ نے روڈس فتح کیا۔ پھر ۵۴ھ میں قسطنطنیہ کے قریب ایک جزیرے ارواڈ کو اسلامی حکومت میں داخل کیا۔ چنانچہ علامہ خیر الدین زرکلی نے لکھا ہے:

((هو اوّل مسلم ركب بحر الروم للغزوو فی ايامه فتح كثير من جزائر يونان والدر دنيل .))

(الاعلام جلد ۸ صفحه ۱۷۳ ۔ الفتوحات الاسلاميه جلد ۲ صفحه ۹۸)

''آپ (سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ) سب سے پہلے مسلمان ہیں جنہوں نے بحر روم کو اپنے جہازوں کی بازی گاہ بنایا اور آپ کے عہد میں یونان کے بے شمار جزیرے اور درہ دانیال وغیرہ علاقے فتح ہوئے۔''

آپ نے آخری وقت میں یہ وصیت فرمائی:

((شد خناق الروم .)) (النجوم الزاهرة جلد ۱ ص۱۳٤ ۔ تاريخ خليفه ص۲۳)

''روم کا گلا گھونٹ دو۔''

کئی نئے شہر بھی تعمیر کیے، نظم مملکت کو سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی بنیادوں پر قائم کیا، ملک میں رعایا کی خوشحالی اور آرام کے لیے مختلف اصلاحات کیں۔ چنانچہ علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے ان سب چیزوں کو ان الفاظ میں یوں بیان کیا ہے کہ

((الجهاد فی بلاد عدو قائم و كلمة الله عالية والغنائم ترد اليه من اطراف الارض والمسلمون معه فی راحةٍ و عدلٍ وصلح و عفوٍ .)) (البداية والنهاية جلد ۸ صفحه ۱۱۸)

''آپ کے زمانہ میں دشمن کے ممالک میں جہاد کا سلسلہ جاری تھا اور اللہ کا کلمہ بلند تھا اور غنیمتیں زمین کے سب گوشوں سے سمٹ کر آپ کے پاس آتی تھیں اور

مسلمان آپ کے دورِ خلافت میں عدل و انصاف اور راحت و آرام کے ساتھ اپنی زندگی کے دن گزارتے تھے۔''

آپ کی اسی اسلام دوستی اور رعیت پروری کا نتیجہ تھا کہ آپ کے زمانہ کے سارے لوگ جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین پر مشتمل تھے آپ پر دل و جان سے فدا تھے اور دل کی اتھاہ گہرائیوں سے آپ سے محبت کرتے تھے۔

چنانچہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا کہ

((كانت سيرة معاوية مع رعيته من خيار امير الولاة و كان رعيته يحبونه الخ.)) (منهاج السنة جلد ۳ صفحه ۱۸۹)

''سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا اپنی رعایا سے سلوک بہترین حکمرانوں کا تھا اور آپ کی رعایا آپ کو دل و جان سے چاہتی تھی۔''

الغرض آپ کی خلافت سے وہ ثمرہ بھی مرتب ہوا جس کا حق تعالیٰ شانہ نے اس آیت کریمہ میں وعدہ فرمایا تھا۔ اور دوسرا ثمرہ بھی مرتب ہوا کہ جب اسلام کا قانون دُور دُور تک رائج ہوا اور سلطنت اسلامی کی پہنائیوں میں دُور دُور تک اضافہ ہوا اور ہر جانب مرفہ حالی کا دور دورہ ہو گیا تو مسلمانوں کی حالت خوف پہلے سے زیادہ حالت امن میں تبدیل ہوئی اور مسلمان ایک غالب قوم کی صورت میں دنیا میں ابھرے اور اس جاہلیت کی تہذیب اور تمدن سے مہذب قومیں سرنگوں ہو کر اہل اسلام کی رعایا بنیں، ان میں اسلام کو روشناس کرایا گیا یہاں تک کہ اہل اسلام کی تعداد میں معتد بہ اضافہ ہوا۔ ہر شخص کی جان، مال اور عزت کو تحفظ نصیب ہوا اور نہ صرف مسلمانوں کی حالت خوف حالت امن میں بدل گئی بلکہ تمام اقوام عالم ہر قسم کی زیادتیوں اور تعدیوں سے محفوظ و مصئون ہو گئیں۔

چنانچہ قرآن حکیم کی یہ آیت کریمہ جس طرح ابوبکر، عمر، عثمان اور علی رضی اللہ عنہم اجمعین کی خلافتوں کو راشدہ ثابت کرتی ہے اسی طرح سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کو بھی ''راشدہ'' ثابت کرتی ہے اب قرآن حکیم کے اتنے واضح ثبوت کے بعد صرف ایک مخدوش حدیث کی بنا پر خلافت راشدہ کو صرف چار صحابہ رضی اللہ عنہم میں محدود کر دینا اور ان کی خلافت کے بارہ میں دور

از کار تاویلیں کرنا ہماری نگاہ میں صحیح نہیں بلکہ قرآن حکیم اور احادیث نبویہ کی روشنی میں غلط ہے۔

سیدنا عمر الفاروق اور سیدنا عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہما کے ادوار خلافت تو بالاتفاق خلافت راشدہ کے دور تھے۔ ان دونوں خلافتوں میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ دمشق کے اہم صوبہ پر گورنری کے جلیل القدر عہدہ پر قریباً ۲۰ سال تک فائز رہے۔ ان دونوں خلافتوں میں تو وہ خلافت راشدہ کے کل پرزہ کی حیثیت سے کام کرتے رہے پھر کیا وجہ ہے کہ جب ان کا دورِ خلافت آیا تو یکایک ان کی خلافت ملوکیت میں تبدیل ہوگئی حالانکہ انہوں نے اپنی خلافت میں کوئی ایسا کام نہیں کیا جو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے طریق سے ہٹ کر ہو۔ اور آج جو اعتراضات ان کی خلافت کو غیر راشدہ یا ملوکیت ثابت کرنے کے لیے کیے جاتے ہیں وہ سب بعد کے ذہنوں کی پیداوار ہیں۔ خود ان کے زمانہ خلافت میں یا ان کی خلافت کے کئی سو سال بعد تک ان پر اس قسم کے کوئی اعتراضات نہیں ہوئے۔ خود ان کا اپنا دور خلافت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا دور تھا جس کو حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں ''خیر القرون'' کے لقب سے یاد کیا گیا ہے، اور ان کی خلافت میں کئی ایک صحابہ جلیل القدر عہدوں پر فائز تھے۔ اس کے یہ معنی ہوئے کہ عہد معاویہ رضی اللہ عنہ اگر خلافت راشدہ کا دور نہیں تھا بلکہ ملوکیت کا دور تھا تو وہ سارے صحابہ رضی اللہ عنہم ملوکیت کی مشین کے لیے پرزوں کے طور پر کام کرتے رہے اور انہوں نے اس نظام حکومت کو پروان چڑھایا جس سے اللہ اور اس کا رسول قطعاً راضی نہ تھے اور یہ بات محالات میں سے ہے۔ کیونکہ صحابہ جاہلیت اور باطل کے نظام کو دنیا میں کبھی فروغ دینے کا ذریعہ نہیں بن سکتے تھے جیسا کہ گزشتہ سطور میں دلائل واضحہ سے ثابت کیا گیا ہے۔ چنانچہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت پر غیر راشدہ کا اعتراض کئی جلیل القدر صحابہ پر اعتراض ہے بلکہ اس وقت کے پورے معاشرہ پر اعتراض ہے جو ان کی خلافت کو صحیح اور راشدہ سمجھ کر ان کے حلقہ بیعت میں شامل ہو گئے تھے۔

اس سلسلہ میں سیدہ ام حرام رضی اللہ عنہا کی حدیث بھی غور کے قابل ہے جو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحیح میں نقل فرمائی ہے کہ

''جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک روز کھانا تناول فرما کر ان کے ہاں استراحت

کے لیے لیٹ گئے اور سیدہ ام حرام رضی اللہ عنہا نے ان کا سر دیکھنا شروع کر دیا۔ آپ کو نیند آ گئی۔ تھوڑی دیر بعد سیدہ ام حرام رضی اللہ عنہا نے دیکھا کہ جناب رسالت مآب علیہ فضل الصلوات و التحیات مسکراتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے۔ سیدہ ام حرام رضی اللہ عنہا نے مسکرانے کا سبب دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ میں نے خواب دیکھا ہے کہ میری امت کے کچھ لوگ سمندر میں جنگ و جہاد کے ارادہ سے اس طرح سوار ہیں جس طرح بادشاہ اپنے تختوں پر بیٹھے ہوتے ہیں۔ سیدہ ام حرام رضی اللہ عنہا نے عرض کیا یا رسول اللہ! دعا فرمایئے کہ میں بھی اس میں شامل ہوں۔ آپ نے دعا فرمائی اور پھر لیٹ گئے۔ کچھ دیر بعد آپ پھر مسکراتے ہوئے اٹھے اور انہی الفاظ کا اعادہ فرمایا۔ سیدہ ام حرام رضی اللہ عنہا نے پھر اپنی شرکت کی دعا کی درخواست کی۔ آپ نے فرمایا: تم پہلی جماعت کے ساتھ ہو۔''

(بخاری جلد ۱ صفحہ ۳۹۱، صفحہ ۴۰۳، صفحہ ۴۰۹۔ ۴۱۰، جلد ۲ صفحہ ۹۲۹۔ ۹۳۰۔ صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۱۴۲۔ زرقانی جلد ۱ صفحہ ۶۶۔ اصابۃ جلد ۸ صفحہ ۲۲۲)

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ الفاظ بھی نقل کیے ہیں

((اوّل جیش من امتی یغزون البحر قد اوجبوا .))

(صحیح بخاری جلد ۱ صفحہ ۴۱۰)

''میری امت کا پہلا لشکر جو بحری لڑائی لڑے گا اس پر جنت واجب ہو گئی ہے۔''

لیکن دوسری پیش گوئی کے بارہ میں بخاری کے الفاظ یہ ہیں:

((اوّل جیش من امتی یغزون مدینۃ قیصر مغفور لھم .))

''میری امت کا پہلا لشکر جو مدینہ قیصر (قسطنطنیہ) پر حملہ کرے گا، اس کے لیے (دربارِ الٰہی سے) مغفرت (کا پروانہ) ہے۔''

(بخاری جلد ۱ صفحہ ۴۱۰)

تمام مورخین اس بات پر متفق ہیں کہ سب سے پہلا بحری لشکر جس نے ۲۸ھ میں سمندر کے سینے کو چیر کر سمندر پار کے علاقے قبرص (Cyprus) پر حملہ کیا اور اس کو فتح کر کے اسلامی علم بلند کیا وہ ذات والا صفات سیدنا معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کی قیادت میں تھا۔

چنانچہ علامہ ابن اثیر فرماتے ہیں:

((وكان امير ذالك الجيس معاوية بن ابى سفيان فى خلافة عثمان و معه ابوذر و ابو الدرداء وغيرهما من الصحابة .))

(اسد الغابة جلد ٥ صفحه ٥٧٥)

"خلافت عثانی میں جب یہ حملہ ہوا تو اس لشکر کے امیر سیدنا معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما تھے اور ان کے ساتھ ابوذر اور ابو الدرداء رضی اللہ عنہما جیسے کئی اور دوسرے صحابہ تھے۔"

واپسی پر سیدہ ام حرام رضی اللہ عنہا سواری پر چڑھ رہی تھیں کہ خچر کے بدکنے سے نیچے گر پڑیں اور انتقال فرما گئیں۔

(بخاری جلد ١ صفحه ٣٩١، جلد ٢ صفحه ٩٢٩۔ اسد الغابة جلد ٥ صفحه ٥٧٥۔ عمده القاری جلد ١٤ صفحه ١٩٨۔ ارشاد الساری جلد ٥ صفحه ١٠٤)

چنانچہ لکھا ہے کہ

((قبر ام حرام بنت ملحان بقبرس و هم يقولون هذا قبر المرأة الصالحة .))

"ام حرام بنت ملحان رضی اللہ عنہا کی قبر قبرص میں ہے اور (وہاں کے لوگ) کہتے ہیں کہ یہ ایک نیک اور پاک باز عورت کی قبر ہے۔"

(صفة الصفوة جلد ٢ صفحه ٣٨۔ اسد الغابة جلد ٥ صفحه ٥٧٥)

قبرص کی یہ فتح ٢٨ھ میں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں ہوئی۔ اس لڑائی میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان ((قد اوجبوا)) "جنت ان پر واجب ہوگئی" کے تحت اہل جنت میں شامل ہو گئے۔ یہ فضیلت کوئی معمولی فضیلت نہیں بلکہ جس طرح عشرہ مبشرہ کو دنیا ہی میں جنت کی خوش خبری مل گئی تھی اسی طرح ان صحابہ کو بھی دنیا میں جنت ہی کی بشارت دے دی گئی تھی جنہوں نے قبرص کے اس معرکے میں شمولیت فرمائی تھی۔

پیش گوئی کا پہلا حصہ تو سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے دورِ امارت میں پورا ہوا اور دوسرا حصہ آپ کے دورِ خلافت میں پایہ تکمیل کو پہنچا جب آپ کے فرزند ارجمند یزید کی زیر قیادت ایک عظیم

الشان لشکر نے جس میں سیدنا عبداللہ بن عباس، سیدنا عبداللہ بن عمر، سیدنا عبداللہ بن زبیر اور میزبان رسول سیدنا ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہم بھی شامل تھے، مدینہ قیصر یعنی قسطنطنیہ پر حملہ کیا۔

(عمدة القاری جلد ١٤ صفحه ١٩٩ ـ فتح الباری جلد ٦ صفحه ٧٨ ـ ارشاد الساری جلد ٥ صفحه ١٠٤ ـ ابن اثیر جلد ٣ صفحه ٢٢٧)

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے:

((فسار معه خلق كثير من كبراء الصحابة .))

(البداية والنهاية جلد ٨ صفحه ١٢٧ ـ ٣٢)

''جلیل القدر صحابہ کی ایک بہت بڑی تعداد آپ کے ساتھ روانہ ہوئی۔''

بلکہ سیدنا حسین بن علی رضی اللہ عنہما نے بھی امیر یزید کی زیر قیادت ایک سپاہی کی حیثیت سے اس لشکر میں شمولیت فرمائی۔

(البداية والنهاية جلد ٨ صفحه ١٥١ ـ هسٹری آف دی سیرسنز انگریزی صفحه ٨٤)

اسی وجہ سے مشہور محدث مہلب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

((في هذا الحديث منقبة لمعاوية لانه اوّل من غزا البحر و منقبة لولده يزيد لانه اوّل من غزا مدينة قيصر .))

(فتح الباری شرح صحیح بخاری جلد ٦ صفحه ٧٨)

''اس حدیث میں سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی منقبت بیان کی گئی ہے کیوں کہ انہوں نے سب سے پہلے بحری جنگ لڑی تھی اور اس حدیث میں ان کے بیٹے یزید کی بھی منقبت ہے کیوں کہ انہوں نے سب سے پہلے مدینہ قیصر (قسطنطنیہ) پر حملہ کیا تھا۔''

اب آپ ہی اندازہ فرمائیے کہ جس شخصیت کے بارہ میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قدر پیش گوئیاں فرمائی ہوں اور جس نے ملت اسلامیہ کا چار دانگ عالم میں شہرت کا ڈنکا بجایا ہو، کیا اس کی خلافت غیر راشدہ ہوسکتی ہے؟ اور وہ دنیا میں ایسا نظام برپا کرسکتا ہے کہ جو اسلام کے خلاف ہو؟ کیونکہ اسلام کے نظریات و افکار کے مطابق معاشرہ کی داغ بیل ڈالنا عین رشد و ہدایت ہے اور غیر راشدہ ہر وہ فعل ہے جو اسلام کے نظام سے لگا نہ کھاتا ہو۔ خلافت راشدہ کو صرف چار پانچ خلفاء میں محدود کر کے ان کے علاوہ سب خلفاء کو عام سطحی

بادشاہوں کا درجہ دینا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ان کے متبعین کی توہین ہے۔

یہ تھے وہ دلائل جن کی رُو سے ہمارا دعویٰ ہے کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت اسی قسم کی خلافت راشدہ تھی جس قسم کی سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی خلافت راشدہ تھی۔ اور اگر کوئی شخص ان کو کاتب وحی، صحابی رسول مانتے ہوئے خلیفہ راشد نہیں مانتا تو اس کو صحابی رسول کے بارہ میں اپنے اس عقیدہ پر نظر ثانی کرنی چاہیے جو علمائے اہل سنت کا متفقہ ہے۔ بہرحال اگر کسی کو آپ کی خلافت کے راشدہ ہونے میں اختلاف ہے تو اسے چاہیے کہ وہ دلائل دے اور دلائل قرآن وسنت سے ہوں اور صحیح اور صریح ہوں، اور اگر دلائل نہ دے سکیں تو پھر خلافت راشدہ کو تیس سال میں محدود ومقید کرنے کے نظریہ پر نظر ثانی کریں اور اس مظلوم صحابی رسول کے بارہ میں اپنے عقیدے کے ان جراثیم کو ختم کریں جو رفض وتشیع کے مسلسل پروپیگنڈے کی وجہ سے عام مسلمانوں کے ذہنوں میں نسلاً بعد نسلٍ پل رہے ہیں اور موجودہ زمانے کے بعض نام نہاد مفکرین اسلام نے بھی اپنی متعدد کتابوں اور مضامین کے ذریعہ سے ان کی مسلسل آبیاری کی ہے۔

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ پر ان اعتراضات کے علاوہ کچھ اور اعتراضات بھی کیے ہیں کہ

۱: انہوں نے مال غنیمت کی تقسیم میں تبدیلی کی۔

۲: انہوں نے انسانی لاشوں کے ساتھ وحشیانہ سلوک کیا۔ وغیرہ وغیرہ

لیکن ان اعتراضات کی حقیقت وہی ہے جو ان اعتراضات کی جن کے تفصیلی جوابات ہم نے اس کتاب میں دیے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اس لحاظ سے ایک نہایت مظلوم شخصیت ہیں کہ ان کے بارہ میں صدیوں سے پروپیگنڈہ کیا گیا اور ہر وہ حربہ اختیار کیا گیا جس کی وجہ سے ان کی پاکیزہ اور بے داغ شخصیت کو داغ دار بنایا جائے۔ اس بارہ میں خطیب بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے کیا اچھی بات فرمائی اس کو ہم نے پہلے بھی ذکر کیا ہے، لیکن بات اتنی نکتہ رس ہے کہ ہم اس کتاب کے اختتام پر بھی اس کو ذکر کرنا چاہتے ہیں تاکہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ پر اعتراضات کرنے والوں کی آنکھیں کھلیں۔ خطیب بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

((معاوية ستر لاصحاب محمد ﷺ فاذا كشف الرجل الستر اجترأ على ما وراه .)) (تاريخ بغداد جلد ۱ صفحه ۲۰۹)

''سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم کے لیے ایک پردہ ہیں۔ جب کوئی شخص اس پردہ کو کھول دے گا تو اس پردہ کے پیچھے جو لوگ ہیں ان پر بھی اس کی ہمتیں اور جرأتیں بڑھ جائیں گی۔''

سچی بات یہ ہے کہ جو لوگ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی شخصیت پر اعتراضات کر کے صحابہ رضی اللہ عنہم کے اس پردہ کو کھولنا چاہتے ہیں وہ دراصل سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے پہلی شخصیتوں یعنی سیدنا ابوبکر، سیدنا عمر اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہم کو اپنی تنقید کا ہدف بنانے کا موقع فراہم کرتے ہیں۔ اور شاید یہی وجہ ہے کہ جن لوگوں کے قلم سے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف کچھ لکھا گیا ہے ان کے قلموں کی روشنائی ابوبکر، عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم جیسے لوگوں پر بھی خشک نہ ہوئی اور انہوں نے بلا جھجک ان کی شخصیتوں اور ملکی پالیسیوں میں بھی کیڑے نکالنے شروع کر دیے اور اپنی صحابہ دشمنی کا پورا پورا ثبوت دیا۔

واخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمين



ہماری دیگر کتابیں

سیرت رحمتِ عالم ﷺ	ڈاکٹر اکرم ضیاء العمری
دروسِ سیرت ﷺ	ڈاکٹر سعید رمضان البوطی
حیاتِ سرور کائنات ﷺ	ملا واحدی دہلوی
قرآن ناطق ﷺ	سر جیت سنگھ لامبا
سیرتِ رسول ﷺ قرآن کے آئینے میں	ڈاکٹر عبدالغفور راشد
رسول اکرم ﷺ اور خواتین	ڈاکٹر یٰسین مظہر صدیقی
اسوۂ کامل ﷺ	ڈاکٹر عبدالرؤف ظفر
بلغ العلی بکمالہ (منظوم سیرت النبی ﷺ)	خورشید ناظر
علوم الحدیث	ڈاکٹر عبدالرؤف ظفر
سائنس قرآن کے حضور میں	طارق اقبال سوہدروی
صحابہ رضی اللہ عنہم کے سوال نبی رحمت ﷺ کے جواب	ڈاکٹر نصیف سلمان
علوم اسلامیہ اور مستشرقین	ڈاکٹر محمد ثناء اللہ ندوی
تذکار آزاد	عبدالرشید عراقی
مولانا امین احسن اصلاحی، حیات و افکار	ڈاکٹر اختر حسین عزمی
سیرت امیر معاویہؓ	پروفیسر حافظ اظہر محمود

ہماری دیگر کتابیں

سیرت رحمتِ عالم ﷺ	ڈاکٹر اکرم ضیاء العمری
دروسِ سیرت ﷺ	ڈاکٹر سعید رمضان البوطی
حیاتِ سرور کائنات ﷺ	ملا واحدی دھلوی
قرآن ناطق ﷺ	سرجیت سنگھ لامبا
سیرتِ رسول ﷺ قرآن کے آئینے میں	ڈاکٹر عبدالغفور راشد
رسول اکرم ﷺ اور خواتین	ڈاکٹر یٰسین مظہر صدیقی
اسوۂ کامل ﷺ	ڈاکٹر عبدالرؤف ظفر
بلغ العلی بکمالہ (منظوم سیرت النبی ﷺ)	خورشید ناظر
علوم الحدیث	ڈاکٹر عبدالرؤف ظفر
سائنس قرآن کے حضور میں	طارق اقبال سوہدروی
صحابہ رضی اللہ عنہم کے سوال نبی رحمت ﷺ کے جواب	ڈاکٹر نصیف سلمان
علوم اسلامیہ اور مستشرقین	ڈاکٹر محمد ثناء اللہ ندوی
تذکار آزاد	عبدالرشید عراقی
مولانا امین احسن اصلاحی، حیات وافکار	ڈاکٹر اختر حسین عزمی

تاریخ اسلام کے قرون اولیٰ میں مختلف پہلوؤں سے جہاں عظمت اور افتخار کے پہلو دکھائی دیتے ہیں، وہیں بعض مؤرخین نے صحابہ کرامؓ کے درمیان اختلافِ فکر ونظر کا تذکرہ بھی کیا ہے۔ جس دین میں مشاورت کو اساس بنایا گیا ہو، وہاں فکر ونظر کے اختلاف کا پیدا ہونا ایک فطری عمل ہے، مگر صحابہ کرامؓ کے سلسلے میں بعض حضرات نے منفی پروپیگنڈے کا بھی آغاز کیا اور ایسے لوگوں میں پیش پیش وہ شکست خوردہ یہود تھے جنہیں ہر طرح سے رسوائی اور پسپائی کا سامنا کرنا پڑا۔ لہٰذا انہوں نے ایک متعصّبانہ اور انتقامی ذہن سے صحابہ کرامؓ کے کردار اور سیرتوں کو داغ دار کرنے کی کوشش کی۔ ملتِ کفر کے سب نمائندوں نے جہاں عسکری محاذ پر ہزیمت اٹھائی وہیں اکابر اہل علم نے انہیں علمی اور اخلاقی سطح پر بھی شکست سے دوچار کیا۔ ان کے تعصبات کے سازِ کہن سے ابھی تک نفرت اور فساد کی کوئی نہ کوئی لے نکلتی رہتی ہے۔

پیشِ نظر کتاب کے فاضل مصنف پروفیسر حافظ اظہر محمود صاحب تبریک کے لائق ہیں کہ انہوں نے کمال محنت، مطالعے، تجزیے اور تحقیق سے اپنے موضوع کا حق ادا کر دیا ہے۔ اس کتاب میں ہر بات مستند حوالوں سے کی گئی ہے جس کے مطالعے سے دل و دماغ مطمئن ہو جاتے ہیں۔ اس موضوع پر اس نوع کی علمی اور تحقیقی کاوشیں جاری رکھی جائیں تو ان شاء اللہ تعصب اور نفرت کی برف پگھل جائے گی اور اتحاد بین المسلمین کی فضا کو تقویت ملے گی جس کی ان دنوں پورے عالم اسلام میں بالعموم اور ارضِ پاکستان میں بالخصوص بہت ضرورت ہے۔ کتاب کا منہج تحقیقی ہے۔ اسلوب نگارش کی جدت اور علمی انداز نے اس میں انشاپردازی کی خوبیوں کو پیدا کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فاضل مصنف کی اس کاوش کو ان کی حسنات میں شمار کرے اور اجر جزیل عطا فرمائے۔

(آمین)

پروفیسر عبدالجبار شاکر